مقلدین کے لئے بہترین تحفہ

حُجّیّتِ فقہ

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے

- فقہ کی حجیت کا قرآن و حدیث سے ثبوت
- غیر مقلدوں اور ان کی فقہ کا تنقیدی جائزہ
- تقلید، اجتہاد، فقہ کی تاریخ فتویٰ کے متعلق معلومات
- عصر حاضر میں فقہ پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات
- فقہ کے مآخذ، فقہی اختلاف کی وجوہات اختلاف میں ترجیح کے اصول

مصنف

ابو احمد محمد انس رضا قادری

تخصص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃ العالمیۃ

ایم اے اسلامیات، ایم اے پنجابی

ایم اے اردو

مکتبہ فیضانِ شریعت

داتا دربار مارکیٹ لاہور

حجیتِ فقہ

مصنف

ابو احمد محمد انس رضا قادری

مکتبہ فیضانِ شریعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حُجّیتِ فقہ

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

فقہ کی حجیت کا قرآن وحدیث سے ثبوت

عصر حاضر میں فقہ پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات

غیر مقلدوں اوران کی تفقہ کا تنقیدی جائزہ

ابو احمد محمد انس رضا قادری
تخصُص فی الفقہ الاسلامی،الشہادۃُ العالمیۃ
ایم ۔اے اسلامیات،ایم ۔اے پنجابی، ایم۔ اے اردو

مکتبہ فیضانِ شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ اٰلک واصحابک یا حبیب اللہ

جملہ حقوق بحق مصنف وناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ۔۔۔۔۔۔۔۔ حجیت فقہ

مصنف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ **ابو احمد محمد انس رضا قادری بن محمد منیر**

ناشر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مکتبہ **فیضان شریعت**، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

پروف ریڈنگ ۔۔۔۔۔ **ابو اطہر مولانا محمد اظہر** عطاری المدنی

قیمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اشاعتِ اول ۔۔۔۔۔۔۔ ربیع الآخر 1435ھ ،فروری 2014ء

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ بہار شریعت، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ اعلی حضرت دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ اہلسنت، فیصل آباد
☆ کرمانوالہ بک شاپ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مسلم کتابوی داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ فیضانِ عطار، کامونکی
☆ مکتبہ شمس وقمر، بھاٹی چوک، لاہور
☆ فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور
☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ رضا ورائٹی، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی کراچی

فہرس

صفحہ نمبر	مضمون
9	پیش لفظ
16	اس موضوع کو اختیار کرنے کا سبب
18	موضوع کی اہمیت
19	---باب اول: الفقہ---
19	فصل اول: فقہ کی تعریف ومفہوم
21	فصل دوم: فقہ کا مقام ومرتبہ
24	فصل سوم: فقہ کی تاریخ
25	تدوین فقہ کی تاریخ کا پہلا مرحلہ۔۔۔عہدِ رسالت
25	تدوین فقہ کی تاریخ کا دوسرا مرحلہ۔۔دورِ صحابہ
27	تدوین فقہ کی تاریخ کا تیسرا مرحلہ۔۔۔دورِ تابعین وتبع تابعین
27	چوتھا مرحلہ۔۔۔اوائل دوسری صدی تا نصف چوتھی صدی
30	پانچواں مرحلہ۔۔چوتھی صدی ہجری تا چھٹی ہجری کے نصف تک کا دور
31	چھٹا مرحلہ۔۔۔چھٹی صدی ہجری کے نصف سے لے کر چودہویں صدی کے شروع تک
31	فصل چہارم: فقہ کے مآخذ
32	بنیادی مآخذ

(1) قرآن	33
(2) حدیث	33
(3) اجماع	35
(4) قیاس	42
ثانوی مآخذ	55
(1) اِستحسان	55
(2) قولِ صحابی	58
(3) شرائع ماقبل	62
(4) اِستصحاب	66
(5) مصالح مُرسلہ	67
(6) سدُ الذرائع	69
فصل پنجم: اُصولِ فقہ	71
اُصولِ فقہ کی تدوین	78
۔۔۔ باب دوم: فقہی اختلاف ۔۔۔	80
فصل اول: اِختلاف	80
اختلاف کی تعریف ومفہوم	80
اختلاف کی اقسام	83
فصل دوم: اختلاف کی تاریخ وحجیت	87

93	فصل سوم: اختلاف کی وجوہات
108	فصل چہارم: اختلافِ رائے میں ترجیح کے اصول
118	---باب سوم: اجتهاد و تقليد---
118	فصل اول: اِجتہاد
118	اجتہاد کی تعریف ومفہوم
119	اجتہاد کی حجیت
124	اجتہاد کی شرائط واحکام
130	حق عنداللہ ایک ہے یا نہیں؟
132	فصل دوم: تقلید
132	تقلید کی تعریف ومفہوم
133	تقلید کی شرائط ولوازمات
136	تقلید کی شرعی حیثیت
141	تقلید شخصی کی شرعی حیثیت
146	فصل سوم: تقلید سے آزاد ہونے کی آفات
150	فصل چہارم: منکرین تقلید کا جائزہ
164	---باب چهارم: فقه اورفتوی---
169	فصل اول: فتویٰ
169	فتویٰ کی تعریف

فتویٰ کی ضرورت واہمیت	170
صاحبِ فتویٰ صحابہ کرام وتابعین علیہم الرضوان	172
بغیر علم فتویٰ دینے پر وعیدیں	173
فصل دوم: فتویٰ دینے کے لوازمات	176
مفتی کی صفات	176
حکمتِ عملی	179
فتویٰ نویسی	185
فتویٰ سے رجوع	194
آن لائن فتویٰ دینا	196
فصل سوم: فتویٰ لینے کے لوازمات	198
۔۔۔باب پنجم: عصر حاضر اور فقہ ۔۔۔	206
فصل اول: عصر حاضر کی فقہ	206
فصل دوم: عصر حاضر میں فقہ پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات	209
اعتراض: حنفی، شافعی، حنبلی،، مالکی ہونا دین میں تفرقہ ہے۔	209
اعتراض: ہدایت کے لئے قرآن وحدیث کافی ہے کسی کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔	212
اعتراض: فقہی کتب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں نہ تھیں یہ فقہاء کی اپنی اپنی آراء ہیں۔	243

اعتراض: مقلد قرآن وحدیث سے استنباط نہیں کرسکتا پھر وہ قرآن وحدیث سے دلائل کیوں دیتا ہے؟	245
اعتراض: تقلید شخصی شرک ہے۔	247
اعتراض: تقلید اور تقلید شخصی اسی طرح اور کئی افعال کو واجب کہنا کیسا ہے؟ جبکہ واجب اللہ و رسول کی ذات کرنے والی ہے۔	255
اعتراض: حدیث کے مقابل امام کے قول کو لیا جاتا ہے۔	260
اعتراض: درپیش مسئلہ میں جس کا چاہے قول لے لیا جائے یہی صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین سے ثابت ہے۔	268
اعتراض: کئی مسائل میں امام کا فتوی چھوڑ کر صاحبین کے فتوی پر عمل کیا جاتا ہے پھر تقلید کا ہے کی رہی؟	273
اعتراض: تقلید صرف ائمہ اربعہ ہی پر موقوف کیوں ہے؟	276
اعتراض: کسی امام نے یہ نہیں کہا ہماری تقلید کی جائے۔	277
اعتراض: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے۔	279
اعتراض: عصر حاضر کے اکثر فتاوی میں فتاوی رضویہ اور بہار شریعت کے حوالے ہوتے ہیں۔	283
اعتراض: ایک فعل کبھی ناجائز اور کبھی جائز ہوتا ہے۔	290
فصل سوم: مستقبل کی فقہ	294

انتساب

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دارالافتاء اہلسنت کے نام جن کی بدولت فقہی موضوع پر لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

فقہ جسے اسلام میں بڑا مقام حاصل ہے۔فقہ ضروریات دین سے ہے جس کا مطلقا انکار کفر ہے۔فواتح الرحموت میں ہے ”الفقة عبارة عن العلم بوجوب العمل وهو قطعی لاریب فیه ثابت بالاجماع القاطع بل ضروری فی الدین“ ترجمہ:وجوب عمل کے علم کا نام فقہ ہےاور یہ ایسی قطعی چیز ہے جس میں کوئی شک نہیں۔یہ اجماع قطعی سے ثابت بلکہ یہ ضروریات دین میں سے ہے۔

(فتواتح الرحموت بذیل المستصفیٰ،باب المقدمه فی اصول الفقه،جلد1،صفحه 12،منشورات الشریف الرضی قم، ایران)

حقیقت یہ ہے کہ نہ فقہ کے بغیر حدیث پر عمل ہوسکتا ہے نہ حدیث وفقہ کے بغیر قرآن پر عمل ہوسکتا ہے۔حلال وحرام،فرائض وواجبات کی تعیین کا عمل فقہ ہی سرانجام دیتی ہے۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے”فإن علم الفقه الإسلامی له أهمیته التی لا ینکرها منکر ، فهو الذی یبین لنا أحکام أعمالنا من عبادات و معاملات و لا یستغنی عنه مسلم حریص علی دینه“ ترجمہ:فقہ اسلامی کے علم کی اہمیت کا کوئی منکر بھی انکار نہیں کرسکتا۔فقہ اسلامی ہمارے لئے عبادات اور معاملات کے متعلق احکامات کو واضح کرتی ہے۔دین سے محبت کرنے والا مسلمان فقہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

(الموسوعة الفقهیة الکویتیة،جلد1،صفحه 5 ،دارالسلاسل،الکویت)

جس مسئلہ کی صراحت قرآن و حدیث میں نہ ملے اُس کی شرعی حیثیت فقہی لوازمات کے تحت واضح کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے﴿وَإِذَا جَـاءَ

هُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُواْ بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُوْلِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلاَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لاَتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلاَّ قَلِيلاً﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور اُن سے اُس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے۔ (سورۃ النساء، سورت 4،آیت 83)

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

"الآية دالة علی أمور،أحدها: أن فی أحكام الحوادث ما لا يعرف بالنص بل بالاستنباط وثانيها :أن الاستنباط حجة وثالثها:أن العامی يجب عليه تقليد العلماء فی أحكام الحوادث ورابعها: أن النبی صلی الله عليه وسلم كان مكلفا باستنباط الأحكام لأنه تعالی أمر بالرد إلى الرسول وإلى أولی الأمر" ترجمہ: یہ آیت درج ذیل امور پر مشتمل ہے:۔(1) بعض درپیش مسائل ایسے ہیں جنہیں نص سے نہیں بلکہ استنباط ہی کے ذریعے جاننا ممکن ہے۔(2) استنباط حجت ہے۔(3) عام آدمی کے لئے درپیش مسائل میں علماء کی تقلید واجب ہے۔(4) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسائل کے استنباط کرنے میں مکلّف تھے اس لئے کہ اللہ عزوجل نے حکم دیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل علم کی طرف رجوع کرنے کا۔

(تفسیر کبیر،جلد4،صفحہ154،مکتبہ علوم اسلامیہ،لاہور)

اسلاف کی یہی تعلیمات اور عمل رہا ہے کہ جس مسئلہ کی صراحت قرآن وحدیث

میں نہ ہو اس میں اجتہاد کیا جائے۔ سنن بیہقی میں ہے "عن الشعبی قال لما بعث عمر بن الخطاب رضی الله عنه شريحا على قضاء الكوفة قال انظر ما تبين لك فی كتاب الله فلا تسألن عنه أحدا و ما لم يتبين لك فی كتاب الله فاتبع فيه السنة و ما لم يتبين لك فی السنة فاجتهد فيه رأيك" ترجمہ: حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شریح کو کوفہ کا قاضی بنایا تو فرمایا مسئلے کا حل قرآن میں دیکھ، کسی سے نہ پوچھ، اگر اس کا بیان قرآن میں نہیں تو سنت کی اتباع کر، اگر سنت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں تو اس میں اپنا اجتہاد کر۔

(سنن اللبيهقی الكبری، كتاب آداب القاضی ،باب ما يقضی به القاضی ويفتی به المفتی، جلد10، صفحه 110، مكتبة دار الباز، مكة المكرمة)

المدخل میں ہے "عن الإمام أَحمد بن محمد بن حنبل رحمه الله تعالی أَنه قال أصول الِإيمان ثلاثة دَال، وَدلِيل، ومستدل. الدَّالُّ هو الله والدليل القرآن والمبلِّغ رسول الله صلى الله عليه وسلم والمستدلون هم العلماء" ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ایمان کے اصول تین ہیں:۔ (1) دلیل (2) دلیل دینے والا (3) دلیل پکڑنے والا۔ دلیل قرآن ہے۔ دلیل دینے پہنچانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور دلیل پکڑنے والے علماء کرام ہیں۔

(المدخل المفصل لمذہب الإمام أحمد وتخريجات الأصحاب، جلد 1، صفحه11، دار العاصمة، جده)

ابن قیم لکھتے ہیں "أن يكون بعد طلب علم الواقعة من القرآن فإن لم يجدها فی القرآن ففی السنة فإن لم يجدها فی السنة فبما قضى به الخلفاء الراشدون أو اثنان منهم أو واحد فإن لم يجده فبما قاله واحد من الصحابة

رضی اللہ عنہم فإن لم یجدہ اجتہد رأیہ و نظر إلی أقرب ذلك من کتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وأقضیۃ أصحابہ“ترجمہ: درپیش واقعہ کا حل قرآن سے طلب کیا جائے اور اگر قرآن میں نہ ہو تو سنت سے اور اگر ان دونوں میں نہ ہو تو خلفاء راشدین میں سے دو یا ایک نے جو فیصلہ فرمایا وہ لیا جائے۔اگر یہ بھی نہ ملے تو کسی صحابی نے جو فرمایا وہ لیا جائے۔اگر ان تمام میں نہ حل ملے تو اجتہاد کیا جائے جو قرآن وسنت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فیصلہ کے زیادہ قریب ہو۔

(إعلام الموقعين عن رب العالمين،جلد1،صفحہ93،مکتبۃ الکلیات الأزہریۃ، مصر)

دنیا میں نہ کوئی ایسا مفتی ہوا ہے نہ ہوگا جو ہر مسئلہ پر صریح قرآن کی آیت یا حدیث پیش کر دے۔اور نہ ہی ہر کوئی اتنا علم والا ہے کہ قرآن وحدیث سے مسائل استنباط کرے۔ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کیا،فقہی اصول ترتیب دیئے جن پر کئی برسوں سے مسلمان پوری دنیا میں کاربند ہیں۔ہر کوئی اپنے امام کی فقہ پر زندگی گزار رہا ہے اور ہر فقہ پر کئی مستند فقہی کتب موجود ہیں جن سے مسلمان استفادہ حاصل کر رہے ہیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:”فقہ کا نہ ماننے والا شیطان ہے،ائمہ کا دامن جو نہ تھامے وہ قیامت تک کوئی اختلافی مسئلہ حدیث سے ثابت نہیں کرسکتا۔جسے دعوی ہو سامنے آئے۔اور زیادہ نہیں اسی کا ثبوت دے کہ کتا کھانا حلال ہے یا حرام؟ آیت نے تو کھانے کی حرام چیزوں کو صرف چار میں حصر فرمایا ہے۔مردار اور رگوں کا خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔تو کتا درکنار سوئر کی چربی اور گردے اور اوجڑی کہاں سے حرام ہوگی؟ کسی حدیث میں ان کی تحریم نہیں اور آیت میں ﴿ لحم ﴾ (گوشت) فرمایا ہے جو ان کو شامل نہیں۔غرض یہ لوگ

شیاطین ہیں،ان کی بات سننا جائزنہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔‘‘

(فتاوٰی رضویہ،جلد29،صفحہ393،رضا فائونڈیشن،لاہور)

ان چاروں ائمہ کرام اوران کے ماننے والا گروہ سوادِاعظم (بڑا گروہ)اہل سنت وجماعت ہے۔جوان سے الگ ہواوہ گمراہ ہوا۔فاضل علاّمہ سیّدی احمد مصری طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ حاشیہ دُرمختار میں فرماتے ہیں”من شذّ عن جمهور اهل الفقه والعلم والسواد الاعظم فقد شذّ فيما يدخله في النار فعليكم معاشرالمومنين باتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة اللّٰہ تعالیٰ وحفظه وتوفيقه في موافقتهم وخذلانه وسخطه في مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في مذاهب اربعة وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم اللہ تعالیٰ ومن كان خارجاعن هذه الاربعة في هذاالزمان فهو من اهل البدعة والنار“ ترجمہ:جوشخص جمہوراہلِ علم وفقہ وسوادِاعظم سے جُدا ہوجائے وُہ ایسی چیز کے ساتھ تنہا ہوا جواُسے دوزخ میں لے جائیگی۔تواے گروہ مسلمین!تم پرفرقہ ناجیہ اہلسنّت وجماعت کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد اوراُس کا حافظ وکارساز رہنا موافقتِ اہلسنّت میں ہے اوراُس کوچھوڑ دینا اورغضب فرمانا اوردشمن بنانا سنیوں کی مخالفت میں ہے۔اورنجات والا گروہ اب چار مذاہب میں مجتمع ہے حنفی،مالکی،شافعی،حنبلی اللہ تعالیٰ ان سب پررحمت فرمائے اس زمانے میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی جہنمی ہے۔

(حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار،کتاب الذبائح،جلد4،صفحہ153، دارالمعرفة،بیروت)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چاروں مذاہب سے باہر ہونے والے کو بدعتی وجہنمی احادیث کی روشنی میں فرمایا کہ ان ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اوران کے ماننے والوں

نے قرآن وحدیث کی انتہائی باریک بینی سے جانچ پڑتال کی، مسائل کا استنباط کیا، مذاہب مرتب فرمائے، ہر مذہب والوں نے قرآن وحدیث سے دلائل دیئے، مخالف دلائل کے جوابات دیئے۔ پوری امت کی اکثریت انہی چار مذاہب پر عمل کرتی رہی اور آج بھی یہی چاروں مذاہب پوری دنیا میں رائج ہیں۔ بڑے بڑے مفسرین، محدثین، فقہائے کرام انہیں چاروں ائمہ کی تقلید کرتے رہے۔ حضور غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنبلی تھے، امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شافعی تھے، حضرت ابراہیم بن ادھم، شفیق بلخی، معروف کرخی، بایزید بسطامی، فضیل بن عیاض، داؤد طائی رحمہم اللہ حنفی تھے اور ہندوستان و پاکستان کے تمام اولیاء وعلماء رحمہم اللہ شروع سے ہی حنفی رہے ہیں۔ حضور داتا سرکار رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اپنا واقعہ لکھتے ہیں: ''میں ملک شام میں مسجد نبوی شریف کے مؤذن حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ مبارک کے سرہانے سویا ہوا تھا۔ خواب میں دیکھا میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بزرگ کو آغوش میں بچے کی طرح لئے ہوئے باب شیبہ (ایک دروازے کا نام) سے داخل ہو رہے ہیں۔ میں نے فرط محبت میں دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔ میں اس حیرت وتعجب میں تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی حالت کا اندازہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے امام ہیں جو تمہاری ہی ولایت کے ہیں یعنی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔''

(کشف المحجوب، صفحہ 146، شبیر برادرز، لاہور)

امت کی اکثریت کا اس پر عمل پیرا ہونا اس کے حق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ امت محمدیہ کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''لا

یجمع اللہ ھذہ الأمة علی الضلالة " ترجمہ: اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔ (المستدرک للحاکم، کتاب العلم، جلد1، صفحہ99، دار الکتب العلمیة، بیروت)

ان چاروں مذاہب کے ماننے والوں کا بڑا گروہ ہونے کا اعتراف بہت بڑے وہابی غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی کیا ہے چنانچہ کہتا ہے: ''خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں۔''

(ترجمانِ وہابیہ، صفحہ10، مطبع محمدی، لاہور)

دوسری جگہ لکھتا ہے: ''ہند کے مسلمان اکثر حنفی اور بعض شیعہ اور کمتر اہل حدیث ہیں۔'' (ترجمانِ وہابیہ، صفحہ15، مطبع محمدی، لاہور)

غیر مقلد ایک اور عالم مولوی ثناء اللہ امرتسری کہتا ہے: ''امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندوٴ سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے۔ اَسّی سال قبل قریبا سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی کہا جاتا ہے۔''

(شمع توحید، صفحہ40، مطبوعہ سرگودھا)

امت کو بڑے گروہ کی اتباع کا حکم دیا گیا اور اس سے علیحدہ ہونے والے کو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنم کی وعید سنائی چنانچہ فرمایا "ید اللہ علی الجماعة فاتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذ شذ فی النار " ترجمہ: اللہ عزوجل کا دست رحمت جماعت پر ہے تو بڑے گروہ کی اتباع کرو، جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔ (المستدرک للحاکم، کتاب العلم، جلد1، صفحہ99، دار الکتب العلمیة، بیروت)

کوئی فرد یا گروہ ان ائمہ اربعہ اور عظیم ترین فقہاء ومحدثین کے گروہ سے زیادہ علم والا نہ آیا ہے اور نہ آسکے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی تفسیر فرماتے، صحابہ کرام و

تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن وحدیث کی وضاحت فرماتے اسی طرح اہل علم حضرات بعد میں آنیوالوں کے لئے راہ ہموار کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ آج درجنوں تفاسیر، احادیث کی شروح اور فقہی کتب ہر زبان میں موجود ہیں۔

اس موضوع کو اختیار کرنے کا سبب

اس موضوع کو اختیار کرنے کا سبب فقہ کی حجیت کو ثابت کرنا ہے۔ عصر حاضر میں جہالت و گمراہی بڑھتی جارہی ہے، کوئی حدیث کا انکار کرتا ہے تو کوئی تقلید وفقہ کا منکر ہے، کوئی دو چار کتابیں پڑھ کر قرآن وحدیث سے الٹے سیدھے مسائل استنباط کرتا ہے، تو کوئی اپنی جہالت میں جو بات عقل و دل کو بھائے اس پر عمل کرتا ہے اور اسے ہی حق سمجھتا ہے۔ پھر ہر کوئی اپنے نظریے کو حق جانتا ہے اور اس پر گھما پھرا کر دلائل دیتا ہے۔ ان کی گمراہی پھیلانے میں میڈیا نے کسی حد تک ان کا بھرپور ساتھ دیا اور دے رہے ہیں جس میں علماء کو جاہل و شدت پسند ظاہر کیا جارہا ہے۔ میڈیا پر ہر کوئی یہی کہتا نظر آتا ہے کہ صحابہ کرام نہ حنفی تھے، نہ شافعی، نہ حنبلی اور نہ مالکی تھے، قرآن وحدیث ہماری رہنمائی کے لئے ہیں اس پر عمل کرنا چاہیے۔ گویا ان کی نظر میں حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی ہونا قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ اتنے بڑے بڑے محدثین ومفسرین اور فقہاء جو خود کو حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی کہتے آئے ہیں وہ معاذ اللہ ان سے کم علم والے تھے۔ تمام امت کو بے علم اور خود کو زیادہ علم والا سمجھنا گمراہی کا پہلا دروازہ ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”گمراہی کہہ کر نہیں آتی۔ گمراہی کا پہلا پھاٹک یہی ہے کہ آدمی کے دل سے اتباع سبیل مومنین کی قدر نکل جائے۔ تمام امت مرحومہ کو بیوقوف جانے اور اپنی رائے الگ جانے۔“

(فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ323، رضافائونڈیشن، لاہور)

آجکل زیادہ گمراہی کا سبب بعض جدید اَذہان کاتھوڑی بہت دینی کتب پڑھ کرخود کو بہت بڑا عالم اور مولویوں کو جاہل سمجھنا ہے۔اسی علم کوحدیث پاک میں جہالت کہا گیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"إن من البيان سحرا وإن من العلم جهلا وإن من الشعر حكما وإن من القول عيالا" ترجمہ:بعض بیان جادو ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض کلام وبال پر مبنی ہیں۔

(سنن ابو دائود،کتاب الادب ،باب ما جاء فی الشعر ،جلد2،صفحہ721،دار الفکر ،بیروت)

یہ لوگ کتب فقہ کو مستند نہیں مانتے بلکہ اس پر عمل پیرا ہونے والوں پر اعتراض کرتے ہیں اور اگر انہیں کوئی حدیث مل جائے جو انہیں ان کے اندھے پن کی وجہ سے کتب فقہ میں مذکور مسئلہ کے مخالف نظر آئے بہت اعتراض کرتے ہیں۔اسی فتنے کے باعث بعض لوگوں کا کتب فقہ سے اعتماد اٹھتا جارہا ہے جب کسی مسئلہ میں مستند کتب فقہ سے حوالہ پیش کیا جائے تو اسے ناکافی سمجھتے ہیں اور قرآن وحدیث سے دلیل طلب کرتے ہیں۔اس موضوع میں جہاں فقہ کی حجیت کو ثابت کیا گیا ہے وہاں حنفی کہلانے والوں کے ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات کو بھی دور کیا گیا ہے کہ فقہ کا دارومدار قرآن وحدیث پر ہے۔جن مسائل کا صراحۃً قرآن وحدیث میں جواب نہیں ان کو قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی حل کر کے کتب فقہ میں لکھا گیا ہے۔لہٰذا وہ معتبر فقہی کتب جو ہمارے یہاں رائج ہیں اگر کسی مسئلہ میں ان سے حوالہ دیا جائے تو وہ حوالہ بلا شبہ معتبر ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قاری بخوبی جان جائے گا کہ کتب فقہ جن پر برسوں سے بڑے بڑے فقہائے کرام،محدثین وصوفیاءعظام عمل پیرا ہیں وہ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں۔یہی وہ گروہ ہے جو ہمیشہ حق پر رہا ہے اور رہے گا جن کی مخالفت کرنے والے خود

نیست و نابود ہو جائیں گے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي، ولا تزال طائفة من أمتي على الحق ظاهرين لا يضرهم من خالفهم حتى يأتي أمر الله" ترجمہ: میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا اس کی مخالفت کرنے والا اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

(مسند أحمد ،مسند الأنصار،ومن حديث ثوبان ،جلد37،صفحہ79،مؤسسة الرسالة،بيروت)

قرآن پاک میں ہے﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ (النساء،سورت4،آیت115)

موضوع کی اہمیت

اس موضوع کی بنیادی اہمیت یہی ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں فقہ کی اہمیت اجاگر ہو، وہ یہ جان سکے کہ ایک مسئلہ کی بیک گراؤنڈ کیا ہوتی ہے وہ کن مراحل سے گزرتا ہے۔دوسرا اس موضوع میں فقہ کے متعلقہ کافی عنوانات جیسے فقہی اختلافات، اجتہاد وتقلید، وغیرہ کو عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق شامل کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں فقہ کے متعلق جو اشکال پیدا ہوتے ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔

المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابواحمد محمد انس رضا قادری
11جمادی الآخر 1434ھ 22اپریل 2013ء

۞۔۔۔ باب اول: الفقہ ۔۔۔۞

فصل اول: فقہ کی تعریف ومفہوم

فقہ کا لغوی معنی فہم یعنی سمجھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے ﴿وَإِن مِّنْ شَیْءٍ إِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِیحَهُمْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

(سورۃ الاسرار، سورت 17، آیت 44)

فقہ کا اصطلاحی معنی شرعی احکام کی معرفت ہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فقہ کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں "الفقه معرفة الاحكام الشرعية التى طريقها الاجتهاد والأحكام الشرعية هى الواجب، والندب، والمباح، والمحظور، والمكروه، والصحيح، والباطل" ترجمہ: فقہ احکام شرعیہ کی معرفت ہے۔ وہ احکام جو اجتہاد کے طریقہ سے واضح کئے گئے ہیں۔ احکام شرعیہ میں واجب، مستحب، مباح، ناجائز، مکروہ، صحیح اور باطل ہیں۔

(الفقیہ و المتفقہ، جلد 1، صفحہ 191، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے "أن الفقه مرادف للفظ الشرع، فهو معرفة كل ما جاء عن الله سبحانه وتعالى، سواء ما يتصل بالعقيدة أو الأخلاق أو أفعال الجوارح ومن ذلك ما عرفه الإمام أبو حنيفة رضى الله عنه هو معرفة النفس ما لها وما عليها ولهذا سمى كتابه فى العقائد الفقه الأكبر" ترجمہ: فقہ لفظِ شرع کے مترادف ہے۔ فقہ اللہ عزوجل کی طرف سے تمام احکامات کی معرفت ہے۔ وہ احکام برابر ہیں خواہ عقیدہ سے تعلق رکھتے ہوں یا اخلاق وافعالِ جسم سے تعلق رکھتے ہوں۔ اسی سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقہ سے مراد یہ ہے کہ نفس کا ان چیزوں کو جاننا جو اس کیلئے

حلال اور حرام ہیں۔اس لئے انہوں نے اپنی عقائد کی کتاب کا نام فقہ اکبر رکھا۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد1، صفحه 12، دار السلاسل، الكويت)

مقدمہ شامی میں فقہ کے متعلق ہے"وفضيلته كونه أفضل العلوم سوى الكلام والتفسير والحديث وأصول الفقه ونسبته لصلاح الظاهر كنسبة العقائد والتصوف لصلاح الباطن" ترجمہ: فقہ علم کلام، تفسیر، حدیث اور اصول فقہ کے علاوہ تمام علوم سے افضل ہے اور اس کا تعلق ظاہری اصلاح کے ساتھ ہے جیسے عقائد و تصوف کا تعلق باطن کی اصلاح کے ساتھ ہے۔ (ردالمحتار، جلد1، صفحه97، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

فقہ دراصل انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے اور درج ذیل شعبہ ہائے حیات کی بابت اس فن کے ذریعے رہنمائی ملتی ہے:۔

العبادات: وہ احکام جو خدا اور بندہ کے براہ راست تعلق پر مبنی ہیں۔جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، نذر، اعتکاف، قسم، وغیرہ

الاحوال الشخصیہ: دو آدمیوں کے درمیان غیر مالی بنیاد پر تعلقات سے متعلق احکام، اس میں نکاح، طلاق، فسخ و تفریق، عدت و ثبوت نسب، نفقہ و حضانت، ولایت، میراث، وصیت وغیرہ۔

المعاملات المدنیہ: دو اشخاص کے درمیان مالی معاہدہ پر مبنی تعلقات، اس میں خرید و فروخت، شرکت، رہن و کفالت، ہبہ، عاریت، اجارہ وغیرہ۔

الاحکام القضائیہ: اس سے مراد عدالتی قوانین ہیں یعنی قاضی کا تقرر، شہادت و وکالت، دعوی کے احکام وغیرہ۔

الاحکام الدستوریہ: وہ قانون جو حکومت اور ملک کے شہریوں کے درمیان حقوق و

فرائض کومتعین کرتے ہیں۔

الاحکام الدولیہ: ایک ملک کے دوسرے ملک کے ساتھ معاملات، دارالاسلام، دارالحرب، جہادوغیرہ۔

عقوبات: جرم وسزا سے متعلق قوانین اس میں شرعی حدود، قتل، جنایت وغیرہ کی سزااورجن جرائم کے بارے میں کوئی سزا متعین نہیں کی گئی ان کی سزا تعزیراً متعین کرنا ہے۔

بین المما لک قوانین: دوملکوں اور دوقوموں کے درمیان تعلقات ومعاہدات اور حقوق وفرائض سے متعلق قوانین ان کوفقہاء اسلام سِیَر سے تعبیر کرتے ہیں۔

(ماخوذ از مقدمہ ردالمحتاروغیرہ)

فصل دوم: فقہ کا مقام ومرتبہ

فقہ کوقرآن پاک میں خیر کثیر کہا گیا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے﴿ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔ (سورۃ البقرۃ، سورت2، آیت269)

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں" لیست بالنبوۃ ولکن الفقہ والعلم" ترجمہ: یہ حکمت نبوت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ فقہ اور علم کے ساتھ ہے۔ (الفقیہ و المتفقہ، جلد1، صفحہ132، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

فقہ دین کا ستون ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" لکل شیء عماد، وعماد ھذا الدین الفقہ" ترجمہ: ہر چیز کا ستون ہے اور دین اسلام کا ستون فقہ ہے۔

(المعجم الأوسط، باب المیم، من اسمہ محمد، جلد6، صفحہ194، دار الحرمین، القاہرۃ)

حدیث پاک میں اسے افضل عبادت کہا گیا۔ کنزالعمال، المعجم الکبیر للطبرانی اور

مسند الشھاب میں ہے”عن ابن عمر و ابن عباس قالا قال رسول الله صلى الله عليه و سلم أفضل العبادة الفقه“ ترجمہ: حضرت ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا افضل عبادت فقہ ہے۔

(مسند الشهاب،أفضل العبادة الفقه۔۔،جلد2،صفحه249، مؤسسة الرسالة ،بيروت)

فقہ کا تھوڑا حصہ کثیر عبادت سے بہتر ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے”يسير الفقه خير من كثير العبادة“ترجمہ: فقہ کا تھوڑا حصہ کثیر عبادت سے بہتر ہے۔

(المعجم الكبير للطبراني،نسبة عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه ، جلد 1،صفحه135،مكتبة العلوم والحكم ،الموصل)

فقہ کے بغیر عبادت کامل نہیں۔الفقیہ والمتفقہ میں ہے”عن ابن عمر ، قال قال رسول الله لا خير فی قراء ة إلا بتدبر و لا عبادة إلا بفقه ، و مجلس فقه خير من عبادة ستين سنة “ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بغیر تدبر کے تلاوت بہتر نہیں اور بغیر فقہ کے عبادت بہتر نہیں اور فقہ کی مجلس ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(الفقيه و المتفقه،جلد1،صفحه97،دار ابن الجوزی،سعوديه)

صاحب فقہ جسے تمام لوگوں سے افضل کہا گیا چنانچہ امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک نقل کرتے ہیں”عن أنس قال جاء رجل إلى رسول الله فسأله عن العباد و الفقهاء فقال يا رسول الله العباد أفضل عند الله أم الفقهاء فقال رسول الله فقيه أفضل عند الله من ألف عابد“ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عبادت گزار اور فقیہ کے متعلق سوال کیا کہ دونوں میں کون افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا فقیہ ہزار عابدوں سے افضل ہے۔

(الفقیہ و المتفقہ، جلد1، صفحہ106، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

فقیہ قیامت والے دن لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے "إذا کان یوم القیامة یؤتی بالعابد و الفقیه ، فیقال یعنی للعابد أدخل الجنة ، و یقال للفقیه اشفع" ترجمہ: جب قیامت کا دن ہوگا عابد اور فقیہ کو لایا جائے گا۔ عابد کو کہا جائے گا جنت میں داخل ہوجا اور فقیہ کو کہا جائے گا مسلمانوں کی شفاعت کر۔ (الفقیہ و المتفقہ، جلد1، صفحہ112، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

اللہ عزوجل جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے تفقہ عطا فرما دیتا ہے۔ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک نقل فرماتے ہیں "عن معاویة بن أبی سفیان قال و هو یخطب علی المنبر سمعت رسول الله یقول: یا أیها الناس إنما العلم بالتعلم و الفقه بالتفقه و من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین و إنما یخشی الله من عباده العلماء" ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے علم سیکھنے سے آتا ہے اور فقہ تفقہ سے اور اللہ عزوجل جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ اور اللہ کے بندوں میں علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

(الفقیہ و المتفقہ، جلد1، صفحہ79، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

درمختار میں ہے "کل إنسان غیر الانبیاء لا یعلم ما أراد الله تعالی له و به، لان إرادته تعالی غیب، الا الفقهاء فإنهم علموا إرادته تعالی بهم بحدیث الصادق المصدوق :(من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین)" ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام انسان اللہ عزوجل کے ارادہ کو نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل نے ان کے

لئے کیا ارادہ کیا ہے، اس لئے کہ ارادہ باری تعالیٰ غیب ہے۔ مگر فقہاء حدیث پاک کی وجہ سے ارادہ باری تعالیٰ جان جاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، مقدمہ، جلد1، صفحہ 117، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

فصل سوم: فقہ کی تاریخ

فقہ چونکہ احکامات شرعیہ پر مشتمل ہے اور احکام کی تاریخ بہت پہلے سے ہے۔ جب اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، شیطان کو نافرمانی کرنے پر مردود ٹھہرایا، حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر کتب وصحائف اتارے جس میں احکامات ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوا فِيْهِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کردے۔ (سورۃ البقرۃ، سورت2، آیت213)

انسانی فطرت بھی تقاضا کرتی ہے کہ زندگی گزارنے کا ایک اصول ہونا چاہئے۔ اسی لئے ہر مذہب میں جائز وناجائز وغیرہ کا تصور موجود ہے۔ اسلام چونکہ ایک کامل دین ہے جس میں شروع سے ہی لوگوں کی صحیح رہنمائی کی گئی ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل وقابیل کا واقعہ ہوا اور قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا تو پھر اس لاش کا کیا کرنا ہے اس کے بارے میں اللہ عزوجل نے ایک کوے کے ذریعے رہنمائی فرمائی چنانچہ قرآن

پاک میں ہے﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْأَةَ أَخِيهِ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ (سورة المائدہ، سورت5،آیت31)

اسی طرح قرآن پاک میں رہنمائی فرمائی گئی،سوال پوچھنے پر آیت نازل فرمادی جاتی تھی۔فقہ اسلامی درج ذیل ادوار پر مشتمل ہے:۔

تدوین فقہ کی تاریخ کا پہلا مرحلہ۔۔۔عہدِ رسالت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں احکام کا دارومدار وحی پر ہی تھا۔مسائل میں وحی کے ذریعے رہنمائی فرمادی جاتی تھی۔جس مسئلہ میں حکم نازل نہ ہونے کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام علیہم الرضوان اجتہاد کرتے تھے اسے بھی وحی کے ذریعے ختم یا قائم رکھا جاتا تھا۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے”وهو فی عهديه المكی والمدنی يعتمد كل الاعتماد على الوحی ، حتى إن المسائل التی اجتهد فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم أو اجتهد فيها أصحابه فی حضرته أو غيبته ثم علمها فأقرها أو أنكرها تعتمد كذلك على الوحی“ترجمہ:وہ مکی مدنی دور تھا جس میں تمام اعتماد وحی پر تھا یہاں تک کہ جن مسائل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتہاد فرمایا یا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یا غیبت میں اجتہاد فرمایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہو گیا تو اس اجتہاد کو باعتبار وحی قائم رکھا گیا یا رَد کر دیا گیا۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد1،صفحه 23،دارالسلاسل،الكويت)

تدوین فقہ کی تاریخ کا دوسرا مرحلہ۔۔دورِ صحابہ

فقہ کا صحیح طور پر پہلا دور عہد صحابہ میں شروع ہوا جب فتوحات ہوئیں،دوسرے

ملکوں واقوام سے اختلاط ہوا، جدید مسائل درپیش ہوئے، فتوی دینے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان منظر عام پر آئے دوسرے صحابہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے "نذکر منهم عمر وعليا وزيد بن ثابت وعائشة وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس ومعاذ بن جبل وعبد الله بن مسعود رضى الله عنهم جميعا ولو جمعت فتاوى كل واحد منهم لكانت سفرا عظيما" ترجمہ: ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں، حضرت عمر، علی، زید بن ثابت، عائشہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اگر ان صحابہ کرام کے فتاوٰی کو جمع کیا جاتا تو بہت بڑی کتاب بن جاتی۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد 1، صفحه 25، دارالسلاسل، الكويت)

خلیفہ مامون کے پر پوتے ابوبکر محمد نے صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاوٰی کو جمع کیا تو ان کی بیس جلدیں ہوئیں۔ تحریری فتاوٰی کی تاریخ بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان سے شروع ہوتی ہے۔ ایک شخص ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتووں کا مجموعہ لایا، انہوں نے پڑھ کر چند چیزوں کو برقرار رکھا اور باقی کو مٹا دیا اور فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف غلط منسوب ہے، وہ ہرگز ایسا فتوی نہیں دے سکتے۔

اُس دور میں اگر کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو قرآن وحدیث میں اس کا حل تلاش کیا جاتا اگر وہاں مذکور نہ ہوتا تو اہل علم صحابہ سے مشورہ کیا جاتا۔ اگر کسی مسئلہ میں تمام صحابہ اجماع کر لیتے تو وہ حجت بن جاتا جس کے انکار کی آئندہ کوئی گنجائش نہ تھی۔ جیسے صحابہ کرام نے مسلمان عورت کا کسی عیسائی یا یہودی سے نکاح کے حرام ہونے پر اجماع فرمایا ہے۔ اسی طرح کئی مسائل میں صحابہ کرام نے اجتہاد اور اختلاف کیا جو آج بھی کتب میں مذکور ہے۔

تدوین فقہ کی تاریخ کا تیسرا مرحلہ۔۔۔دورِتابعین وتبع تابعین

اس دور میں فقہ کا دائرہ کار اور زیادہ وسیع ہوا۔جن مسائل میں صحابہ کا اختلاف تھا وہی اختلاف تابعین میں بھی منتقل ہوا۔مدینہ والے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرتے ،مکہ والے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ،کوفہ والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرتے ۔اس دور میں دو مدرسے وجود میں آئے ایک حجاز میں اور ایک عراق میں ۔حجاز والے اجتہاد میں اعتماد کتاب وسنت پر ہی کرتے تھے قیاس پر بہت کم اعتماد کرتے تھے ۔عراق والے جس مسئلہ میں قرآن وحدیث واجماع سے حکم نہ ملتا تھا وہاں قیاس کرتے تھے۔

اس دور میں صحابہ کرام وتابعین علیہم الرضوان کے فتاوٰی کو ضائع ہونے کے ڈر سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر ان کی تدوین شروع کی گئی۔

تدوین فقہ کی تاریخ کا چوتھا مرحلہ۔۔۔اوائل دوسری صدی تا نصف چوتھی صدی

تدوین فقہ کا چوتھا مرحلہ جو عباسی دور کی ابتداء سے شروع ہوکر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک محیط ہے ۔نہایت اہم ہے اور اسے نہ صرف فقہ اسلامی بلکہ تمام ہی اسلامی و عربی علوم وفنون کا سنہرا دور کہہ سکتے ہیں۔اصول فقہ کی باضابطہ تدوین بھی اسی عہد میں ہوئی کہا جاتا ہے اور تحقیق بھی یہی ہے کہ اس فن پر اول تحریر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے تلامذہ کی ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الرسالہ'' قدیم ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔ یہ نہایت اہم کتاب ہے اور ابتدائی دور کی تالیف ہونے کے لحاظ سے نہایت جامع ،واضح اور مدلل تالیف ہے،جس میں قرآن مجید کے بیان کے اصول،سنت کی اہمیت اور قرآن سے اس کا ربط،ناسخ ومنسوخ،علل حدیث،خبر واحد کی حجیت، اجماع، قیاس،

اجتہاد، استحسان اور فقہی اختلاف رائے کی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے۔اس دور میں فقہی اجتہادات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔اس دور کی شخصیتوں میں سب سے ممتاز ائمہ اربعہ،امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، لیث بن سعد،ابن جریر طبری، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

فقہ کی باضابطہ تدوین کا شرف پہلے جس شخصیت کو حاصل ہوا وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہے۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" من اراد الفقه فهو عيال على ابى حنيفة" ترجمہ: جو فقہ کا ارادہ کرے وہ امام ابوحنیفہ کی عیال میں سے ہے۔مزید امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے" الناس كلهم فى الفقه عيال ابى حنيفة" ترجمہ: فقہ میں سب لوگوں کا سہارا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔اس کا اعتراف امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا، آپ فرماتے ہیں" انه اول من دوّن علم الشريعة ورتبها ابوابا ثم تبعه مالك ابن انس فى ترتيب الموطا ولم يسبق ابا حنيفة احد" ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کی تدوین کی اور اسے ابواب پر مرتب کیا، پھر موطا کی ترتیب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں کی پیروی کی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"انه اول من دون علم الفقه ورتبه ابوابا و كتبا على نحو ماهو عليه اليوم وتبعه مالك فى مؤطائه" ترجمہ: امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور کتاب اور باب پر اس کو مرتب فرمایا جیسا کہ آج موجود ہے اور امام مالک نے اپنی موطا میں انہیں کی اتباع کی ہے۔

تدوین فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا شورائی نظام تھا"فوضع ابو حنيفة

مـذھبـه شـوری بیـنـهـم لم یستمد بنفسه دو نهم“ ترجمہ: امام ابوحنیفہ نے اپنا مذہب شورائی رکھا وہ شرکاء شوریٰ کو چھوڑ کر تنہا اپنی رائے مسلط نہیں کرتے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”امام اعظم کے حلقہ درس میں چالیس اصحاب تھے جنہوں نے شب و روز کی محنت کے بعد مسائل شرعیہ پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کیا۔“ تدوین کا مطلب یہ تھا کہ کسی مسئلہ سے متعلق آیت و حدیث پیش ہوتی، امام اعظم اس میں متعدد احتمالات بیان کرتے اور ان احتمالات کی تائید میں نصوص و عبارات پیش کرنے کے لئے اپنے تلامذہ میں تقسیم فرما دیتے اور ایک احتمال پر خود دلائل قائم فرماتے تمام اصحاب ان احتمالات کی تنقیح و توضیح میں کوشش فرماتے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم کے کسی ایک مسئلہ کو لے کر کوفہ کے محدثین و فقہا پر دورہ کرتا اور جب دوسرے دن مجلس منعقد ہوتی تو امام اعظم فرماتے فلاں نے اس مسئلہ میں یہ کہا ہوگا اور فلاں نے یہ۔ امام ابو یوسف یہ سن کر حیران رہ جاتے اور امام اعظم اس پر فرماتے: ”میں تمام علم کوفہ کا عالم ہوں۔“ غرضیکہ اس طرح جب کسی ایک احتمال پر اتفاق ہو جاتا تو اس کو لکھ لیا جاتا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی ایک احتمال پر متفق نہ ہونے کی صورت میں وہ احتمال انہیں کی طرف منسوب ہو کر لکھا جاتا جو اس پر قائم ہوتے، اسی لئے کتب فقہ میں متعدد اقوال منقول ہیں لیکن درحقیقت یہ سب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کی جانب سے ہیں۔

امام اعظم کی اس مجلس کا مرتب کردہ مجموعہ نہایت ضخیم تھا بعض نے چھ لاکھ اور بعض نے بارہ لاکھ مسائل پر مشتمل لکھا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مبالغہ ہو لیکن ایک محتاط اندازہ کے مطابق یہ تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی جس کی تصدیق امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے آج بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ مجموعہ اگرچہ اب دستیاب نہیں

لیکن اس کے قوانین وضوابط زمانہ مابعد میں اساسی اہمیت کے حامل رہے اور بعد کے مجتہدین نے پرخوب طبع آزمائی کی اورتفریع درتفریع سے بے شمار کتابیں معرض وجود میں آئیں۔دوسری صدی سے لیکرآج تک یہ سلسلہ زوروشور کے ساتھ جاری رہا۔اسی دور میں ائمہ اربعہ کی فقہ کی تدوین مکمل ہوچکی تھی۔اسی زمانہ میں متون مذہب لکھے گئے اوران کی شروح تحریر کی گئیں اورہرزمانہ میں فتاوی کی شکل میں کتابیں وجود میں آئیں۔

تدوین فقہ کی تاریخ کا پانچواں مرحلہ۔۔چوتھی صدی ہجری تا چھٹی ہجری کے نصف تک کا دور

پچھلے دور کے بعد شخصی تقلید کا رواج ہوا ائمہ مجتہدین کی سعی ومحنت سے فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین پایہ کمال کو پہنچ چکی تھی اوران کی کوشش کی وجہ سے لوگوں کے لئے ہرطرح کے مسائل کا حل موجود تھا۔اسی دور میں فقہ دبستان کے دلائل پر لکھا گیا اورترجیح اقوال کا کام کیا گیا۔اسی دور میں مشہور فقہاء احناف کے نام درج ذیل ہیں:۔امام ابوالحسن عبداللہ بن حسن کرخی(260۔340ھ)،ابوبکر جصاص رازی(متوفی 370ھ)،ابوجعفر محمد بن عبداللہ بلخی ہندوانی(متوفی 373ھ)،ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی(متوفی 373ھ)،ابو عبداللہ یوسف بن محمد جرجانی(متوفی 398ھ)،ابوالحسن احمد قدوری(متوفی 427ھ)، شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی(متوفی 418ھ)،شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی (متوفی 483ھ)،ابوبکر ابن مسعود کاسانی(متوفی 587ھ)،فخرالدین حسن جندی قاضی خاں(متوفی 592ھ)،علی ابن ابی بکر مرغینانی(متوفی 593ھ)رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مالکیوں میں ابوبکر محمد بن عربی صاحب احکام القرآن(متوفی 536ھ)،امام ابو الفضل قاضی عیاض(متوفی 541ھ)اورشافعیوں میں امام غزالی(450ھ۔505ھ)،

امام نووی (متوفی 631ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تدوین فقہ کی تاریخ کا چھٹا مرحلہ۔۔۔چھٹی صدی ہجری کے نصف سے لے کر چودہویں صدی کے شروع تک

اس دور میں اہل علم نے اپنے مذہب فقہی کی خدمت کی مختلف مذاہب سے متعلق متون پر مبنی شروح وحدیث کی ترتیب عمل میں لائی، فتاوٰی مرتب ہوئے۔اسی دور میں چند مشہور فقہاء کے نام درج ذیل ہیں:۔ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (متوفی 710ھ)، ابو عثمان فخرالدین زیلعی (متوفی 743ھ)، محمد بن عبد الواحد کمال الدین ابن ہمام (متوفی 761ھ)، محمد بن احمد بدرالدین عینی (762ھ۔855ھ)، زین العابدین ابن نجیم مصری (متوفی 969ھ)، صاحب النہر الفائق عمر بن ابراہیم ابن نجیم (متوفی 1005ھ)، ابن عابدین علامہ شامی (متوفی 1252ھ)، امام احمد رضا خان (1272ھ۔1340ھ)، مفتی امجد علی اعظمی (1300ھ۔1367ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

شوافع میں علامہ تقی الدین سبکی (683۔752ھ)، شیخ الاسلام زکریا انصاری (826۔926ھ)، شہاب الدین ابن حجر ہیتمی (909۔995ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔حنابلہ میں ابن تیمیہ (661۔728ھ)، ابن قیم جوزی (691ھ۔751ھ)

فصل چہارم: فقہ کے مآخذ

مآخذ جمع ہے ماخذ کی اور ماخذ نکلا ہے اخذ سے، جس کا معنی ہیں پکڑنا، لینا، نقل کرنا وغیرہ۔ (منجد، بذیل مادہ، اخ ذ، صفحہ23، خزینہ علم وادب، لاہور)

فقہی مآخذ کی دو اقسام ہیں:۔(1) بنیادی مآخذ (2) ثانوی مآخذ

(1) بنیادی مآخذ

فقہ کے بنیادی مآخذ چار ہیں (1) قرآن (2)حدیث(3) اجماع(4) قیاس۔ان چاروں مآخذ کا ثبوت قرآن پاک کی اس آیت سے ہے﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ أَطِیْعُواْ اللّٰهَ وَأَطِیْعُواْ الرَّسُوْلَ وَأُوْلِی الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔ (سورۃ النساء، سورت4، آیت59)

اس آیت میں﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾ سے قرآن وحدیث کا ثبوت ہے اور﴿ اولی الامر منکم﴾ سے اجماع کا ثبوت ہے اور﴿فردوہ الی اللہ والرسول﴾ سے قیاس کا ثبوت ہے۔امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں چاروں مآخذ کو بالتفصیل واضح کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں"الفقہاء زعموا أن أصول الشریعة أربع الکتاب والسنة والاجماع والقیاس ، وھذہ الآیة مشتملة علی تقریر ھذہ الأصول الأربعة بھذا الترتیب۔۔" ترجمہ: فقہاءکرام کا مؤقف یہ ہے کہ اصولِ شرعیہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ یہ آیت ان چاروں پر مشتمل ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد4، صفحہ112۔۔، مکتبہ علوم اسلامیہ ، لاہور)

ان چاروں مآخذ پر مزید دلائل کے ساتھ کلام پیش کیا جاتا ہے:۔

(1) قرآن

قرآن جو بے کم و کاست محفوظ ہے اور قیامت تک رہے گا۔اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

(سورۃ الحجر، سورت15،آیت9)

قرآن مجید میں فقہی احکام سے متعلق آیات کی تعداد علماء نے دو،ڈھائی سو سے لے کر پانچ سو تک لکھی ہے۔ پانچ سو کی تعداد اس لحاظ سے ہوسکتی ہے کہ قرآن سے ثابت ہونے والے صریح احکام کے علاوہ اصولی احکام کو بھی شامل کر لیا جائے۔ملا جیون نے تفسیراتِ احمدیہ میں اسی اصول پر آیات کا انتخاب کیا ہے جن کی تعداد 462 ہے۔بعض نے عبادات کے علاوہ دوسرے مسائل سے متعلق آیات کی تعداد بھی لکھی ہے۔

(2) حدیث

حدیث سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات،آپ کا عمل نیز وہ قول وفعل ہے جو آپ کے سامنے آیا اور آپ نے اس سے منع نہ کیا ہو۔حدیث کے حجت ہونے پر امت کا اجماع و اتفاق ہے کیونکہ قرآن مجید میں کثرت سے مستقل طور پر اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ترجمہ کنز الایمان: جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

(سورۃ النساء،سورت4،آیت80)

دوسری جگہ ہے﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ

كُنتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

(سورۃ النساء، سورت4، آیت59)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"فعليكم بسنتي" ترجمہ: تم پر میری سنت کی اتباع ہے۔

(سنن ابو دائود، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، جلد2، صفحہ610، دار الفکر، بیروت)

حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلقا انکار کفر ہے چنانچہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''جو شخص حدیث کا منکر ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہے اور جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہے وہ قرآن مجید کا منکر ہے اور جو قرآن کا منکر ہے اللہ واحد قہار کا منکر ہے اور جو اللہ کا منکر ہے صریح مرتد کافر ہے اور جو مرتد کافر ہے اسے اسلامی مسائل میں دخل دینے کا کیا حق۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے﴿مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ترجمہ: رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اور فرماتا ہے﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ترجمہ: اے نبی تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک تجھے اپنی ہر اختلافی بات میں حاکم نہ بنائیں پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے کچھ تنگی نہ پائیں اور اچھی طرح دل سے مان لیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد14، صفحہ312، رضافائونڈیشن، لاہور)

احادیث جو احکام فقہیہ سے متعلق ہیں ان کی تعداد تقریبا سات، آٹھ ہزار کہی گئی

ہے۔واللہ اعلم۔

(3) اجماع

اجماع کی تعریف یہ ہے کہ کسی زمانے میں موجود تمام مجتہدین کا کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینا پھر اگر یہ سب کے قول سے ثابت ہوتو اجماع قولی اور اگر بعض کے کہنے اور بقیہ کے خاموش رہنے سے ہوتو اجماع سکوتی ہے۔احمد بن محمد بن اسحاق الشاشی ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ اصول الشاشی میں لکھتے ہیں”إجماع هذه الأمة بعدما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم في فروع الدين حجة موجبة للعمل بها شرعا كرامة لهذه الأمة “ترجمہ:حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری وصال کے بعد اس امت کا فروعی مسائل میں اجماع ہونا حجت ہے جس پر شرعاً عمل واجب ہے اور یہ اس امت کی کرامت ہے۔ (اصول الشاشی،صفحہ 284،دارالکتاب العربی،بیروت)

ائمہ کرام وعلماء حجیت اجماع کو ضروریاتِ دین سے بتاتے اور مخالف اجماع قطعی کو کفر ٹھہراتے ہیں۔شرح المواقف میں ہے”كون الاجماع حجة قطعية معلوم بالضرورة من الدين“ترجمہ:اجماع کا قطعی حجت ہونا ضروریات دین سے ہے۔

(شرح المواقف ،باب المقصد السادس،جلد1،صفحہ255،منشورات الشریف الرضی قم ،ایران)

اجماع کی حجیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔قرآن پاک میں ہے﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ ترجمہ: کنز الایمان:تم بہتر ہوان امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(سورۃ آل عمران، سورت3،آیت110)

اس آیت میں اللہ عزوجل نے اس امت کا وصف بیان کیا کہ یہ بھلائی کا حکم دیتی

اور برائی سے منع کرتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امت حق پر ہے کبھی گمراہ نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر گمراہ ہوتی تو نیکی کا حکم اور برائی سے منع نہ کرسکتی۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے"لا یجمع اللہ أمتی علی الضلالۃ أبدا "ترجمہ: اللہ عزوجل میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، جلد1، صفحہ 200، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

الأصول من علم الأصول میں ہے" إجماع الأمۃ علی شیء، إما أن یکون حقًّا، وإما أن یکون باطلاً، فإن کان حقًّا فھو حجۃ، وإن کان باطلاً فکیف یجوز أن تجمع ھذہ الأمۃ التی ھی أکرم الأمم علی اللہ منذ عھد نبیھا إلی قیام الساعۃ علی أمر باطل لا یرضی بہ اللہ؟ ھذا من أکبر المحال" ترجمہ: کسی مسئلہ میں اس امت کا اجماع یا تو حق ہوگا یا باطل۔ اگر حق ہوگا تو حجت ہوگا اور اگر باطل ہوگا تو یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ یہ امت باطل پر اجماع کرلے؟ وہ امت جو اللہ عزوجل کے نزدیک عہد انبیاء علیہم السلام سے لے کر قیامت تک تمام امتوں میں مکرّم ہے۔ اللہ عزوجل کبھی راضی نہ ہوگا کہ یہ باطل پر اجماع کرلے یہ محالِ عظیم ہے۔

(الأصول من علم الأصول، صفحہ65، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

دوسری آیت میں ہے﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل، کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔ (سورۃ البقرہ، سورت2، آیت143)

اس آیت میں امت محمدیہ کو گواہ بنایا گیا اور گواہی شرعا عادل کی قبول ہوتی ہے۔

معالم اصول الفقہ عند اہل السنۃ والجماعۃ میں ہے"قد جعل اللہ ھذہ الأمۃ شھداء علی

الناس، ولو كانوا يشهدون بباطل أو خطأ لم يكونوا شهداء الله فی الأرض، وأقام شهادتهم مقام شهادة الرسول صلی الله عليه وسلم ”ترجمہ: اللہ عزوجل نے اس امت کولوگوں پر گواہ بنایا۔ اگر یہ جھوٹی گواہی دیں یا گواہی میں غلطی کریں تو زمین میں اللہ عزوجل کے گواہ نہ ہوں گے۔ اللہ عزوجل نے اس امت کی گواہی کو رسول کی گواہی کے قائم مقام رکھا۔

(معالم أصول الفقه عند أہل السنة والجماعة، جلد1، صفحہ161، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

صحابہ کرام علیہم الرضوان جس مسئلہ میں قرآن وحدیث سے دلیل نہ پاتے اس کے متعلق اجماع کرتے تھے۔ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری رحمۃ اللہ علیہ کشف الاسرار میں فرماتے ہیں ”انهم كانوا مجمعين على ذٰلك فيما لانص فيه وكفى باجماعهم حجة“ ترجمہ: جس حکم کے بارے میں نص نہ ہوتی صحابہ کا اس پر اجماع ہو جاتا اور کسی معاملہ میں ان کا اجماع دلیل بننے کے لئے کافی ہے۔

(کشف الاسرار عن اصول بزدوی، باب القیاس، جلد3، صفحہ281، دارالکتاب العربی، بیروت)

اجماع کی شرائط

اجماع کی بنیادی شرائط میں سے یہ ہے کہ اجماع کرنے والے مجتہدین ہوں، عوامی لوگ نہ ہو چنانچہ اصولِ شاشی میں ہے ”والمعتبر فی هذا الباب إجماع أهل الرأی والاجتهاد فلا يعتبر بقول العوام والمتكلم والمحدث الذی لا بصيرة له فی أصول الفقه“ ترجمہ: اجماع میں اہل رائے ومجتہدین ہوں، عوام، متکلمین، محدثین بلکہ ہر وہ شخص جسے اصول فقہ میں مہارت نہیں، اس کا اجماع معتبر نہیں۔

(اصول الشاشی، صفحہ284، دارالکتاب العربی، بیروت)

تمام کے تمام مجتہد متفق ہوں۔ اللمع فی اُصول الفقہ میں ابو اِسحاق ابراہیم بن علی

الشیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " ویعتبر فی صحۃ الاجماع اتفاق کل من کان من أھل الاجتھاد" ترجمہ: اجماع اس وقت معتبر ہے جب تمام اہل اجتہاد اس پر متفق ہوں۔ (اللمع فی أصول الفقہ،صفحہ 90،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

اگر بعض متفق نہ ہوں تو اجماع درست نہیں " فإن خالف بعضھم لم یکن ذلك إجماعا" ترجمہ: اگر بعض نے مخالفت کی تو اجماع منعقد نہ ہوگا۔

(اللمع فی أصول الفقہ،صفحہ 90،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

اجماع کی اقسام ومراتب

اجماع کی دو اقسام ہیں:۔(1) اجماع قولی (2) اجماع سکوتی

(1) اجماع قولی: اجماع قولی وہ ہے جس میں وقت کے تمام مجتہدین قولی وفعلی طور پر شامل ہوں۔

(2) اجماع سکوتی: وہ اجماع جس میں بعض مجتہدین کا جس مسئلہ میں اجماع ہوا ہو اس کی مشہوری ہو جائے اور باقی بعض اسے جان کر خاموش رہیں۔ اجماع سکوتی بھی حجت ہوتا ہے چنانچہ الجامع لمسائل اصول الفقہ میں ہے " الإجماع السکوتی ، وھو أن یعلن بعض المجتھدین رأیاً فی مسألۃ ویسکت بقیۃ أھل عصرہ من المجتھدین یُعتبر إجماعاً وحجۃ ؛ لأنہ لو اشترط لانعقاد الإجماع :أن یُصرح کل مجتھد برأیہ فی المسألۃ لأدی ذلك إلی عدم انعقاد الإجماع أبداً ؛ لأنہ یتعذّر اجتماع أھل کل عصر علی قول یُسمع منھم ، والمتعذّر معفو عنہ ، والمعتاد فی کل عصر أن یتولی کبار العلماء إبداء الرأی ، ویُسلِّم الباقون لھم بعد مدۃ تکفی لبحث المسألۃ ، فثبت أن سکوت الباقین دلیل علی أنھم موافقون علی قول

من أعلن رأيه فى المسألة فكان إجماعاً و حجة “ ترجمہ: اجماع سکوتی وہ ہے جس میں بعض مجتہدین کی رائے کسی مسئلہ میں مشہور کردی جائے اور بقیہ اس زمانے کے مجتہدین سکوت فرمائیں، یہ اجماع بھی معتبر و حجت ہے۔ اس لئے کہ اگر اجماع میں یہ شرط ہو کہ تمام مجتہدین زمانہ صراحت کے ساتھ اپنی رائے دیں تو کبھی اجماع منعقد نہ ہو کہ یہ ناممکن ہے کہ تمام اہل عصر کو اکٹھا کیا جائے اور ان کی رائے سنی جائے یہ عذر معاف ہے۔ ہر عصر کی عادت یہی رہی ہے کہ بڑے علماء کرام کسی مسئلہ میں اپنی رائے کو پیش کر دیتے ہیں اور باقی ایک مدت بعد اس کو تسلیم کر لیتے۔ باقیوں کا سکوت اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ نو پید مسئلہ میں ان کی رائے ان سے متفق ہے تو یہ اجماع سکوتی حجت ہو گیا۔

(الجامع لمسائل اصول الفقه ، صفحه240،مكتبة الرّشد،رياض)

اجماع کے چار مراتب ہیں:۔

(1) صحابہ کرام کا نو پید مسئلہ میں اجماع

(2) بعض کا قولا وفعلا اجماع کرنا اور بعض کا سکوت کرنا

(3) صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد والوں کا اس مسئلہ میں اجماع کرنا جس کے متعلق اسلاف سے کوئی قول منقول نہیں

(4) اسلاف کے کسی قول پر اجماع کرنا

ان کے احکام کے متعلق اصولِ شاشی میں ہے ”أما الأول فهو بمنزلة آية من كتاب الله تعالى،ثم الإجماع بنص البعض و سكوت الباقين فهو بمنزلة المتواتر ،ثم إجماع من بعدهم بمنزلة المشهور من الأخبار،ثم أجماع المتأخرين على أحد أقوال السلف بمنزلة الصحيح من الآحاد“ ترجمہ: پہلے کا حکم

بمنزلہ حکمِ قرآنی ہے، دوسرا جس میں بعض بولیں اور بعض سکوت فرمائیں وہ حدیث متواترہ کے حکم میں ہے، تیسرے کا حکم احادیثِ مشہورہ کے ہے، متاخرین کا اسلاف کے کسی قول پر اجماع بمنزلہ خبر واحد کے ہے۔ (اصول الشاشی، صفحہ284، دارالکتاب العربی، بیروت)

یعنی پہلے دونوں مرتبوں کے اجماع کا انکار کفر ہے چنانچہ اصول امام اجل فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ باب حکم الاجماع میں ہے "فصار الاجماع کآیة من الکتاب او حدیث متواتر فی وجوب العمل والعلم به فیکفر جاحده فی الاصل" ترجمہ: اجماع کتاب اللہ یا حدیث متواتر کی طرح وجوب علم و عمل ثابت کرتا ہے لہٰذا قاعدہ کی رو سے اس کا منکر کافر قرار دیا جائے گا۔

(اصول البزدوی، باب حکم الاجماع، صفحہ254، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "اجماع کی حجیت کا مطلقاً انکار کرنے والا کافر قرار پائیگا ہمارے مشائخ کا یہی مذہب ہے۔ تلویح جلد دوم میں ہے "الاجماع علی مراتب فالاولی بمنزلة الآیة والخبر المتواتر یکفر جاحده" ترجمہ: اجماع کے مراتب ہیں، پہلا مرتبہ بمنزلہ آیت کریمہ اور خبر متواتر ہے جس کا منکر کافر ہوگا۔ (فتاوی رضویہ، جلد14، صفحہ290، رضافائونڈیشن، لاہور)

معالم أصول الفقہ عند أہل السنۃ والجماعۃ میں ہے "إذا ثبت الإجماع فإن هناك أحكامًا تترتب عليه: أولاً: وجوب اتباعه وحرمة مخالفته. وهذا معنى كونه حجة. قال ابن تيمية": وإذا ثبت إجماع الأمة على حكم من الأحكام لم يكن لأحد أن يخرج عن إجماعهم" ترجمہ: جب اجماع ہو جائے تو اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔ اولا اس کی اتباع واجب ہو جاتی ہے اور اس کی مخالفت حرام ہوتی ہے۔

یہ معنی اجماع کے حجت ہونے کے ہیں۔ابن تیمیہ نے کہا جب امت کا اجماع کسی مسئلہ میں ثابت ہو جائے تو کسی کے لئے جائز نہیں کے اس کی اتباع سے نکلے۔

(معالم أصول الفقه عند أہل السنة والجماعة،جلد1،صفحہ173،دار ابن الجوزی،سعودیہ)

اجماع کا تیسرا مرتبہ بمنزلہ حدیث مشہور ہ کے ہے جس کا انکار گمراہی ہے اور چوتھے مرتبے کا انکار گناہ ہے۔فتاوی عالمگیری میں ہے ”من انکر المتواتر کفر و من انکر المشھور یکفر عند البعض وقال عیسی بن ابان یضلل ولا یکفر و ھو الصحیح و من انکر خبر الواحد لا یکفر غیر انه یأثم بترك القبول ھكذا فی الظھیریة “یعنی جو حدیث متواترہ کا انکار کرے وہ کافر ہے جو حدیث مشہور کا انکار کرے اسکی بھی بعض فقہا کے نزدیک تکفیر کی جائے گی اور عیسیٰ بن ابان نے فرمایا کہ اسکی تکفیر نہیں کی جائے گی وہ گمراہ ہے اور یہی صحیح ہے اور جو خبر واحد کا انکا کرے اسکی تکفیر نہیں کی جائے گی علاوہ یہ کہ وہ گناہ گار ہوگا حدیث نہ ماننے کی وجہ سے ایسا ہی ظہیریہ میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری ،موجبات الکفر،ومنہا با یتعلق بالانبیاء، جلد 2،صفحہ265،مکتبہ ، کوئٹہ)

عصرِ حاضر میں اجماع تو ممکن نہیں کہ مجتہدین نہیں البتہ فقہی مسائل میں مشاورت بہت فائدہ مند ہے۔ الحمد للہ عزوجل! ہندوستان میں جامعہ مبارک پور اشرفیہ کے علماء اہلسنت مشاورت سے جدید مسائل کا حل نکالتے ہیں جو کہ بہت بڑا کام ہے۔اسی طرح دعوت اسلامی کا ایک شعبہ بنام”تحقیقاتِ شرعیہ“ جدید مسائل کا حل نکالنے کے لئے قائم ہے۔مزید اگر مفتیانِ کرام کی مشاورت کا نظام بن جائے تو بہت فائدہ ہو اور اختلافات کم ہو جائیں۔اسلام میں مشاورت کی بہت ترغیب دی گئی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا مشاورت کرنا احادیث سے ثابت ہے۔الفقہ الاسلامی میں ہے ”روی مالك عن علی قال قلت یارسول الله الامر ینزل لم ینزل فیه القرآن ولم

تمض فيه منك سنة؟ فقال اجمعوا العالمين من المؤمنين فاجعلوه شورى بينكم ولا تقضوا فيه برأى واحد" ترجمہ: مالک نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی مسئلہ ایسا درپیش ہوجاتا ہے جس کے متعلق نہ قرآن میں صراحت ہو نہ آپکی سنت میں تو کیا کریں؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین میں سے علم والوں کو اکٹھا کر کے ان سے مشورہ کرو، صرف ایک رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

(الفقه الاسلامی وا دلته، جلد8، صفحه268، دارالفکر، بیروت)

(4) قیاس

قیاس کے اصل معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے برابر کرنے کے ہیں۔ الجامع لمسائل اصول الفقہ میں ہے "أَن القياس حقيقة ؛ هُوَ تمثيلُ الشَّيءِ بالشَّيءِ وتشبيهُ أحدهما بالآخر" ترجمہ: قیاس حقیقۃ ایک شے کو دوسرے شے کے برابر کرنا اور ایک شے کو دوسرے شے سے تشبیہ دینا ہے۔

(الجامع لمسائل اصول الفقه ، صفحه244، مکتبة الرّشد، رياض)

مثلاً کسی مسئلہ کے سلسلہ میں قرآن و حدیث کی صراحت موجود نہ ہو لیکن قرآن و حدیث میں اس سے ملتا جلتا کوئی مسئلہ موجود ہو اور اس مسئلہ میں اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی جو وجہ ہو سکتی ہو وہ اس مسئلہ میں بھی موجود ہو جس کی وجہ سے وہی حکم یہاں بھی لگا دیا جائے تو اسے قیاس کہا جاتا ہے۔ اصولِ شاشی میں ہے "هو ترتب الحكم فى غير المنصوص عليه على معنى هو علة لذلك الحكم فى المنصوص عليه ثم انما يعرف كون المعنى علة بالكتاب وبالسنة وبالإجماع

وبـالإجتهـاد والإستـنبـاط بحث العلة المعلومة بالكتاب فمثال العلة المعلومة بالكتاب كثرة الطواف فانها جعلت علة لسقوط الحرج فی الإستئذان فی قوله تعالی﴿ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ** ﴾ ثـم أسـقـط رسول الله عليه الصلوة والسلام حرج نجاسة سؤر الهرة بـحكم هذه العلة فقال عليه السلام(والهـرة ليست بنجسه فانها من الطوافين عـليكم والطوافات) فـقـاس أصـحـابـنا جميع ما يسكن فی البيوت كالفأرة والحية على الهرة بعلة الطواف وكذلك قوله تعالى ﴿**يريد الله بكم اليسر ولا يـريـد بكم العسر**﴾" ترجمہ: قیاس کہتے ہیں غیر منصوص مسئلہ میں اس علت کے سبب حکم مرتب کرنا جو علت منصوص میں پائی جاتی ہے ۔علت کو کتاب ،سنت، اجماع ،اجتہاد اور استنباط سے لیا جاتا ہے۔کتاب سے علت ہونے کی مثال آمد و رفت کی کثرت ہے،اس علت کی بنا پر گھر میں اجازت لے کر داخل ہونے کو ختم کر دیا گیا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر جو آمد و رفت رکھتے ہیں تمہارے یہاں ایک دوسرے کے پاس ۔پھر اس علت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلی کے جھوٹے کی نجاست کو ختم کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلی کا جھوٹا نجس نہیں ہے کہ وہ تمہارے گھروں میں آتی جاتی ہے۔تو ہمارے اصحاب نے سانپ، چوہے کے جھوٹے کو بلی کے جھوٹے پر قیاس کیا آنے جانے کی علت کی وجہ سے(کہ سانپ اور چوہے کے جھوٹے سے چیز نجس نہ ہوگی ۔)اسی طرح اللہ عزوجل نے فرمایا اللہ عزوجل تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔

(اصول الشاشی،صفحہ 391،دارالکتاب العربی،بیروت)

اللمع فی اُصول الفقہ میں ہے"أن الـقـيـاس يشتـمـل على أربعة أشياء على

الأصل والفرع والعلة والحکم " ترجمہ: قیاس چار چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے:۔اصل، فرع، علت اور حکم۔ (اللمع فی أصول الفقہ، صفحہ 101، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہر زمانہ میں قیاس پر عمل کیا ہے اور غیر منصوص مسائل میں قیاس واجتہاد ہی کے ذریعے حکم شرع کو ظاہر وواضح کیا ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ قیاس کے متعلق فرماتے ہیں "فلیس بین الصحابة خلاف فی صحة القیاس ولا فی خبر الواحد ولا فی الإجماع بل أجمعوا علیه" ترجمہ: صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان صحتِ قیاس، خبر واحد اور اجماع کے متعلق کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ تمام اس کے صحیح ہونے پر متفق تھے۔

(المستصفیٰ، جلد1، صفحہ 289، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

البتہ اصحاب ظواہر کے نزدیک قیاس اس قابل نہیں کہ اس کے ذریعے منصوص کا حکم غیر منصوص تک متعدی کیا جا سکے۔ اصحاب ظواہر میں سب پہلا شخص جس نے صحابہ و تابعین اور مجتہدین صالحین کے خلاف قول کیا یعنی قیاس کا انکار کیا وہ ابراہیم نظام جو معتزلی فرقے سے تھا۔امام غزالی فرماتے ہیں "النظام أنه منکر للقیاس "ترجمہ: نظام قیاس کا منکر تھا۔ (المستصفیٰ، جلد1، صفحہ 301، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اس شخص نے سلف صالحین کو محض اس لئے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا کہ سلف صالحین قیاس سے استدلال کرتے تھے اور اسے شرعی دلیل جانتے تھے۔ پھر بغداد کے بعض متکلمین نے ابراہیم نظام کے قول کا اتباع کیا لیکن ان لوگوں نے سلف صالحین پر تبرا بازی سے اجتناب کرتے ہوئے کہا کہ صحابہ کرام نے قیاس کے ذریعہ جو احکام اور فیصلے اخذ فرمائے وہ درحقیقت احکام نہیں بلکہ دو فریق کے درمیان صلح و مصالحت کے لئے اپنی رائے کا اظہار

ہے جس کا حکم شرع سے کوئی علاقہ نہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام کے اس اظہار رائے کو قیاس کی حجت ہونے کی دلیل بنانا درست نہیں۔

اس کے بعد ایک ایسا شخص آیا جو شریعت کے مسائل سے بالکل غافل بلکہ علماء کی زبان میں کہیں تو جاہل تھا جس کا نام داؤد اصبہانی ہے، اس نے اس کی زحمت ہی گوارہ نہ کی کہ پچھلے علماء نے کیا کہا ہے اور ان کی مراد کیا ہے۔ قیاس کے عمل کو باطل قرار دیا اور کہہ دیا کہ قیاس حجت ہے ہی نہیں اور نہ احکام شرع میں اس پر عمل جائز ہے۔ بعد کے زمانے میں جن لوگوں نے داؤد اصبہانی کا اتباع کیا انہیں اصحاب ظواہر کہا جاتا ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا"ایاکم واصحاب الرای فانھم اعداء الدین اعیتھم السنة ان یحفظوھا فقالوا برأیھم فضلوا واضلوا" ترجمہ: تم اصحاب رائے سے بچو کہ یہ دین کے دشمن ہیں ،انہوں نے سنت کی حفاظت کی بجائے سنت کے طریقہ کو چھوڑ دیا، توانہوں نے اپنی رائے سے کہا خود بھی گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

منکرین قیاس کی یہ دلیل درست نہیں کیونکہ قیاس کی حجیت قرآن وحدیث اور صحابہ کرام سے ثابت ہے جس کو آگے پیش کیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے مراد وہ قیاس ہے جو قرآن وحدیث کے مخالف ہے چنانچہ اس کے جواب میں امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"وأما عمر رضی الله عنه فالقول عنه بالرأی أشھر من الشمس وبه یتبین أن مراده بذم الرأی عند مخالفة النص أو الإعراض عن النص فیما فیه نص والاشتغال بالرأی الذی فیه موافقة ھوی النفس" ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیاس کے متعلق فرمانا سورج سے بھی زیادہ روشن ہے کہ اس سے مراد باطل قیاس ہے جو نص کے مخالف ہو یا اس سے مراد نفس کی اتباع میں نص سے

اعراض کرنا ہے۔ (اصول السرخسی، جلد2،صفحہ132،دار المعرفۃ،بیروت)

ورنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی قیاس ثابت ہے۔سنن اللبیہقی الکبریٰ میں ہے"عن إدریس الأودی قال أخرج إلینا سعید بن أبی بردۃ کتابا فقال ھذا کتاب عمر رضی اللہ عنہ إلی أبی موسی رضی اللہ عنہ فذکر الحدیث قال فیہ الفھم الفھم فیما یختلج فی صدرک مما لم یبلغک فی القرآن والسنۃ فتعرف الأمثال والأشباہ ثم قس الأمور عند ذلک واعمد إلی أحبھا إلی اللہ وأشبھھا فیما تری" ترجمہ:حضرت ادریس اودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہمارے پاس سعید بن ابی بردہ تشریف لائے ان کے پاس ایک خط تھا،انہوں نے کہا یہ خط حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا جس میں فرمایا جب تجھے قرآن وسنت میں کسی مسئلہ کا حل پتہ نہ چلے اور وہ تیرے دل میں اشکال پیدا کرے تو اس کے بارے غور وفکر کر پھر جب تو قرآن وحدیث سے اس مسئلہ کی مثالیں اور تشبیہات پالے تو اس مسئلہ کو ان پر قیاس کر اور قیاس کرنے میں اس مثال یا تشبیہ کو اختیار کر جو تجھے اللہ عزوجل کے نزدیک زیادہ محبوب اور کسی مثال یا تشبیہ کے زیادہ موافق لگے۔

(سنن اللبیہقی الکبری،کتاب آداب القاضی ،باب ما یقضی بہ القاضی ویفتی بہ المفتی، جلد10،صفحہ 115،مکتبۃ دار الباز،مکۃ المکرمۃ)

قیاس کی حجیت قرآن وحدیث وصحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے۔قرآن پاک میں ہے﴿ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ﴾ترجمہ کنزالایمان:تو عبرت لواے نگاہ والو۔ (سورۃ الحشر،سورت 59،آیت2)

اس آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اے نگاہ والوں اس واقعہ سے عبرت

حاصل کرو۔یعنی کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے اوران کی تکذیب کرنے کے سبب تمہیں بھی کافروں کی طرح ہلاک نہ کردیا جائے ۔گویا اپنے آپ کو ان پر قیاس کرنے کی تلقین کی گئی۔

دوسری جگہ ہے﴿إِنَّ اللَّـهَ لاَ يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلاً مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ﴾ترجمہ کنزالایمان: بیشک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر۔ (سورة البقره،سورت2،آیت26)

اس آیت میں اللہ عزوجل نے مچھر سے تشبیہ دی۔ایک اور جگہ فرمایا﴿وَاللَّهُ الَّذِیْ أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذَلِکَ النُّشُورُ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اوراللہ ہے جس نے بھیجیں ہوائیں کہ بادل ابھارتی ہیں، پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف رواں کرتے ہیں تو اس کے سبب ہم زمین کو زندہ فرماتے ہیں اس کے پیچھے یونہی حشر میں اٹھنا ہے۔

(سورة فاطر،سورت35،آیت9)

اس آیت میں اللہ عزوجل نے قیامت والے دن دوبارہ زندہ ہونے کو زمین کے مردہ ہونے کے بعد زندگی سے تشبیہ دی، یہ قیاس ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میت کی طرف سے ادئیگی حج کو قرض پر قیاس کیا چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے”عن ابن عباس رضی الله عنهماأن امرأة من جهينة جاء ت إلى النبی صلى الله عليه و سلم فقالت إن أمی نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت أفأحج عنها ؟ قال نعم حجی عنها أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضية ؟اقضوا الله فالله أحق بالوفاء“ ترجمہ:سیدنا ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اوراس نے عرض کی کہ میری ماں نے یہ نذر فرمائی تھی کہ وہ حج کرے گی مگر حج نہ کرنے پائی تھی کہ مرگئی، لہٰذا کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایاہاں تم اس کی طرف سے حج کرلو، بتاؤ! اگر تمہاری ماں پر کچھ قرض ہوتا تو کیاتم اسے ادا کرتی نہیں؟ پس اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا سب سے زیادہ حقدار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔

(صحیح بخاری،أبواب الإحصار وجزاء الصید ،باب الحج والنذور ـ ـ،جلد 2،صفحہ 656،دار ابن کثیر ، الیمامۃ،بیروت)

سنن ابو داؤد، سنن الدار قطنی ، سنن الکبری للبیھقی شریف اور صحیح ابن حبان کی حدیث پاک ہے"عن قیس بن طلق عن أبیه قال قدمنا علی نبی الله صلی الله علیه وسلم فجاء رجل کأنه بدوی فقال یا نبی الله ما تری فی مس الرجل ذکره بعد ما یتوضأ فقال هل هو إلا مضغة منه أو قال بضعة منه"ترجمہ:حضرت قیس بن طلق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ایک شخص جو کہ بدوی لگتا تھا حاضر ہوا،اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ آدمی کا وضو کے بعد اپنی شرمگاہ کے چھونے کے متعلق کیا فرماتے ہیں (کیا اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تو جسم کے ٹکڑے میں سے ایک ٹکڑا ہے۔

(صحیح ابن حبان ، الطهارة،باب نواقض الوضوء ، جلد3،صفحہ402، مؤسسة الرسالة ،بیروت)

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرمگاہ کے چھونے کو جسم کے چھونے پر قیاس کیا کہ جس طرح جسم کے کسی حصے کو چھونے سے وضونہیں ٹوٹتا اسی طرح

شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا کہ وہ بھی جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔

بخاری کی حدیث پاک ہے"عن أبی هريرة أن رجلا أتى النبی صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ولد لی غلام أسود فقال هل لك من إبل قال نعم قال ما ألوانها قال حمر قال هل فيها من أورق قال نعم قال فأنى ذلك قال لعله نزعه عرق قال فلعل ابنك هذا نزعه" ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں ایک کالا بچہ ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ وہ بولا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ان کا رنگ کیسا ہے؟ وہ بولا سرخ رنگ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا ان میں کوئی خاکستری (خاکی) رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کہاں سے ہوگیا؟ وہ بولا شاید مادہ کی کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے بیٹے کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہوگا یعنی آباؤ اجداد پر چلا گیا ہوگا۔

(بخاری، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بنفی الولد، جلد5، صفحہ 2032، دار ابن کثیر، بیروت)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زکوٰۃ کے انکار کو نماز کے انکار پر قیاس کرتے ہوئے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا۔ سنن النسائی کی حدیث پاک ہے "قال عمر لأبی بكر كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله فمن قال لا إله إلا الله عصم منی ماله ونفسه إلا بحقه وحسابه على الله فقال أبو بكر رضی الله عنه

لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة فإن الزكاة حق المال والله لو منعونى عقالا كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعه قال عمر رضى الله عنه فوالله ما هو إلا أن رأيت الله شرح صدر أبى بكر للقتال فعرفت أنه الحق" ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ زکوٰۃ کے منکرین کے خلاف کیسے جہاد کر سکتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جہاد کرو جب تک کفار یہ نہیں کہہ لیتے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس نے یہ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنا جان و مال محفوظ کر لیا سوائے یہ کہ اس کے معاملہ اللہ عزوجل کے ساتھ ہو۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں ضرور ان سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ اس لئے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اگر کوئی مجھے اونٹ کی رسی بھی دینے سے باز رہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتا تھا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں جان گیا کہ اللہ عزوجل نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ جہاد کے لئے کھول دیا ہے۔ میں جان گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر ہیں۔

(سنن النسائی، کتاب الزکوٰۃ، باب مانع الزکوٰۃ، جلد5، صفحہ 14، المطبوعات الإسلامیة، حلب)

شراب کی سزا متعین کرنے کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے تہمت کی سزا پر قیاس کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قیاس کو مان لیا چنانچہ مصنف عبدالرزاق کی حدیث پاک ہے "عن عكرمة أن عمر ابن

الخطاب شاور الناس فی جلد الخمر وقال إن الناس قد شربوھا واجترؤا علیھا ، فقال لہ علی إن السکران إذا سکر ھذی ، وإذا ھذی افتری ، فاجعلہ حد الفریۃ ، فجعلہ عمر حد الفریۃ ثمانین" ترجمہ:حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدِ خمر کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور فرمایا لوگ شراب پیتے ہیں اور اس پر جری ہو گئے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب شراب پیئے گا نشہ ہوگا اور جب نشہ ہوگا بیہودہ بکے گا اور جب بیہودہ بکے گا افترا کرے گا لہذا اس کی سزا حد تہمت والی ہونی چاہئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تہمت والی سزا اسی کوڑے مقرر کردی۔

(مصنف عبد الرزاق، باب حد الخمر، جلد7،صفحہ378 ،المکتب الإسلامی،بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی "الوضوء مما مست النار" ترجمہ:اس چیز کی وجہ سے وضو لازم ہے کہ جس کو آگ نے چھوا۔اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بطور قیاس فرمایا"انتوضّاء من الدھن انتوضاء من الحمیم" ترجمہ: کیا ہم تیل کی وجہ سے وضو کریں گے؟ کیا ہم گرم پانی کی وجہ سے وضو کریں گے؟

(جامع الترمذی،باب الوضوء مما غیرت النار،جلد1،صفحہ 114،دار إحیاء التراث العربی،بیروت)

اسی طرح بے شمار واقعات صحابہ کرام سے ثابت ہیں جس میں ان کا قیاس کرنا ثابت ہے۔کشف الاسرار میں ہے"ثبت بالتواتران الصحابۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم عملوا بالقیاس وشاع وذاع ذلک فیما بینھم من غیر ردوانکار"ترجمہ:یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قیاس پر عمل پیرا تھے اور عمل ان کے درمیان بغیر کسی ردوانکار جاری ومشہور تھا۔

(کشف الاسرار عن اصول بزدوی ،باب القیاس،جلد3،صفحہ413،دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

علمائے کرام فرماتے ہیں قیاس کی حجیت بھی ضروریات دین سے ہے۔کشف الاسرار میں ہے ”قد ثبت بالقواطع من جمیع الصحابة الاجتهاد والقول بالراء والسکوت عن القائلین به وثبت ذلك بالتواتر فی وقائع مشهورة ولم ینكرها احد من الامة فاورث ذلك علما ضروریا فكیف یترك المعلوم ضرورة“ترجمہ: دلائل قطعیہ کے ساتھ ثابت ہے کہ تمام صحابہ اجتہاد اور قیاس پر عمل کرتے اور دیگر صحابہ خاموش رہتے اور یہ بات بڑے بڑے مشہور مواقع کے بارے میں تواتر کے ساتھ منقول ہے اور امت میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو اس سے علم ضروری کا ثبوت ہو جائیگا جو ضروری طور پر معلوم ہوا سے کیسے ترک کیا جا سکتا۔

(کشف الاسرار عن اصول بزدوی ،باب القیاس،جلد3،صفحہ414،دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

قیاس کی شرائط

قیاس کی پانچ شرائط ہیں:۔

(1) قیاس نص کے مقابل نہ ہو یعنی قرآن وحدیث کے مخالف نہ ہو اور نہ اجماع اور اقوال صحابہ کے مخالف ہو جیسے قرآن پاک میں مسلمان مرد کے لئے اہل کتاب عورت سے نکاح جائز کہا ہے اب کوئی قیاساً یہ کہے کہ مسلمان عورت کا بھی اہل کتاب مرد سے نکاح جائز ہے تو یہ قیاس درست نہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اس پر اجماع ہے کہ اہل کتاب یعنی عیسائی و یہودی سے مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔

(2) قیاس سے اس حکم میں تغیر نہ آئے جس پر نص وارد ہے۔جیسے تیمّم میں نیت شرط ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے کہ وضو میں بھی نیت شرط ہے تو یہ قرآنی حکم کے

منافی ہے کہ قرآن میں وضو میں نیت کو شرط نہیں قرار دیا گیا۔

(3) مقیس علیہ یعنی جس پر قیاس کیا جا رہا ہے وہ خود غیر معقول نہ ہو۔ جیسے نماز کے دوران اگر وضو ٹوٹ جائے تو فورا جا کر وضو کر کے واپس آ کر وہی سے نماز میں شامل ہونے کی اجازت ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے کہ نماز میں اگر غسل واجب ہو جائے تب بھی غسل کرنے کے بعد وہی سے نماز میں شامل ہونے کی اجازت ہے تو یہ قیاس درست نہیں کہ غیر معقول ہے۔

(4) علت ہمیشہ حکمِ شرعی سے نکالی جائے گی کسی لغوی امر سے نہیں نکالی جائے گی۔ جیسے لغوی طور پر کفن چور دوسرے چور ہی کی طرح ہے لیکن شرعی طور پر ان میں فرق ہے کہ کفن چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جا سکتے۔

(5) مقیس منصوص نہ ہو یعنی جس مسئلہ کو قیاس کرنا ہے وہ خود قرآن وحدیث میں مذکور نہ ہو۔ جیسے رمضان میں اگر روزہ قضا ہو جائے تو بعد میں رکھنے کی اجازت ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے کہ حج میں تمتع کرنے والا اگر ایام تشریق میں روزے نہ رکھ سکے تو بعد میں قضا رکھ سکتا ہے تو یہ قیاس درست نہیں کہ قرآن میں اس کے لئے ایام تشریق میں روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قیاس کی اقسام

قیاس کی دو اقسام ہیں:۔

(1) قیاس جلی

(2) قیاس خفی

(1) قیاس جلی وہ ہوتا ہے جس میں قطعیت ہو یا اس میں جو علت ہے وہ نص یا

اجماع سے ثابت ہو۔ معالم اُصول الفقہ عند اُہل السنۃ والجماعۃ میں ہے "فالقياس الجلي ما قُطع فيه بنفي الفارق المؤثر، أو كانت العلة فيه منصوصًا أو مجمعًا عليها" ترجمہ: قیاس جلی وہ ہوتا ہے جس میں فارق مؤثر نہ ہونے کے سبب قطعیت ہو یا اس میں جو علت ہے وہ منصوص یا اجماع سے ہو۔

(معالم أصول الفقه عند أہل السنة والجماعة، جلد1، صفحہ181، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

قیاس جلی کی مثال یہ ہے کہ قرآن پاک میں یتیم کے مال کے متعلق آیا ہے ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِي بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور کوئی دم جاتا ہے کہ بھڑتے دھڑے (آتش کدے) میں جائیں گے۔

(سورۃ النساء، سورت4، آیت10)

اس آیت سے قیاس کا حکم بھی قطعی ہوگیا کہ یتیم کا مال کھانے کی طرح اس کے مال کو جلانا اور غرق کرنا بھی ناجائز ہے۔

(2) قیاس خفی قیاس جلی سے نچلا درجہ ہوتا ہے جس میں قطعیت نہ ہو۔ معالم اُصول الفقہ عند اُہل السنۃ والجماعۃ میں ہے "والقياس الخفي ما لم يُقطع فيه بنفي الفارق ولم تكن علته منصوصًا أو مجمعًا عليها، وذلك مثل قياس القتل بالمثقل على القتل بالمحدد في وجوب القصاص" ترجمہ: قیاس خفی وہ ہوتا ہے جس میں فارق ہونے کے سبب قطعیت نہ ہو یا اس میں جو علت ہے وہ منصوص یا اجماع سے نہ ہو۔ قیاس خفی کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کو وزن ڈال کر قتل کردے تو اسے بطور قصاص وزن ڈال کر قتل کرنا ضروری نہیں۔

(معالم أصول الفقه عند أہل السنة والجماعة، جلد1، صفحہ181، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

(2) ثانوی مآخذ

بنیادی مآخذ کے بعد ثانوی مآخذ کا درجہ ہے۔ ثانوی مآخذ درج ذیل ہیں:۔

(1) استحسان

(2) قولِ صحابی

(3) شرائع ماقبل

(4) استصحاب

(5) مصالح مرسلہ

(6) سدالذرائع

بعض کتب میں عرف اور استقراء کو بھی ثانوی مآخذ میں شمار کیا گیا ہے۔

(1) استحسان

فقہ میں استحسان ایک اہم ثانوی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں قیاس کو قوی تر دلیل کی بنیاد پر ترک کر دیا جاتا ہے۔ وہ دلیل مختلف ہوسکتی ہیں جیسے کتاب اللہ، سنت رسول، قول صحابی، اجماع، عرف وتعامل، استحسان بالقیاس الخفی، ضرورت ومصلحت۔

کتاب اللہ سے استحسان کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ میرا مال صدقہ ہے۔ تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا پورا مال صدقہ سمجھا جائے، لیکن قرآن میں ہے ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو۔ (التوبہ، سورت 9، آیت 103)

اس کے تحت زکوٰۃ ہی پر محمول کیا جائے گا۔

حدیث سے استحسان کی مثال یہ ہے کہ سلم یعنی خرید وفروخت کا ایسا معاملہ جس میں قیمت پہلے ادا کردی جائے اور بیچنے والا ایک مدت متعینہ کے بعد مبیع کو حوالہ کرنے کا وعدہ کرے،اس کو درست نہیں ہونا چاہیئے ،اس لئے کہ اس طرح وہ ایک ایسی شے کو فروخت کررہاہے جو فی الحال اس کے پاس موجودنہیں لیکن چونکہ حدیث سے بیع سلم کا جواز ثابت ہے،اس لئے قیاس کوترک کردیا گیاہےاور بیع سلم کو جائز رکھا گیا ہے۔

قول صحابی سے استحسان کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر واپس کرےتو حوالہ کرنے والے کوبطور اجرت چالیس درہم ادا کئے جائیں گے،ظاہر ہے یہ قیاس اوراجارہ کے عام اصول کے خلاف ہےلیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کےقول کی بنیاد پرقیاس کوچھوڑ کر یہ رائے اختیار کی گئی۔

کبھی قیاس کواجماع کی بنا پر ترک کردیا جاتا ہےمثلاًعورت کے دودھ پلانے پر اجرت کا معاملہ ازروئے قیاس درست نہیں ہونا چاہیئے ،اس لئے کہ اس میں دودھ اجرت ادا کرنے والے کے حوالہ نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ضائع ہوجاتا ہےاوراس کی مقدار بھی معلوم نہیں ہوتی ،جب کہ یہ دونوں ہی چیزیں وہ ہیں جواجارہ کو باطل کردیتی ہیں،لیکن اس کے صحیح ہونے پراجماع ہےاس لئے قیاس کوترک کردیا جائے گا۔

کبھی قیاس کوعرف وعادت کی بنا پرچھوڑ دیا جاتا ہےمثلاًاگرکسی نے بغیر نیت کہا ہرحلال مجھ پرحرام ہےتواس میں کھانے پینے کوخاص کیا جائے گااستحساناً۔قیاس یہ چاہتا ہے کہ ہر حلال پر یہ صادق آئے ،مگراستحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس پرعمل ممکن نہیں کیوں آنکھ کا کھولنا،بندھ کرنا،حرکت کرنا سب مباح ہےاوراس سے باز رہناممکن نہیں لہٰذااس بات کو کھانے پینے پرعرف وعادت کی بنا پرمحمول کیا جائے گا کیونکہ یہ لفظ عرفاً کھانے پینے پر بولا

جاتا ہے۔اسی طرح اگر کسی نے کہا ''اللہ کی قسم میں گھر میں داخل نہ ہوں گا۔'' تو مسجد میں داخل ہونے پر قسم نہ ٹوٹے گی۔قیاس یہ کہتا ہے کہ مسجد بھی گھر ہے اس لئے داخل ہونے پر قسم ٹوٹ جانی چاہئے لیکن عرف وعادت میں مسجد کو گھر نہیں سمجھا جاتا ہے اس لئے قسم نہ ٹوٹے گی۔

قیاس کا تقاضا ہے کہ روٹی کو بطور قرض لین دین درست نہ ہو،اس لئے کہ پکوان،نانبائی،تندور وغیرہ کا فرق روٹیوں میں مقدار اور معیار کے لحاظ سے تھوڑا بہت تفاوت پیدا ہوجاتا ہے لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اسے جائز رکھا گیا ہے۔

کبھی کسی قوی لیکن نسبتا لطیف اور غیر ظاہر قیاس کی بنا پر قیاس کی ظاہری صورت کو نظر انداز کردیا جاتا ہے جیسے خلوت کی وجہ سے مہر واجب نہیں ہونا چاہئے لیکن واجب کردیا گیا ہے کہ عورت کی طرف سے پوری طرح تسلیم اور حوالگی متحقق ہوچکی اور یہی اس کے ذمہ ہے۔

ضرورت و مصلحت کے تحت بھی استحسان پر عمل کیا جاتا ہے۔جیسے اصول یہ ہونا چاہئے کہ کنویں میں نجاست گرنے پر جب تک سارا پانی نہ نکال لیا جائے دیواریں نہ دھو دی جائیں کنواں پاک نہ ہو۔مگر ظاہر ہے کہ اس میں غیر معمولی دشواری ہے اس لئے فقہاء نے کہا کہ صرف پانی نکال دینا دیوار کی پاکی کے لئے کافی ہے۔اسی طرح روزے کی حالت میں بلاارادہ شے اندر جانے پر روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو مکھی،دھواں جانے سے بھی روزہ ٹوٹنا چاہئے۔

استحسان کی حجیت اوپر والی مثالوں سے واضح ہے۔کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا چنانچہ الجامع لمسائل اصول الفقہ میں ہے''الاستحسان بذلك التعريف حجة باتفاق

العلماء؛ حيث لم ينكره أحد ، وإن اختلف في تسميته استحساناً ، فبعضهم سمَّاه بهذا الاسم ، وبعضهم لم يسمه بذلك "ترجمہ:اس تعریف کی رو سے استحسان کے حجت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے کسی نے اس کا انکار نہ کیا اگرچہ اس کے نام میں اختلاف ہے۔بعض علماء نے استحسان کو اس نام سے موسوم کیا اور بعض نے نہ کیا۔

(الجامع لمسائل اصول الفقه ، صفحه 284،مكتبة الرّشد،رياض)

(2) قولِ صحابی

کسی مسئلہ میں اگر صحابی کا قول منقول ہو تو وہ حجت ہے۔معالم أصول الفقہ عند أہل السنۃ والجماعۃ میں ہے"قول الصحابي إذا اشتهر ولم يخالفه أحد من الصحابة صار إجماعًا وحجة عند جماهير العلماء "ترجمہ:صحابی کا ایسا مشہور ومعروف قول جس میں کسی صحابی کی مخالفت ثابت نہ ہو تو اس کی حیثیت اجماع کی ہے اور وہ جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے۔

(معالم أصول الفقه عند أہل السنة والجماعة،جلد1،صفحه216،دار ابن الجوزی،سعوديه)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں"قول الصحابي حجة فيجب تقليدعندنا اذا لم ينفه شيء اٰخر من السنة " ترجمہ:صحابی کا قول حجت ہے لہٰذا اسکی تقلید ہمارے یہاں واجب ہے جبکہ کوئی حدیث اس کی نفی نہ کرتی ہو۔

(مرقاۃ المفاتيح،كتاب الصلوٰة، باب الخطبه ،جلد3،صفحه 457، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''بلکہ علامہ ابن امیر الحاج تو حلیہ میں فرماتے ہیں:جب کسی مسئلہ میں ایک صحابی کا قول مروی ہو اور دیگر صحابہ سے اس کا خلاف نہ آئے وہ مسئلہ اجماعی ٹھہرے گا۔"حيث قال الصحيح قولنا لما روى عن علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه انه قال في مسافر جنب يتأخر الىٰ اخرالوقت ولم يرو

عـن غیـره من الصحابة خلافه فیکو ن اجماعاً " ترجمہ: صحیح ہمارا قول ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنبی مسافر کے بارے میں مروی ہے کہ وہ آخر وقت تک پانی کا انتظار کرے، اس کے خلاف کسی اور صحابی سے مروی نہیں تو یہ ان کا اجماعی مسئلہ قرار پائیگا۔" (فتاوی رضویه، جلد9، صفحه790، رضا فائونڈیشن، لاہور)

صحابی کا قول اگر قیاس کے مخالف بھی ہو تب بھی حجت ہے چنانچہ الجامع لمسائل اصول الفقہ میں ہے" إذا قـال صـحابی رأیاً ، ولـم یرجع عنه ولم یخالف فیه قول صـحابی آخر ، ولـم ینتشرفإن هذا القول حجة مطلقاً ، أی سواء وافق القیاس ، أو لا ، أو کـان مـن الـخلفاء ، أو من غیرهم " ترجمہ: کسی مسئلہ میں اگر صحابی نے اپنی رائے ارشاد فرمائی اور پھر اس رائے سے رجوع نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے صحابی نے اس کی مخالفت کی اگر مخالفت کی بھی تو مشہور نہ ہوئی تو یہ قول مطلقا حجت ہے۔ برابر ہے وہ قیاس کے موافق ہو یا مخالف ہو اور برابر ہے وہ صحابی خلفاء میں سے ہو یا غیر خلفاء میں سے۔

(الجامع لمسائل اصول الفقه ، صفحه282، مکتبة الرّشد، ریاض)

صحابی کے علاوہ تابعی کا قول حجت نہیں چنانچہ کشف الاسرار میں ہے "ذکـــر شمس الأئمة رحمه الله أنه لا خلاف فی أن قول التابعی لیس بحجة علی وجه یتـرك بـه الـقیـاس فـقـد رویـنـا عن أبی حنیفة رحمه الله ما جاء نا عن التابعین زاحـمـناه یعنی فی الفتوی فنفتی بخلاف رأیهم باجتهادنا" ترجمہ: شمس الائمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس میں اختلاف نہیں کہ تابعی کا قول حجت نہیں ہے۔ اسے قیاس کی بنا پر چھوڑا جائے گا۔ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اگر ہمارے پاس تابعی کا قول آئے تو ہم فتوی دینے میں غور و فکر کریں گے۔ اجتہاد کی بنا پر ہم ان کی رائے کے مخالف فتوی

دیں گے۔

(کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی،جلد3،صفحہ 335،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

ایک جگہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " نحن لا نقیس فی مسئلة الا عند الضرورة و ذلك اذا لم نجد دليلا فی الكتاب والسنة ولا فی اقضية الصحابه " **ترجمہ: ہم کسی مسئلہ میں بغیر ضرورت کے قیاس نہیں کرتے اور قیاس اس وقت کرتے ہیں جب ہم قرآن اور حدیث اور صحابہ کے فیصلوں میں دلیل نہیں پاتے ۔ نیز فرمایا** " انا ناخذ اولا بالكتاب ثم بالسنة ثم باقضية الصحابة فنعمل بما متفق عليه الصحابة فان اختلفوا قسنا حكما على حكم اذا اشتراكا فی العلة الجامعة بينهما حتى يوضح المعنى " **ترجمہ: ہم پہلے کتاب اللہ کو لیتے ہیں پھر سنت کو پھر صحابہ کے فیصلوں کو اگر ان میں اختلاف ہو تو ایک حکم کو دوسرے حکم پر اس وقت قیاس کرتے ہیں جبکہ ان کے مابین علت جامع ہو ایسی کہ وہ حکم شرعی واضح کردے۔ نیز فرمایا** " ما جاء نا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بابی هو و امی فعلی الراس والعين وليس لنا مخالفة وما جاء عن الصحابة اخترنا وما جاء عن غيرهم فهم رجال ونحن رجال " **ترجمہ: جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم تک پہنچے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں) تو وہ ہمارے سر اور آنکھوں پر وہاں کچھ مخالفت نہیں اور جو صحابہ کرام سے ہم تک پہنچے تو ہم اسے اختیار کرتے ہیں اور جو صحابہ کے علاوہ یعنی تابعین سے ہم تک پہنچے تو ہم بھی مرد ہیں اور وہ بھی مرد ہیں۔** (عقود الجواہر المنیفہ،جلد1،صفحہ 7،8)

قرآن و حدیث میں صحابی کی شان، عدالت اور تزکیہ کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ

وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ اور ان کے لیے تیار کرر کھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

(سورة التوبة،سورت9،آیت 100)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" لا تسبوا أصحابی، فلو أن أحدکم أنفق مثل أحد ذهبًا ما بلغ مد أحدهم و لا نصیفه" ترجمہ: میرے صحابی کو بُرا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا صدقہ کرے تو صحابہ کرام کی مد (چوتھائی صاع جو دو بھری مٹھیوں جتنا بنتا ہے) یا اس کے نصف جتنا صدقہ کرنے کے ثواب تک نہیں پہنچ سکتا۔ (یعنی ان کا اتنا صدقہ کرنا تمہارا احد پہاڑ جتنا صدقہ کرنے سے افضل ہے۔)

(صحیح بخاری ،کتاب فضائل الصحابہ ،باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، جلد3،صفحہ1343،دار ابن کثیر ، الیمامة،بیروت)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پوری امت سے قلبی طور پر اور راسخ فی العلم، فصیح زبان، صحیح معنی کے جاننے والے، شانِ نزول کو جاننے میں منفرد تھے۔ کشف الخفاء میں اسماعیل بن محمد الجراحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" عن ابن عباس بلفظ قال رسول الله صلی الله علیه و سلم مهما أوتیتم من کتاب الله فالعمل به لا عذر لأحد فی ترکه ، فإن لم یکن فی کتاب الله فسنة منی ماضیة ، فإن لم تکن سنة منی فما قال أصحابی ، إن أصحابی بمنزلة النجوم فی السماء فأیما أخذتم به اهتدیتم ، واختلاف أصحابی لکم رحمة" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم پر کسی مسئلہ میں قرآن پاک کی آیت پیش کی جائے تو اس پر عمل کرو کسی کے لئے اسے چھوڑنے کی اجازت نہیں، اگر کتاب اللہ سے نہ ملے تو میری سنت سابقہ پر عمل کرو، اگر میری سنت بھی نہ ملے تو جو صحابی نے فرمایا اس پر عمل کرو، بے شک میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آسمان کے تاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤگے اور میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

(کشف الخفاء، جلد1، صفحہ64، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(3) شرائع ماقبل

تمام پیغمبروں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو دین بھیجا ہے وہ ایک ہی دین ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں باب باندھا "باب ما جاء فی أن دین الأنبیاء واحد"، ترجمہ: اس کے متعلق باب کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے۔

اعتقادی اور اخلاقی احکام میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ البتہ عملی زندگی کے احکام جو فقہ کا اصل موضوع ہے مختلف شریعتوں میں مختلف رہا ہے۔ پہلی قسم کے احکام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰہِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تمہارے لیے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ دین ٹھیک رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

(سورۃ الشوریٰ، سورت42، آیت13)

دوسری قسم کے متعلق قرآن پاک میں ہے ﴿لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً

وَمِنْهَاجًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا۔

(سورۃ المائدہ، سورت5، آیت48)

معالم أصول الفقہ عند أہل السنۃ والجماعۃ میں ہے" والأنبیاء کلھم دینھم واحد، وتصدیق بعضھم مستلزم تصدیق سائرھم، وطاعۃ بعضھم تستلزم طاعۃ سائرھم وکذلک التکذیب والمعصیۃ" ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک تھا اور بعض کی تصدیق و اطاعت تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق و اطاعت ہے اور بعض انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و معصیت تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و معصیت ہے۔

(معالم أصول الفقہ عند أہل السنۃ والجماعۃ، جلد1، صفحہ224، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

پچھلی شریعتوں کے احکام کے حیثیت کے متعلق اہل علم حضرات کے مختلف نظریات ہیں۔ پچھلی شریعتوں میں جو احکام آئے ہیں وہ چار طرح کے ہیں:۔

(1) وہ احکام جن کا قرآن و حدیث میں کوئی ذکر نہیں یہ بالاتفاق قابل عمل نہیں۔

(2) وہ احکام جن کا قرآن وحدیث میں ذکر آیا اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ یہ حکم سابقہ امت کے لئے تھا اس امت میں یہ حکم باقی نہیں بلکہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں سب کے نزدیک اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُواْ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا إِلاَّ مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ وِإِنَّا لَصَادِقُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور یہودیوں پر ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی ان پر حرام کی مگر جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو یا آنت یا ہڈی سے ملی ہو، ہم نے یہ ان کی سرکشی کا بدلہ دیا اور بیشک ہم ضرور سچے

ہیں۔ (سورۃ الانعام،سورت6،آیت146)

مالِ غنیمت کا امت محمدیہ پر حلال ہونے کے متعلق حدیث پاک میں ہے"وأحلت لی الغنائم ولم تحل لأحد قبلی"ترجمہ: میرے لئے مالِ غنیمت حلال کردیا گیااور مجھ سے پہلے کسی کے لئے یہ حلال نہ تھا۔

(صحیح بخاری، کتاب التیمم،جلد1،صفحہ128،دار ابن کثیر،الیمامۃ،بیروت)

سجدہ تعظیمی پچھلی امتوں میں جائز تھا اب ناجائز ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''سجدہ غیر خدا کو حرام قطعی ہے۔اورقرآن عظیم کی طرف اس کے جواز کی نسبت کرنا افتراء ہے۔قرآن عظیم نے اگلی شریعت والوں کا واقعہ ذکر فرمایا ہے ان کی شریعت میں سجدہ تحیت حلال تھا ہماری شریعت نے حرام فرمادیا تو اب اس سے سند لانا ایسا ہے جیسے کوئی شراب کو حلال بتائے کہ اگلی شریعتوں میں جہاں تک نشہ نہ دے حلال تھی بلکہ شریعت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سگی بہن سے نکاح جائز تھا اب اس کی سند لاکر جوحلال بتائے کافر ہوجائے گا۔'' (فتاوی رضویہ،جلد22،صفحہ407،رضا فائونڈیشن،لاہور)

(3) تیسرے وہ احکام ہیں جوقرآن وحدیث میں وارد ہوئے اور یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ احکام اس امت کے لئے بھی ہیں جیسے قصاص کے متعلق آتا ہے﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان:اورہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اورکان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بدلہ

ہے پھر جو دل کی خوشی سے بدلہ کراوے تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (سورۃ المائدہ، سورت5، آیت45)

اسی طرح رمضان کے متعلق ہے ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔ (سورۃ البقرہ، سورت2، آیت183)

(4) چوتھے وہ احکام ہیں جن کو قرآن وحدیث نے پچھلی قوموں کی نسبت سے بیان کیا ہے لیکن اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی کہ اس امت کے لئے یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس میں ایک گروہ کا نقطہ نظر ہے کہ اس امت کے لئے یہ حکم باقی نہیں اور دوسرے گروہ کا نظریہ ہے کہ اس امت کے لئے حکم باقی ہے۔ حنفیہ اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ اصول البزدوی میں ہے "شرائع من قبلنا حجة لنا مالم یظهر لنا ناسخ فی شرعنا "، ترجمہ: پہلی شریعتیں ہمارے لئے دلیل ہیں جب تک ہماری شریعت میں ان کا کوئی ناسخ ظاہر نہ ہو۔

(اصول البزدوی، باب شرائع من قبلنا، صفحہ223، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "قرآن مجید میں ہے ﴿ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ﴾ و شرائع من قبلنا اذا قصھا اللّٰہ تعالٰی علینا من دون انکار شرائع لنا کما نص علیه فی کتب الاصول" ترجمہ: بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔ ماقبل شریعتوں کے کسی حکم کو اللہ تعالٰی امت محمدیہ پر بیان فرمائے اور اس حکم سے منع نہ کرے تو وہ ہماری شریعت کا بھی حصہ ہوگی۔ جیسا کہ کتب اصول میں اس کی

صراحت ہے۔'' (فتاوی رضویہ،جلد14،صفحہ555،رضا فائونڈیشن،لاہور)

مزید آگے فرماتے ہیں:''ساتویں پارے چھٹی سورت سورہ انعام کے دسویں رکوع میں موسیٰ وہارون وغیرہما انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرکے مسلمانوں کو حکم فرماتا ہے ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰیھُمُ اقْتَدِہْ ﴾(ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ٹھیک راستے چلایا تو تو انھیں کی راہ چل۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگلے انبیاء کی شریعت میں جو کچھ تھا وہی ہمارے لئے بھی ہے جب تک ہماری شریعت منسوخ نہ فرمادے،تو گائے کی قربانی کرنے کی ہمیں اجازت یوں بھی ثابت ہوئی۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گائے کا ذبح کیا جانا آج کا نہیں بلکہ اگلی شریعتوں سے چلا آتا ہے۔'' (فتاوی رضویہ،جلد14،صفحہ563،رضا فائونڈیشن ،لاہور)

(4) الاستصحاب

سابقہ حال کی بناپر موجودہ حالت پر حکم لگانا استصحاب ہے۔مثلا اگر کوئی کہے کہ تم پر رجب،شعبان کے پورے مہینے کے روزے فرض کیوں نہیں ہیں؟ تو اس کا جواب ہے کہ ہم پر پہلے کسی مہینے کے روزے فرض نہ تھے اللہ عزوجل نے صرف رمضان کے مہینے کے روزے فرض کئے۔تو اللہ عزوجل کا صرف رمضان کے مہینے کے روزے فرض کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں کے روزے ہم پر فرض نہیں ہے۔

اس اصول پر کئی فقہی مسائل حل کئے گئے ہیں جیسے باوضو ہونے کا یقین ہے اور بعد میں ٹوٹنے کا شک ہے تو استصحاب کی بناپر وضو کا حکم ہوگا اور اگر اُلٹ ہے تو وضو ہونا نہ مانا جائے گا۔کشف الاسرار میں ہے ''لما ذکرنا أن الاستصحاب حجة دافعة لا ملزمة ، ثم استدل من جعله حجة علی الإطلاق بالنص ، وهو قوله علیه السلام (إن

الشيطان يأتى أحدكم فيقول أحدثت أحدثت فلا ينصرفن حتى يسمع صوتا ، أو يجد ريحا) حكم باستدامة الوضوء عند الاشتباه ، وهو عين الاستصحاب وبالإجماع وهو أنه إذا تيقن بالوضوء ، ثم شك فى الحدث جاز له أداء الصلاة ولم يكن الوضوء ولو تيقن بالحدث ، ثم شك فى الوضوء يبقى الحدث وكذا إذا تيقن بالنكاح ، ثم شك فى الطلاق لا يزول النكاح بما حدث من الشك وهذا كله استصحاب" ترجمہ: جب ہم نے ذکر کیا کہ استصحاب حجت ہے کسی چیز کو ذمہ لازم نہیں بلکہ دور کرتا ہے۔ پھر استصحاب کی حجیت نص سے ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے بے شک شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس آتا ہے اور وہم ڈالتا ہے تمہارا وضو (ریح) سے ٹوٹ گیا، ٹوٹ گیا تو تم نماز سے نہ ہٹو جب تک ریح کی آواز یا بو نہ پاؤ۔ اس میں شک کی حالت میں وضو قائم رہنے کا فرمایا گیا اور یہ عین استصحاب ہے۔ یہ بالاجماع ہے کہ جب وضو کا یقین اور ٹوٹنے کا شک ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے وضو فرض نہیں ہے اور اگر ٹوٹنے کا یقین ہو اور وضو میں شک ہو تو حدث باقی ہے یعنی وضو نہیں ہے۔ اسی طرح نکاح کا یقین ہو اور طلاق کا شک ہو تو شک سے نکاح ختم نہیں ہوتا۔ یہ تمام کی تمام مثالیں استصحاب کی ہیں۔ (کشف الاسرار، جلد3، صفحہ548، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(5) المصالح المرسلہ

کتاب وسنت میں جن مصلحتوں کے نہ معتبر ہونے کی صراحت ہے اور نہ نامعتبر ہونے کی ان کو مصالح مرسلہ کہتے ہیں۔ اگر یہ شریعت کے مزاج اور عمومی ہدایات سے ہم آہنگ ہوں تو معتبر ہیں۔ مصالح مرسلہ کے تحت کئی مسائل حل کئے جاتے ہیں جن کی کئی مثالیں اسلاف سے ثابت ہیں چنانچہ مصالح مرسلہ کے تحت حضرت عمر فاروق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کے شہید ہونے کی وجہ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن جمع کرنے کا فرمایا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر فرمایا " كيف نفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ فقال عمرهو والله خير "ترجمہ: جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا اسے ہم کیسے کریں؟ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم اس میں بہتری ہے۔

(شعب الإيمان، كتاب الايمان بالملائكه ،فصل في معرفه الملائكه، جلد 1، صفحه 339، مكتبة الرشد ،رياض)

اسی طرح کثیر مسائل مصالح مرسلہ کے قاعدہ کے تحت حل کئے گئے ہیں اگر اسے قاعدہ نہ بنایا جائے تو بڑی مشکلات کا سامنا ہوگا۔ الجامع لمسائل اصول الفقہ میں ہے "لو لم نجعل المصلحة المرسلة دليلاً من الأدلة ، للزم من ذلك خلو كثير من الحوادث من أحكام ، ولضاقت الشريعة عن مصالح الناس" ترجمہ: اگر ہم مصالحہ مرسلہ کو مآخذ میں سے ایک ماخذ نہیں بناتے تو کثیر درپیش مسائل حل نہ ہوسکیں گے اور لوگوں پر شریعت مصالح کے لحاظ سے تنگ ہو جائے۔

(الجامع لمسائل اصول الفقه ، صفحه 287، مكتبة الرّشد، رياض)

مصالح مرسلہ کی شرائط

مصالح مرسلہ کا استعمال ضرورت و حاجت پر کیا جائے گا اور اسکی چار شرائط ہیں:۔

(1) مصالح مرسلہ کے تحت جو عمل کیا گیا ہے وہ قرآن وسنت کے مخالف نہ ہو کیونکہ قرآن وسنت کے ہر حکم میں دنیا وآخرت کے لحاظ سے مصلحت ہے۔

(2) وہ مسئلہ عام ہو چند لوگوں کے ساتھ خاص نہ ہو۔

(3) مصالح مرسلہ کے تحت جو مسئلہ حل کیا ہے وہ ایسا نہ ہو جس سے زیادہ اہمیت فوت ہو جائے۔

(4) یہ مقاصدِ شریعہ کے مخالف نہ ہو۔

(معالم أصول الفقه عند أہل السنة والجماعة، جلد1، صفحہ234، دار ابن الجوزی، سعودیہ)

(6) سدُّ الذرائع

ہر وہ جائز وسیلہ جس سے فساد کی طرف قصد کیا جائے یا قصد نہ کیا جائے لیکن اس کا غالب فساد ہو اسے روکنا سد الذرائع کہلاتا ہے۔ جیسے مسجد ضرار کو سدِ ذرائع کے تحت ختم کر دیا گیا، کسی مشرک کے سامنے اگر بتوں کو بُرا کہنا جائز ہے لیکن اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مشرک جواباً اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گا۔ قرآن پاک میں ہے ﴿وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِن دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّواْ اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور انہیں گالی نہ دو وہ جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔

(سورۃ الانعام، سورت6، آیت108)

ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "وعن أبی هريرة أن رجلا سأل النبی صلى الله عليه و سلم عن المباشرة للصائم فرخص له و أتاه آخر فسأله فنهاه فإذا الذی رخص له شيخ و إذا الذی نهاه شاب" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی نے روزے کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے رخصت دی۔ پھر دوسرے نے یہی سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ جسے رخصت دی وہ بوڑھا آدمی تھا اور جسے منع کیا وہ جوان تھا۔

(سنن ابی دائود، کتاب الصیام ،باب کراہیتہ للشاب، جلد1، صفحہ726، دار الفکر، بیروت)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوان کو منع کرنا سدِ ذرائع تھا کہ کہیں جذبات پر کنٹرول نہ رہے اور ہمبستری ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منافقین کی منافقت کو جاننے کے باوجود قتل نہ کرنا کہ ”لا یتحدث الناس أن محمدا یقتل أصحابہ“ترجمہ: لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ماننے والوں کو قتل کرتا ہے۔

(صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد14، صفحہ544، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

یہ سدالذرائع ہے کہ اس کے سبب لوگ اسلام سے متنفر اور نکل سکتے تھے تو ان کو ارتداد سے بچانا منافقین کے قتل سے اہم ہے۔اسی طرح کئی کام سدالذرائع کے تحت منع کئے جاتے ہیں۔الجامع لمسائل اصول الفقہ میں ہے”وبناء علی حجیة سد الذرائع فإن الشخص لو مات وعلیه زكاة لم یؤدها فإنه لا یلزم الورثة إخراجها عن من تركته ؛ لأنه لو ألزمنا الورثة بذلك لأدی ذلك بأن یترك الإنسان أداء زَكاته طول عمره اعتماداً علی أن الورثة سیخرجونها بعد موته ، وربما یتخذ ذلك ذریعة للإضرار بهم“ ترجمہ: سدالذرائع کے تحت فرمایا گیا کہ جو شخص مر گیا اور اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی باقی ہے تو وارثوں پر لازم نہیں کہ ترکہ سے زکوٰۃ ادا کرے کہ اگر ترکہ سے زکوٰۃ ادا کرنا لازم کر دیا جائے تو انسان لمبی عمر کی امید اور وارثوں پر اعتماد کرتے ہوئے کہ وہ میرے مرنے کے بعد ترکہ سے ادا کر دیں گے زکوٰۃ نہ دے گا اور اس کو اولاد کے لئے تنگی کا ذریعہ بنا لے گا۔ (الجامع لمسائل اصول الفقہ ، صفحہ289، مکتبۃ الرّشد، ریاض)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:”ان کے علاوہ وہ گانا جس میں نہ

مزامیر ہوں نہ گانے والے محل فتنہ، نہ لہو ولعب مقصود نہ کوئی ناجائز کلام بلکہ سادے عاشقانہ گیت ،غزلیں ،ذکر باغ وبہار وخط وخال ورخ وزلف وحسن وعشق وہجر ووصل ووفائے عشاق وجفائے معشوق وغیرہا امور عشق وتغزل پر مشتمل سنے جائیں تو فساق وفجار واہل شہوات دنیہ کواس سے بھی روکا جائے گا "وذلك من باب الاحتياط القاطع ونصح الناصح وسد الذرائع المخصوص به هذا الشرع البارع والدين الفارغ"(یہ رکاوٹ یقینی احتیاط کے باب سے ہے اس میں خیرخواہ کی خیرخواہی اور ذرائع کی روک تھام موجود ہے جواس یکتاوفائق شریعت اورخوبصورت دین سے مخصوص ہے۔)

(فتاوٰی رضویہ،جلد24،صفحہ83،رضافائونڈیشن،لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''امرد کہ اپنی خوبصورتی یا خوش آوازی سے محل اندیشہ فتنہ ہوخوش الحانی میں اسے بازو بنانے سے ممانعت کی جائے گی"فان هذا الشرع المطهر جاء بسد الذرائع والله لايحب الفساد" (کیونکہ یہ پاک شریعت (ناجائز)ذرائع کی روک تھام کرتی ہے اللہ تعالٰی فتنہ وفساد کو پسندنہیں فرماتا۔) منقول ہے کہ عورت کے ساتھ دوشیطان ہوتے ہیں اورامرد کے ساتھ ستّر۔علماءفرماتے ہیں امرد کاحکم مثل عورت کے ہے۔''

(فتاوٰی رضویہ،جلد23،صفحہ721،رضافائونڈیشن،لاہور)

فصل پنجم: اُصول فقہ

اصول فقہ کو جڑ کی حیثیت حاصل ہے، یہاں تک کہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"أن علم الأصول فوق الفقه"ترجمہ:علم اصول فقہ سے برتر ہے۔ (شرح التلويح على التوضيح ،جلد1،صفحہ 11،دار الكتب العلمية،بيروت)

قواطع الأدلۃ فی الأصول میں منصور بن محمد بن عبدالجبار السمعانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں"وأما أصول الفقه فهى من حيث اللغة ما يتفرع عليه الفقه وعند الفقهاء هى طريق الفقه التى يؤدى الاستدلال بها إلى معرفة الأحكام الشرعية" ترجمہ: اصول فقہ کی حیثیت لغت سی ہے جس سے فقہ نکلتی ہے اور فقہائے کرام کے نزدیک فقہ میں اصول سے احکام شرعیہ کی معرفت کا استدلال کیا جاتا ہے۔

(قواطع الأدلة فى الأصول،صفحه9،دار الكتب العلمية، بيروت)

اصول قرآن وحدیث، اجماع واجتہاد سے بنتے ہیں۔خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"أصول الفقه الأدلة التى ينبنى عليها الفقه ، وهى كتاب الله سبحانه وسنة رسوله ، بما حفظ عنه خطاباً وفعلاً وإقراراً وإجماع الأمة من أهل الاجتهاد" ترجمہ: اصول فقہ جس پر فقہ کی بنیاد ہے اور یہ اصول کتاب اللہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قولی، فعلی، تقریری سنت، مجتہدین کے اجماع پر مشتمل ہوتے ہیں۔

(الفقيه و المتفقه،جلد1،صفحه192،دار ابن الجوزى،سعوديه)

اصول فقہ کے ذریعے احکام کی معرفت ہوتی ہے ۔علم أصول الفقه میں ہے"فعلم أصول الفقه فى الاصطلاح الشرعى هو العلم بالقواعد والبحوث التى يتوصل بها إلى استفادة الأحكام الشرعية العملية من أدلتها التفصيلية، أوهى مجموعة القواعد والبحوث التى يتوصل بها إلى استفادة الأحكام الشرعية العملية من أدلتها التفصيلية" ترجمہ: اصطلاحِ شرع میں علم اصول فقہ ایسے قواعد وابحاث کا نام ہے جو تفصلی دلائل کے ساتھ احکام شرعیہ عملیہ سے استفادہ حاصل کرنے تک پہنچاتی ہیں۔ (علم أصول الفقه،صفحه 12،مكتبة الدعوة،شباب الأزہر)

اس کے بغیر قرآن کی تفسیر اور احادیث کی شرح ممکن نہیں۔الجامع لمسائل اصول الفقہ " لا يمكن لأى شخص أن يقوم بتفسير القرآن أو شرح الأحاديث إلا إذا

کان عالماً بأصول الفقه ؛ حیث لا یمکنه معرفة دلالة النص هل هی قطعیة أو ظنیة ، أو أی نوع من أنواع الدلالات إلا بعد معرفته بأصول الفقه " ترجمہ: جو علم اصول فقہ سے جاہل ہے اسے ممکن نہیں کہ وہ قرآن کی تفسیر اور احادیث کی شرح کر سکے۔ کیونکہ اس کے لئے بغیر اس علم کے دلالتِ نص کی معرفت نہ ہوگی کہ یہ دلیل قطعی ہے یا ظنی یا یہ دلائل کی اقسام میں سے کونسی دلیل بنتی ہے۔

(الجامع لمسائل اصول الفقه ، صفحه 7،8،مکتبة الرّشد،ریاض)

کتب اصولِ فقہ میں کئی اصول مذکور ہیں جو قرآن وحدیث اور اجتہاد سے وضع کئے گئے ہیں جیسے کوئی بھی جدید چیز جو خلافِ شرع نہیں اس کے جائز ہونے کا اصول قرآن پاک کی یہ آیت ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْأَرْضِ جَمِیْعاً﴾ ترجمہ کنز الایمان: وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔

(سورة البقرة،سورت 2،آیت 29)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الاصل فی الاشیاء الاباحة " ترجمہ: اشیاء میں اصل اباحت (جائز ہونا) ہے۔

(رد المختار، کتاب الطهارة،مطلب المختار ان الاصل فی الاشیاء الاباحة، جلد 1،صفحہ 234،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ترمذی، مشکوٰۃ، ماجہ، ابوداؤد کی حدیث پاک ہے "عن ابن عباس قال کان أهل الجاهلیة یأکلون أشیاء ویترکون أشیاء تقذرا فبعث الله تعالی نبیه صلی الله علیه وسلم وأنزل کتابه وأحل حلاله وحرم حرامه فما أحل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سکت عنه فهو عفو وتلا ﴿**قل لا أجد فیما أوحی إلی محرما**﴾ إلی آخر الآیة" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ

جاہلیت کے دور میں لوگ اشیاء کو کھاتے اور مکروہ سمجھتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے، تو اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور کتاب کو نازل فرما کر حلال کو حلال فرمایا اور حرام کو حرام کیا۔ تو جسے حلال کیا گیا وہ حلال ہے اور جسے حرام کیا گیا وہ حرام ہے اور جس کے متعلق کوئی حکم نہیں ارشاد فرمایا گیا وہ معاف (مباح) ہے۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی ''تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت وہ نجاست ہے یا وہ بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو جو ناچار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

(سنن ابی دائود، کتاب الاطعمة، باب مالم یذکر تحریمه، جلد2، صفحه 382، دار الفکر، بیروت)

اوپر والی قرآن کی آیت اور یہ حدیث ایک بہت بڑے اصول پر مشتمل ہے کہ حلال وحرام صرف وہی نہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے بلکہ جو افعال قرآن وسنت سے ٹکراتے نہیں ہیں اگرچہ نو پید ہوں وہ جائز ہیں جیسے شادی پر سہرا باندھنا وغیرہ۔

موجودہ دور میں یا آئندہ جو بھی نشیلی اشیاء ہونگی ان کا حرام ہونا اس حدیث کے اصول پر ہوگا "عن ابن عمر قال رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم كل مسكر خمر و كل مسكر حرام و من شرب الخمر فى الدنيا فمات وهو يد منها لم يتب لم يشربها فى الاخرة " ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے کہ ہر نشہ دینے والی چیز شراب ہے اور ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے اور جس نے دنیا میں شراب پی اور اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اس

کے ہاتھ میں تھی اور اس نے توبہ بھی نہیں کی تو وہ آخرت کی شرابِ طہور کو نہیں پیئے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب بیان أن کل مسکر خمر وأن کل خمر حرام ،جلد3، صفحہ1587، دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

اسی طرح بے شمار اصول قرآن وحدیث سے لئے گئے ہیں اور کئی ائمہ مجتہدین نے وضع فرمائے ہیں۔ چند اصول کی مثالیں پیش خدمت ہیں:۔

ایک اُصول ہے "المشقة تجلب التیسیر" ترجمہ: مشقت آسانی فراہم کرتی ہے۔ اس اصول کا ثبوت قرآن پاک کی اس آیت سے ہے ﴿ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ (سورۃ البقرة، سورت2، آیت185)

دوسری جگہ فرمایا﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اورتم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔ (سورۃ الحج، سورت22، آیت78)

ایک اصول ہے "اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام" ترجمہ: جب ایک چیز میں حلت وحرمت دونوں وجہیں جمع ہوں تو غلبہ حرمت کو رہے گا اور وہ شے حرام سمجھی جائے گی۔ اس اصول کی بنیاد کئی احادیث پر ہے چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے "عن عدی بن حاتم قال سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الصید فقال إذا رمیت بسهمك فاذكر اسم الله فإن وجدته قد قتل فكل إلا أن تجده قد وقع فی ماء فلا تأكل فإنك لا تدری الماء قتله أو سهمك" ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب تو تیر پھینکے تو اس پر اللہ عزوجل کا نام لے اگر وہ شکار کو مار ڈالے تو کھالو اور اگر اسے پانی میں مرا ہوا پاؤ تو نہ کھاؤ کہ تم نہیں جانتے اسے تیرے

تیر نے مارا ہے یا پانی میں ڈوب کر مرا ہے۔

(جامع ترمذی، کتاب الصید،باب ما جاء فیمن یرمی الصید فیجدہ میتا فی الماء، جلد4،صفحہ67،دار إحیاء التراث العربی ، بیروت)

ایک اصول ہے"درء المفاسد اھم من جلب المصالح" ترجمہ: مفاسد کا دور کرنا مصالح کے حصول سے اہم اور ضروری ہے۔اس اصول کے تحت کئی مسائل حل کئے گئے ہیں۔امام اہلسنت اس اصول سے امامت فُسّاق کے متعلق ایک مسئلہ بہت خوبصورت انداز میں حل فرماتے ہیں:''جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اوراس کی تقدیم بکراہت تحریم اور واجب ومکروہ تحریم دونوں ایک مرتبہ میں ہیں"ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح"(مفاسد کا دُور کرنا مصالح کے حصول سے اہم اور ضروری ہوتا ہے۔)ہاں اگر جُمُعَہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جُمُعَہ پڑھیں کہ وہ فرض ہے اورفرض اہم۔

اسی طرح اگر اُس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہوتو پڑھیں اوراعادہ کریں کہا ﴿اَلْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾(فتنہ قتل سے بڑی برائی ہے۔)واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی رضویہ،جلد6،صفحہ633،رضافائونڈیشن،لاہور)

اسی طرح اور بھی اُصول ہیں جوقرآن وحدیث واجتہاد سے بنائے گئے ہیں اورکئی سالوں سے امت مسلمہ اس پرکاربند ہے۔ابن قیم لکھتے ہیں"فقهاء الإسلام ومن دارت الفتيا على أقوالهم بين الأنام الذين خصوا باستنباط الأحكام وعنوا بضبط قواعد الحلال والحرام فهم فی الأرض بمنزلة النجوم فی السماء بهم يهتدی الحيران فی الظلماء وحاجة الناس إليهم أعظم من حاجتهم إلى الطعام والشراب وطاعتهم أفرض عليهم من طاعة الأمهات والآباء بنص الكتاب قال

تعالی ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللّٰهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ﴾ ''ترجمہ: فقہائے اسلام اور جن کے فتاوے لوگوں کے مابین شائع اور ذرائع ہیں اور جنھوں نے احکام کا استنباط کیا اور حلال وحرام کے اصول وقواعد وضع کئے۔ وہ اس زمین پر آسمان کے تاروں کے مانند ہیں۔ (جس طرح رات کی تاریکی میں اور بحری سفر کرنے والے ان تاروں کے ذریعہ منزل مقصود کی درست سمت متعین کرتے ہیں) اسی طرح گمراہی کی تیرگی میں زندگی بسر کرنے والے ان علمائے کرام سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور لوگ طعام وشراب سے کہیں زیادہ ان کے محتاج ہیں اور ان کی اطاعت والدین کی اطاعت سے برتر ہے۔ جیسا کہ کلام اللہ سے ثابت ہے۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

(إعلام الموقعین عن رب العالمین، جلد1، صفحہ9، مکتبۃ الکلیات الأزہریۃ، مصر، القاہرۃ)

مجتہد پر انہی اصولوں کی پیروی واجب ہوتی ہے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے"وهذا العلم قد بين القواعد التی يجب علی المجتهد أن يلتزمها فی استنباطه للأحكام الشرعية سواء من الكتاب أو السنة أو القياس" ترجمہ: اصول فقہ کے قواعد کے مطابق احکام شرعیہ کا استنباط مجتہد پر واجب ہے۔ برابر ہے یہ استنباط قرآن وسنت سے ہو یا قیاس سے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد1، صفحہ 33، دارالسلاسل، الكويت)

یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ اصولِ فقہ میں مذکور مسئلہ کتبِ فقہ کے مخالف ہو قابلِ قبول نہیں چنانچہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''موافق مخالف سب اہل عقول کا قدیمی معمول کہ ہر فن کی بات اس کی حد تک محدود ومقبول، تحقیق حلال وحرام میں فقہ کی طرف رجوع ہوگی اور صحت وضعف حدیث میں تحقیقات فن حدیث کی

طرف،طبی مسئلہ نحو سے نہ لیں گے، نہ نحوی طب سے،علماء فرماتے ہیں شروحِ حدیث میں جو مسائل فقہیہ کتب فقہ کے خلاف ہوں مستند نہیں بلکہ تصریح فرمائی کہ خود اصولِ فقہ کی کتابوں میں جو مسئلہ خلاف کتب فروع ہو معتمد نہیں، بلکہ فرمایا جو مسئلہ کتب فقہ ہی میں غیر باب میں مذکور ہو مسئلہ مذکور فی الباب کا مقادم نہ ہوگا کہ غیر باب میں کبھی تساہل راہ پاتا ہے۔''

(فتاوی رضویه ،جلد9،صفحه940،رضا فائونڈیشن،لاہور)

آج بھی اگر کوئی جدید مسئلہ درپیش ہو اور قرآن وحدیث اور فقہ میں اس کی صراحت نہ ملے تو انہیں اصول و مآخذ کو مدِ نظر رکھ کر اس کا حل نکالا جاتا ہے۔

اصول فقہ کی تدوین

فقہ واصول دونوں کی تدوین کا آغاز ساتھ ہی ہوا کیونکہ اصول کی روشنی میں ہی مسائل کا استخراج ہوتا ہے۔لیکن ممتاز فن کی حیثیت سے اصول نے اپنی شناخت ذرا بعد میں بنائی۔حضرت امام اعظم کے ممتاز مجتہد تلامذہ سیدنا امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے اصول فقہ کے باب میں تحریریں چھوڑی ہیں۔حضرت امام مالک نے بھی موطا میں اس فن کے بعض قواعد کی جانب واضح اشارات دیئے ہیں۔لیکن اصول فقہ کے باب میں ممتاز تصنیف کی شکل میں حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریر فرمودہ ''الرسالۃ'' سامنے آیا، جسے خاصی شہرت ملی، یہاں تک کہ ابن خلدون جیسے محقق کو یہ گمان ہوگیا کہ اس فن کی تدوین کا سہرا حضرت امام شافعی کے سر ہے۔

(اجتہاد و تقلید،صفحه37،مکتبه اعلیٰ حضرت،لاہور)

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے'' هذا العلم ولد فی القرن الثانی الهجری ، وذهب جمهور العلماء إلى أن أول من دون هذا العلم هو الإمام الشافعی رضی

اللہ عنہ ، وذهب ابن النديم فى الفهرست أن أول من ألف فيه هو أبو يوسف صاحب أبى حنيفة وأيا ما كان فإن أقدم مؤلف فى هذا العلم وصل إلينا هو رسالة الإمام الشافعي رضى الله عنه "ترجمہ: علم اصول فقہ کا آغاز دوسری ہجری میں ہوا اور جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس علم کو مدون امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور ابن ندیم ''فہرست'' میں فرماتے ہیں سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس پر لکھا، اس علم پر سب سے پہلے جس کی تالیف ہمیں ملی وہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر ''رسالہ'' ہے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد1، صفحه 33، دارالسلاسل، الكويت)

باب دوم: فقہی اختلاف

آج جس دور میں ہم رہ رہے ہیں اسمیں بے شمار علوم ہیں اور ہر علوم کے ماہرین اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تحقیقات کرتے ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک کی تحقیق دوسرے کے مخالف ہوتی ہے جیسے سائنس میں آئے دن تحقیقات بدلتی رہتی ہیں۔ اس تحقیقاتی مخالفت کو ہی علمی کمال سمجھا جاتا ہے۔فقہی مسائل میں بھی ہمارے اسلاف نے دلائل کی روشنی میں اختلاف کیا۔لیکن جب جدید دور میں کوئی نیا فقہی مسئلہ درپیش ہو جس کی صراحۃً قرآن وحدیث ،اجماع و کتب فقہ میں نہ ملے تو علمائے کرام اس مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس میں بھی علمی وسعت کی بنا پر اختلاف ہو جاتا ہے۔اس پر بعض بے علم لوگ کہتے ہیں کہ ان مولویوں میں اختلاف بہت ہے کس کی بات پر عمل کریں۔ یہ کہہ کر شریعت پر عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور جو دل میں آئے وہ کرتے ہیں۔ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو کوئی مرض لگ جائے تو ہر ڈاکٹر کا نسخہ دوسرے ڈاکٹر کے نسخے سے مختلف ہوگا لیکن پھر بھی علاج کرواتے جائیں گے جب تک شفاء نہیں مل جاتی ۔لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ اختلاف رائے کیا ہے، اس کے اسباب کیا ہیں اور اس میں ترجیح کیسے دی جائے گی؟ فقہ میں مذکور جو اختلافی مسائل ہیں وہ فقہ کی حجیت کو کم نہیں کرتے بلکہ فقہ کی وسعت کو اجاگر کرتے ہیں۔

فصل اول: اختلاف

اختلاف کی تعریف ومفہوم

اختلاف باب اِفتعال سے ہے اور یہ اتفاق کی ضد ہے۔فقہی اصطلاح میں ایک

مسئلہ میں الگ الگ رائے ہونا اختلاف ہے۔یہ اختلاف بشری افکار اور فہم نصوص کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔*الفقہ الاسلامی والادلۃ* میں ہے”ومنبع الاختلاف هو تفاوت الأفكار والعقول البشرية فى فهم النصوص واستنباط الأحكام، وإدراك أسرار التشريع وعلل الأحكام الشرعية وذلك كله لاينافى وحدة المصدر التشريعى، وعدم وجود تناقض فى الشرع نفسه، لأن الشرع لاتناقض فيه، وإنما الاختلاف بسبب عجز الإنسان، لكن يجوز العمل بأحد الآراء المختلفة، رفعاً للحرج عن الناس الذين لايجدون سبيلاً آخر بعد انقطاع الوحى إلا الأخذ بما غلب على ظن هذا المجتهد أو ذاك، مما فهمه من الأدلة الظنية، والظن مثار اختلاف الأفهام، وقد قال النبى صلّى الله عليه وسلم إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإن أخطأ فله أجر واحد“ترجمہ:احکام کے استنباط اور نصوص کے سمجھنے میں انسانی افکار میں تفاوت اور شریعت کے اسرار اور احکام شرعیہ کی علتوں کو اپنی سوچ کے مطابق سمجھنا اختلاف کو پیدا کرتا ہے۔یہ تمام صورتیں شریعت کے اصولوں میں سے کسی ایک اصول کے بھی منافی نہیں ہیں اور یہ تمام صورتیں شریعت میں تناقض نہ ہونے کو ثابت کرتی ہے۔اس لئے کہ شرعی مسائل میں تناقض نہیں ہے،اختلاف کا سبب انسان کا عجز ہے۔لیکن کسی مسئلہ میں مختلف آراء ہونے پر کسی ایک پر عمل جائز ہوتا ہے لوگوں پر حرج اٹھانے کے سبب کہ ان کے پاس وحی کے ختم ہونے کے بعد دوسرا کوئی راستہ نہیں سوائے یہ کہ مجتہد اپنی غالب رائے کو اختیار کرے یا اس کو جسے اس نے دلائل ظنّیہ سے سمجھا۔گمان افکار کے اختلاف کا سرچشمہ ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب حاکم اجتہاد کرے اور وہ ٹھیک آئے تو اس کے لئے دو اجر ہیں (ایک کوشش کا اور

ایک ٹھیک کوشش ہونے کا)اور اگر خطا ہو جائے تو ایک اجر ہے(کوشش کرنے کا)۔

(الفقہ الاسلامی والادلۃ،جلد1،صفحہ65،دار الفکر،دمشق)

قرآن پاک میں ہے﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اے ایمان والو جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ۔اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا مٹی سے تیمّم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے۔ہاں یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے کہ کہیں تم احسان مانو۔

(سورۃ المائدہ،سورت5،آیت6)

اس آیت کے تحت درج ذیل مسائل سامنے آئے:۔

(1) کیا ان چاروں اعضاء کے دھونے اور مسح میں ترتیب ضروری ہے یا نہیں؟

(2) کیا ہاتھوں کی کہنیاں اور پاؤں کے ٹخنے دھونے میں شامل ہیں یا نہیں؟

(3) چھونے سے مراد جماع ہے یا نہیں؟

(4) تیمّم صرف مٹی سے ہے یا ہراس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو؟

(5) پانی کا نہ ملنا حقیقۃً ہے یا حکما جیسے پانی ہو لیکن وہ پینے کے لئے یا آٹا گوندھنے کے لئے ہو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

اس طرح اور کئی مسائل ہیں جنہیں ائمہ کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی فہم کے ساتھ مختلف دلائل کے ساتھ حل کیا۔

اختلاف کی اقسام

اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے:۔

(1) مذموم

(2) مقبول

(1) مذموم اختلاف وہ ہوتا ہے جو قرآن وسنت اور اجماع کے خلاف ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" کل ما أقام الله به الحجة فی کتابه أو علی لسان نبیه منصوصاً بیناً لم یحل الاختلاف فیه " ترجمہ: جس مسئلہ میں اللہ عزوجل نے قرآن اور نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے حجت قائم کردی ہے اس میں اختلاف حلال نہیں ہے۔

اس میں اختلاف کرنا ہلاکت ہے چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث پاک ہے" هلك من كان قبلكم بكثرة سؤالهم واختلافهم على أنبيائهم" ترجمہ: تم سے پچھلی امتیں کثرت سوال اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اختلاف کرنے کی سبب ہلاک ہوئیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام۔۔، باب ما یکره من کثرة السؤال ،جلد 6،صفحہ 2658،دار ابن کثیر ، الیمامة،بیروت)

اسی طرح عقائد واصول جن پر صحابہ کرام علیہم الراضوان اور تابعین رحمہم اللہ تھے اس میں اختلاف کرنا جائز نہیں یعنی عقائد اہل سنت کے برخلاف کوئی عقیدہ قائم کرکے امت مسلمہ سے اختلاف کرنا جیسے شیعہ،خارجی اور دیگر فرقوں کے عقائد ہیں۔اسی طرح وہ اختلاف بھی مذموم ہے جو حسد وخواہش،طلب شہرت پر مبنی ہو جس میں حق کی طلب نہ ہو۔ائمہ کرام اس اختلاف سے کوسوں دور تھے۔

(2) اختلاف مقبول وہ ہے جس کے متعلق قرآن وحدیث میں دلیل قطعی نہیں اور نہ اس میں صریح اجماع منقول ہے۔اس میں صحابہ کرام،تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ کرام رحمہم اللہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اختلاف کیا اور اس پر دلائل دیئے۔اس اختلاف میں دوسرے کو بُرا نہیں کہا جاتا بلکہ خود کو دلائل کی روشنی میں درست اور دوسرے کو خطا پر سمجھا جاتا ہے۔علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ درمختار میں فرماتے ہیں”إذا سئلنا عن مذهبنا و مذهب مخالفنا قلنا وجوبا: مذهبنا صواب يحتمل الخطأ و مذهب مخالفنا خطأ يحتمل الصواب وإذا سئلنا عن معتقدنا و معتقد خصومنا .قلنا وجوبا الحق ما نحن عليه و الباطل ما عليه خصومنا“ترجمہ:جب ہم سے ہمارے اور مخالف مذہب کے متعلق پوچھا جائے تو جواب دیا جائے گا ہمارا مذہب حق ہے خطا کا احتمال رکھتا ہے اور مخالف مذہب خطاء پر ہے صواب کا احتمال رکھتا ہے۔اور جب ہم سے ہمارے اور گمراہ فرقوں کے عقیدے کے متعلق پوچھا جائے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم (اہلسنت) حق پر ہیں اور وہ (بدمذہب) باطل پر ہیں۔

(ردالمحتار،جلد1،صفحہ118،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

اس فقہی اختلاف میں بھی بزرگوں نے فرمایا جس مسئلہ میں اختلاف ہو اس میں

ایسی راہ اختیار کی جائے کہ اختلاف واقع نہ ہو جیسے احناف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے لیکن پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے کہ ایک امام کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''اس قسم کے مسائل میں باجماع ائمہ آدمی کو وہ بات چاہئے جس کے باعث اختلاف علما میں واقع نہ ہو جب تک یہ احتیاط اپنے کسی مکروہ مذہب کی طرف نہ لے جائے۔''

(فتاوی رضویہ،جلد6،صفحہ695،رضافائونڈیشن،لاہور)

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''أخرج البیھقی فی المدخل عن القاسم بن محمد قال اختلاف أصحاب محمد رحمة لعباد الله تعالی ، وأخرجه ابن سعد فی طبقاته بلفظ کان اختلاف أصحاب محمد رحمة للناس ، وفی المدخل عن عمر بن عبد العزیز قال ما سرنی لو أن أصحاب محمد لم یختلفوا لأنهم لو لم یختلفوا لم تکن رخصة۔۔أن الاختلاف علی ثلاثة أقسام أحدها: فی الأصول ولا شك أنه ضلال وسبب کل فساد وهو المشار إلیه فی القرآن ، والثانی: فی الآراء والحروب ویشیر إلیه قوله صلی الله علیه وسلم لمعاذ وأبی موسی لما بعثهما إلی الیمن تطاوعا ولا تختلفا ولا شك أیضاً أنه حرام لما فیه من تضییع المصالح الدینیة والدنیویة ، والثالث : فی الفروع کالاختلاف فی الحلال والحرام ونحوهما'' ترجمہ:امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مدخل میں قاسم بن محمد کے حوالے سے نقل کیا صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف اللہ عزوجل کے بندوں پر رحمت ہے۔ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں ان الفاظ سے نقل کیا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف لوگوں کے لئے رحمت ہے۔

مدخل میں عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کسی کا یہ کہنا مجھے خوش نہ کرے گا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اختلاف نہ کرتے ، اگر صحابہ کرام علہم الرضوان اختلاف نہ کرتے تمہارے لئے رخصت نہ ہوتی ۔بے شک اختلاف کی تین اقسام ہیں:۔(1) اصول (بنیادی عقائد) میں اختلاف اوراس میں شک نہیں کہ یہ گمراہی اور تمام فساد کا سبب ہے، اسی کے غلط ہونے کی طرف قرآن میں اشارہ ہے۔(2) آراء اور جنگی معاملات میں اختلاف اوراسی طرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کیا جب حضرت معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا کہ اطاعت کرو اختلاف نہ کرو۔شک نہیں کہ یہ اختلاف حرام ہے کہ اس میں دینی مصلحتیں ضائع ہوتی ہیں۔(3) فروغ مسائل میں اختلاف جیسے حلال وحرام وغیرہ کے مسائل میں اختلاف۔(یہ اختلاف جائز ہے۔)

(روح المعانی ،فی تفسیر،آل عمران ،آیت105،جلد4،صفحہ24،دار إحیاء التراث العربی،بیروت)

مشکوٰۃ شریف کی حدیث پاک میں ہے"عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول سألت ربى عن اختلاف أصحابى من بعدى فأوحى إلى يا محمد إن أصحابك عندى بمنزلة النجوم فى السماء بعضها أقوى من بعض ولكل نور فمن أخذ بشىء مما هم عليه من اختلافهم فهو عندى على هدى" ترجمہ:حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے اپنے بعد صحابہ میں ہونے والے اختلاف کے متعلق سوال کیا،تو مجھ پر وحی کی گئی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !بے شک آپ کے اصحاب آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں بعض بعض سے قوی ہیں،تمام کے تمام روشنی ہیں،ان اختلاف ہونے پر جو جس کی

پیروی کرے وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

(مشکوٰۃ،باب مناقب قریش وذکر القبائل،جلد3،صفحہ310،المکتب الإسلامی،بیروت)

فصل دوم:اختلاف کی تاریخ وحجیت

کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہونا ائمہ مجتہدین کی ایجادنہیں بلکہ اختلاف صحابہ کرام علیہم الرضوان،فرشتوں یہاں تک کے انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہے۔قرآن پاک میں ہے﴿وَدَاوُوْدَ وَسُلَیْمَانَ إِذْ یَحْکُمَانِ فِی الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِیهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَکُنَّا لِحُکْمِهِمْ شَاهِدِیْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان:اورداؤداورسلیمان کویادکرو جب کھیتی کاایک جھگڑاچکاتے تھے،جب رات کواس میں کچھ لوگوں کی بکریاں چھوٹیں اورہم ان کے حکم کے وقت حاضر تھے۔ (سورۃ الانبیاء،سورت21،آیت78)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف میں اسی نام کاباب باندھا"باب بیان اختلاف المجتهدین"(مجتہدین کے اختلاف کے بیان کاباب)اوراس میں حدیث پاک نقل کی"عن أبی هريرة عن النبی صلى الله عليه و سلم قال بينما امرأتان معهما ابناهما جاء الذئب فذهب بابن إحداهما فقالت هذه لصاحبتها إنما ذهب بابنك أنت وقالت الأخرى إنما ذهب بابنك فتحاكمتا إلى داود فقضى به للكبرى فخرجتا على سليمان بن داود عليهما السلام فأخبرتاه فقال ائتونی بالسكين أشقه بينكما فقالت الصغرى لا يرحمك الله هو ابنها فقضى به للصغرى" ترجمہ:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایادوعورتوں کے دوبیٹے تھے،ایک بھیڑیاآیااوردونوں میں سے ایک کے بچے کولے گیا۔ایک عورت نے کہابھیڑیاتمہارابچہ لے گیاہے دوسری عورت نے کہاتمہارا

بچہ لے گیا۔دونوں نے اپنا مسئلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارگاہ میں رکھا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے (غور وفکر کرکے) فیصلہ بڑی کے حق میں دیدیا۔وہ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئیں اورانہیں اس واقعہ اور فیصلے کی خبر دی۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس چُھری لاؤ میں بچہ کاٹ کر آدھا آدھا کرکے دونوں کو دے دیتا ہوں۔اس پر چھوٹی نے کہا ایسا نہ کریں اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے، یہ بچہ اس (بڑی) کا ہے۔اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں دیدیا۔

(صحیح مسلم، کتاب الاقضية،باب بيان اختلاف المجتهدين ،جلد3،صفحه1344،دار إحياء التراث العربی ،بيروت)

اسی طرح احادیث میں حضرت آدم علیہ السلام اور موسی علیہ السلام میں اس موضوع پر مناظرہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے زمین پر آنے کا سبب درخت سے کھانا ہے یا نہیں؟ اور حضرت آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آئے۔

قصہ آدم علیہ السلام کے متعلق ہے۔﴿**مَا كَانَ لِیُ مِنُ عِلُمٍ بِالُمَلَإِ الْأَعُلَى إِذُ يَخُتَصِمُونَ**﴾ ترجمہ کنزالایمان: مجھے عالم بالا کی کیا خبر تھی جب وہ جھگڑتے تھے۔

(سورت ص،سورت38،آیت69)

تفسیر روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں "والمراد به عند ملأ الملائكة و آدم عليهم السلام و إبليس" ترجمہ: اس سے مراد فرشتوں، آدم علیہ السلام اور شیطان کا واقعہ ہے۔

(تفسیر روح البیان،جلد8،صفحه78،المكتبة القدس، كوئٹه)

بخاری ومسلم شریف کی حدیث پاک ہے"عن أبی سعيد رضى الله عنه عن النبی صلى الله عليه و سلم قال كان فی بنی إسرائيل رجل قتل تسعة و تسعين

إنسانا ثم خرج يسأل فأتى راهبا فسأله فقال له هل من توبة ؟ قال لا فقتله فجعل يسأل فقال له رجل ائت قرية كذا و كذا فأدركه الموت فناء بصدره نحوها فاختصمت فيه ملائكة الرحمة و ملائكة العذاب فأوحى الله إلى هذه أن تقربي و أوحى الله إلى هذه أن تباعدي و قال قيسوا ما بينهما فوجد إلى هذه أقرب بشبر فغفر له" ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا تھا، پھر (نادم ہوکر) مسئلہ پوچھنے نکلا تو ایک راہب کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس شخص نے راہب کو بھی مار ڈالا پھر دوسرے سے مسئلہ پوچھا تو اس نے کہا کہ تو فلاں بستی میں جا۔ راستے میں اس کو موت آ پہنچی (مرتے مرتے) اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف جھکا دیا۔ اب رحمت اور عذاب کے فرشتے جھگڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو (جس طرف وہ جا رہا تھا) یہ حکم دیا کہ اس شخص سے نزدیک ہوجا اور اس بستی کو (جہاں سے وہ نکلا تھا) یہ حکم دیا کہ تو اس سے دور ہوجا۔ پھر فرشتوں سے فرمایا ایسا کرو کہ جہاں یہ مرا ہے وہاں سے دونوں بستیاں ناپو (ناپا) تو دیکھا کہ وہ اس بستی سے ایک بالشت زیادہ نزدیک نکلا جہاں وہ توبہ کرنے جا رہا تھا، پس اسے بخش دیا گیا۔

(صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب أم حسبت أن أصحاب الكهف والرقيم، جلد3، صفحہ1280، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت)

حضور داتا سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر حضرت ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عقائد پر لکھی کتاب تمہید ابوشکور سالمی میں لکھتے ہیں: ''حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں بیٹھے ہوئے

تھے، ہم نے ایک آواز سنی کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آوازیں بلند ہورہی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور بہت سے آدمی بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ پوچھتے ہیں اونچی اونچی کیوں بول رہے تھے؟ تمہاری آوازیں کیوں بلند ہورہی ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے ہمارا اختلاف ہوگیا، میں کہتا ہوں کہ خیر وشر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا موٴقف ہے کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر بندوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے کس کا قول صحیح ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں وہ فیصلہ کروں گا جو حضرت اسرافیل علیہ السلام نے جبرئیل اور میکائیل علیہ السلام کے درمیان کیا تھا۔ (گویا اس مسئلہ میں اختلاف صحابہ کرام کی طرح فرشتوں میں بھی تھا۔)

اے عمر! (اس مسئلہ میں) جبرئیل تو تمہاری طرح کہتے تھے اور اے ابوبکر! میکائیل تمہاری طرح کہتے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ہم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا تو زمین والے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جبرئیل ومیکائیل نے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حاکم بنایا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے لوحِ محفوظ میں اللہ تعالیٰ کی قضاء کے مطابق فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اے ابوبکر! تمہارے قول کے مطابق اور اے عمر! تمہارے قول کے موافق حکم نہیں فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔''

(تمہید ابوشکور سالمی، صفحہ 135، فرید بک سٹال، لاہور)

فقہی اختلافات صحابہ کرام علیہم الرضوان میں بھی ہوتے تھے چنانچہ بخاری شریف میں ہے"عن عکرمه ان اهل المدينة سالو ا ابن عباس عن امرء اة طافت ثم حا ضت قال لهم تنفر قالو ا لا ناخذ بقولك و ندع قول زيد بن ثابت قال اذا قدمتم المدينة فاسئلو ا فقدموا المدينة فكا ن فى من سالوا ام سليم فذكرت حديث صفية"، ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا کہ جس عورت نے طواف (زیارت) کرلیا ہو پھر اس کو حیض آجائے تو طواف وداع کے بغیر واپس جاسکتی ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا جا سکتی ہے۔ اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول کی وجہ سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کو ترک نہیں کریں گے کیونکہ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ وہ نہیں جاسکتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کی تحقیق کرلینا۔ جب وہ مدینہ میں آئے تو انہوں نے حضرت ام سُلیم سے پوچھا انہوں نے حضرت صفیہ کی یہ حدیث بیان کی کہ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو طواف وداع کئے بغیر جانے کی اجازت دی تھی۔

(صحیح البخاری ،کتاب الحج ،باب إذا حاضت المرأة بعدما أفاضت ،جلد2،صفحه 625، دار ابن کثیر ، الیمامة،بیروت)

پھر یہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف ائمہ مجتہدین میں منتقل ہو گیا چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں فرماتے ہیں"وبالجملة فاختلفت مذاهب أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم وأخذ عنهم التابعون كل واحد ما تيسر له فحفظ ما سمع من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ومذاهب الصحابة وعقلها وجمع" ترجمہ: بالجملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے صحابہ کے مسائل میں مختلف مذاہب تھے اور تابعین نے انہی سے اختلاف لیا اور ہر ایک نے جو اسے آسان لگا لیا، اسے یاد کیا جو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مذاہب صحابہ تھے انہیں سمجھا، حفظ کیا اور جمع کیا۔ (الانصاف فی بیان اسباب الانصاف،صفحہ29 ،دارالنفائس)

ثابت ہوا کہ فروعی مسائل میں اختلاف ہونا مذموم نہیں ۔بیہقی، طبرانی، دیلمی، جامع صغیر، کنز العمال کی حدیث پاک ہے"اختلاف امتی رحمة"ترجمہ: میری امت میں اختلاف رحمت ہے۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل،جلد30،صفحہ391، مؤسسة الرسالة،بیروت)

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فیض القدیر میں فرماتے ہیں "وفی العقائد لابن قدامة الحنبلی أن اختلاف الأئمة رحمة واتفاقهم حجة" عقائد ابن قدامہ حنبلی میں ہے کہ ائمہ کا اختلاف رحمت ہے اور اتفاق حجت ہے۔

(فیض القدیر،جلد1،صفحہ132،دارالکتب العلمیہ ،بیروت)

اسلاف نے فروعی مسائل میں اختلاف کی نہ صرف تائید کی بلکہ اسے فقاہت میں شمار کیا،فرماتے ہیں"من لم یعرف اختلاف العلماء ، فلیس بعالم" ترجمہ: جو علماء کے اختلاف کی معرفت نہیں رکھتا وہ عالم نہیں۔"من لم یعرف اختلاف الفقهاء لم تشم أنفه رائحة الفقه" ترجمہ: جو فقہاء کے اختلاف کی معرفت نہیں رکھتا اس نے فقہ کی خوشبو کو پایا نہیں ۔امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا"من عَلِمَ اختلاف الناس فقد فقه "ترجمہ: لوگوں کے اختلاف کو جان گیا تحقیق وہ فقیہ ہو گیا۔حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اختلافی مسئلہ میں آپ سے سوال کرے۔حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "إنما یسأل من یعقل عما یختلف

فیہ فأما ما لا یختلف فیه فلم نسأل عنه " ترجمہ: سوال وہی پوچھتا ہے جو اختلاف سمجھتا ہے جو اختلاف نہیں سمجھتا وہ ہم سے سوال نہیں کرتا۔

لیکن یہ اختلاف کرنے کی اجازت اسے ہے جو فقیہ بھی ہو۔ فقہائے کرام وائمہ مجتہدین بغیر دلیل شرعی اختلاف رائے نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت سیدی عبد الوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وقد تتبعت بحمد الله تعالی ادلة المجتهدین فلم اجد فرعاً من فروع مذاهبهم الا وهو مستند الی دلیل اما آیة او حدیث او قیاس صحیح و کلها مقتبسة من شعاع نور الشریعة التی هو الاصل و محال ان یوجد فرع من غیر اصل " ترجمہ: میں نے تتبع کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم نے جو بیان کیا ہے کسی نہ کسی دلیل شرعی سے بیان کیا ہے اور یہ بات محال ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ ان مقدس ہستیوں نے بیان کیا ہو جس کی اصل شریعت میں نہ ملتی ہو۔

(الیواقیت والجواہر، جلد2، صفحہ475، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت)

موجودہ دور میں دو چار کتابیں پڑھ کر ہر کوئی جید فقہاء تو کیا ائمہ مجتہدین سے اختلاف کرنا شروع کر دیتا ہے اور دلیل کے طور پر یہی روایات سنا دیتا ہے۔ یہ اختلاف نہیں بلکہ خلاف ہے جو باعث فتنہ ہے۔

فصل سوم: اختلاف کی وجوہات

فقہی مسائل میں اختلاف ہونے کی درج ذیل وجوہات پیش خدمت ہیں جو مختلف کتب سے لے کر اضافہ کے ساتھ لکھی گئی ہیں:۔

پہلا سبب:۔ ایک فقیہ کے پاس وہ دلیل پہنچ جائے اور مخالف جس نے خطا کی اس کے پاس وہ دلیل نہ پہنچی ہو۔ ایسا ہو جانے کا ثبوت صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں بھی ہے۔ جیسے حاملہ عورت کا اگر شوہر فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی یا

بچہ پیدا ہونے تک؟ حضرت علی وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے تھی کہ اگر بچہ چار ماہ دس دن سے قبل پیدا ہو جائے تو عدت ختم نہ ہوگی جب تک چار ماہ دس دن پورے نہ ہو جائیں اور اگر چار ماہ دس دن پورے ہو گئے اور بچہ پیدا نہ ہوا تو عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے،اس لئے کہ قرآن پاک میں ہے ﴿ وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جَن لیں۔

(سورة الطلاق،سورت65،آیت4)

دوسری آیت میں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اورتم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔

(سورة البقرة، سورت2،آیت234)

حضرت علی وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ان دونون آیات میں عموم وخصوص ہے اس لئے انہوں نے ان دونوں آیات کو جمع کرکے یہ رائے قائم کی۔ جبکہ اس مسئلہ میں صریح حدیث ہے کہ حاملہ عورت کا اگر چار ماہ دس دن سے قبل بچہ پیدا ہو جائے تو عدت ختم ہو جاتی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے"أن أبا سلمة بن عبد الرحمن وابن عباس اجتمعا عند أبی هريرة وهما يذكران المرأة تنفس بعد وفاة زوجها بليال فقال ابن عباس عدتها آخر الأجلين وقال أبو سلمة قد حلت فجعلا يتنازعان ذلك قال فقال أبو هريرة أنا مع ابن أخی يعنی أبا سلمة فبعثوا كريبا مولى ابن عباس إلى أم سلمة يسألها عن ذلك فجاء هم فأخبرهم أن أم سلمة قالت إن سبيعة الأسلمية نفست بعد وفاة زوجها بليال وإنها ذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فأمرها أن تتزوج" ترجمہ: حضرت ابوسلمہ بن عبد

الرحمٰن اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع ہوئے اور ذکر کیا حاملہ عورت کا شوہر کی وفات کے کچھ دنوں بعد نفاس شروع ہو گیا (تو عدت کے متعلق کیا حکم ہے؟) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اس کی عدت اب چار ماہ دس دن ہے۔ ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس عورت کی عدت ختم ہوگئی۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میری رائے اپنے بھائی ابو سلمہ کے ساتھ ہے۔ انہوں نے ابن عباس کے مولیٰ کریب کو (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یہ بھیجا کہ یہ مسئلہ ان سے پوچھو۔ پھر کریب مسئلہ پوچھ کر ان کے پاس واپس آئے اور کہا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں سبیعہ اسلمیہ نے اپنی شوہر کی وفات کے چند دنوں بعد بچہ ہو گیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (عدت اور نکاح کے متعلق پوچھا) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نکاح کی اجازت دیدی۔

(صحیح مسلم ، کتاب الطلاق ،باپ انقضاء عدۃ -- ،جلد4،صفحہ201،دار الجیل، بیروت)

اگر حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک یہ حدیث پہنچ جاتی تو یہ ہرگز اس کے خلاف نہ کہتے۔

دوسرا سبب:۔ حدیث پہنچے مگر روایت کرنے والا ثقہ نہ ہو اور اسکی روایت دوسری قوی حدیث کے مخالف ہو تو اس صورت میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ جیسے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث تین طلاقوں کے بعد بائنہ ہونے والی عورت کے متعلق ہے کہ اسے نہ نفقہ ملے گا اور نہ رہائش سوائے یہ کہ وہ حاملہ ہو۔ یہ روایت قوی روایت یعنی قرآن کے مخالف ہے ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾

ترجمہ کنزالایمان: اور اگر حمل والیاں ہوں تو انہیں نان ونفقہ دو یہاں تک کہ ان کے بچہ پیدا ہو۔ (سورۃ الطلاق،سورت65،آیت6)

اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاطمہ بنت قیس والی روایت کو نہ لیا اور فرمایا"أنترك قول ربنا لقول امرأة لا ندری أذكرت أم نسيت؟"، ترجمہ: کیا ہم اللہ عزوجل کا حکم چھوڑ دیں ایک عورت کے کہنے پر جس کا ہمیں پتہ نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔اسی طرح فقہائے کرام ایک غیر ثقہ کی حدیث کو چھوڑ کر دوسری قوی حدیث کو لے لیتے ہیں اور بعض فقہاء دوسری روایت کو صحیح جانتے ہوئے لے لیتے ہیں جس سے اختلاف ہوجاتا ہے۔

تیسرا سبب:۔ حدیث کو بھول جانا بھی اختلاف کا سبب ہوتا ہے جیسے حضرت عمر فاروق اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کے لئے بھیجا اور راستے میں ان دونوں پر غسل واجب ہوگیا۔تو حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجتہاد کیا اور تراب سے ایسے طہارت حاصل کی جیسے پانی سے کرتے ہیں یعنی پورے جسم پر مٹی مل لی پھر نماز پڑھی۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز نہ پڑھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رہنمائی فرمائی اور عمار کو تیمّم کا طریقہ بتایا۔حضرت عمار بن یاسر یہی حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بتاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اگر غسل واجب ہوجائے اور پانی نہ ہو تو نماز نہ پڑھے اور تیمّم وضو کے قائم مقام ہے غسل جنابت کے نہیں۔حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پورا واقعہ یاد دلایا مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد نہ آیا

اورفرمایا" اتق الله یا عمار فقال یا أمیر المؤمنین إن شئت لم أذکره قال لا ولکن نولیك من ذلك ما تولیت" ترجمہ:اے عمار اللہ سے ڈر۔حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے امیر المؤمنین !اگر آپ چاہیں تو میں اس حدیث کو بیان نہ کروں گا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم تمہیں حدیث بیان کرنے سے منع نہیں کرتے بلکہ ہم تمہیں اس کام سے منع کرتے ہیں جس سے تم باز نہیں آرہے۔(یعنی غسل جنابت سے تیمّم کرنے پر)

(النسائی،کتاب الطہارت،باب نوع آخر من التیمم-- جلد1،صفحہ183،دار المعرفۃ ،بیروت)

اس مسئلہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کی اتباع کی اوراسی موضوع پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مناظرہ ہوا۔جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول قبول نہ فرمایا تھا؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔﴿ وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اوراگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہولو اوراگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اوران صورتوں میں پانی نہ پایا مٹی سے تیمّم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔(سورۃ المائدہ،سورت5،آیت6)

اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے اور کچھ نہیں فرمایا۔

چوتھا سبب:۔ دلیل پہنچے مگر اس سے مراد کوئی اور ہو جیسے قرآن پاک میں ہے ﴿ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: یا تم نے عورتوں سے صحبت کی۔ اس آیت میں چھونے سے مراد جماع ہے یا مطلقا چھونا ہے؟ بعض نے ظاہری معنیٰ پر کہا کہ مطلقا چھونا ہے۔ "وفهم آخرون أن المراد به الجِماع، وهذا الرأی رأی ابن عباس رضی الله عنهما "، ترجمہ: اور دوسرے گروہ نے اس میں چھونے سے مراد جماع لی، یہی رائے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔

حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ پر چڑھائی کے وقت فرمایا "لا یصلینَّ أحدٌ العصر إلا فی بنی قریظة" ترجمہ: کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں۔ صحابہ کرام نے اس حدیث کی فہم میں اختلاف کیا ایک گروہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ بنو قریظہ کی طرف نکلو عصر کا وقت جب آئے تو ہم بنو قریظہ میں ہوں اور اگر عصر کا وقت راستے میں آجائے تو نماز عصر کو وقت پر پڑھ لیا جائے۔ دوسرے گروہ نے کہا بنو قریظہ پر جا کر عصر کی نماز پڑھی جائے اگرچہ نماز کا وقت گزر جائے۔

اسی طرح کئی آیات و احادیث کی فہم کی مختلف صورتیں ہونے کی وجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے۔

پانچواں سبب:۔ جو دلیل پہنچی ہو وہ منسوخ ہو چکی ہو لیکن اس کا منسوخ ہونا معلوم نہ ہو جیسے رکوع میں اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اپنے گھٹنوں کے درمیان دبا لینا پہلے تھا پھر یہ حکم منسوخ گیا۔ لیکن بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان کو نسخ کا علم نہ تھا اس لئے وہ اس پر عمل کرتے رہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے "عن أبی یعفور قال سمعت مصعب بن

سعد یقول صلیت بجانب أبی فطبقت بین کفی ثم وضعتها بین فخذی فنهانی أبی وقال کنا نفعله فنهیناعنه وأمرنا أن نضع أیدینا علی الرکب“ ترجمہ: حضرت ابو یعفور رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے میں نے مصعب بن سعد سے سنا وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد صاحب کے پہلو میں نماز پڑھی ، میں نے اپنی دونوں ہتھیلوں کو ملالیا پھران دونوں کواپنے گھٹنوں کے درمیان دبالیا تو مجھے میرے والد نے منع کیااورکہا کہ ہم اس طرح کرتے تھےتو ہمیں اس سے منع کر دیا گیااورہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اپنے ہاتھ(رکوع میں) گھٹنوں پر رکھیں۔

(صحیح بخاری ،کتاب الصفة الصلوٰة،باب وضع الأکف علی الرکب فی الرکوع،جلد1،صفحہ273،دار ابن کثیر ، الیمامۃ،بیروت)

نماز میں رفع یدین کرنے والی روایات بھی منسوخ ہیں چنانچہ شارح بخاری علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ”انہ رأی رجلا یرفع یدیه فی الصلوٰة عند الرکوع و عند رفع راسه من الرکوع فقال له لا تفعل فانه شیء فعله رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ثم ترکه“ ترجمہ: آپ نے ایک شخص کورکوع میں جاتے اوررکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اُٹھاتے دیکھا توفرمایا کہ ایسانہ کیا کروکیونکہ یہ کام ہے جوحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے کیا تھا پھرچھوڑ دیا۔

(عمدة القاری،کتاب الاذان، ابواب صفة الصلوٰة،باب رفع الدین فی التکبیرة الاولی مع الافتتاح سواء،جلد5،صفحہ399،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

چھٹا سبب:۔ مجتہدایک نص یا اجماع کواس کےقوی نص واجماع کے معارض ہونے کی وجہ سے چھوڑ دے جیسے” أجمعوا علی قبول شهادة العبدوآخرون قالوا أجمعوا علی أنها لا تقبل شهادة العبد هذا من غرائب النقل“ ترجمہ:اس پراجماع

کہ غلام کی گواہی قبول ہے اور دوسرے گروہ نے کہا کہ غلام کی گواہی قبول نہ ہونے پر اجماع ہے جو کہ غریب روایت ہے۔ بعض لوگ جب کسی ایک بات پر اتفاق کر لیتے ہیں اور کسی کو اس کے مخالف نہیں دیکھتے تو کہہ دیتے ہیں اس پر اجماع ہے جبکہ حکم اس کے برعکس ہوتا ہے اور یہ اختلاف کا سبب ہوتا ہے۔

(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ،صفحہ27۔۔،دارالنفائس)

ساتواں سبب:۔ عالم کسی ضعیف حدیث کو دلیل بنائے یا جو استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہو۔اسکی بے شمار مثالیں مل جاتی ہیں جیسے وہابی غیر مقلد ایک مجلس میں دی گئی اکٹھی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں ”عن ابن عباس قال طلق ركانة بن يزيد امرأته ثلاثًا فی مجلس واحد، فحزن عليها حزنًا شديدًا، فسأله النبی، عليه السلام كيف طلقتها؟ قال ثلاثًا فی مجلس واحد، قال إنما تلك واحدة، فارتجعها إن شئت ، فارتجعها“ ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رکانہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں اور پھر اس بات سے غمگین ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کیا۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے کیسے طلاق دی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تین طلاقیں اکٹھی دیں ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک طلاق ہے۔اگر تم چاہو تو اپنی زوجہ سے رجوع کر لو تو انہوں نے رجوع کر لیا۔

یہ حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری کثیر صحیح حدیثوں کے مخالف ہے اس لئے قابل عمل نہیں چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں”وأما الرواية التی رواها

المـخـالـفـون ، أن ركـانة طـلـق ثـلاثا فجعلها واحدة ، فرواية ضعيفة عن قوم مـجهـولين وإنما الصحيح منها ما قدمناه أنه طلقها البتة ولفظ (البتة)محتمل لـلـواحـدة وللثلاث" ترجمہ: وہ حدیث جو مخالفین روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دیں تھیں ان کوایک کر دیا گیا یہ روایت مجہول لوگوں سے ضعیف ہے اور صحیح وہی ہے جو ہم نے پیچھے بیان کیا کہ حضرت رکانہ نے طلاق بتہ دی تھی اور لفظ بتہ تین اور ایک کا احتمال رکھتا ہے۔

(صحیح مسلم ، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، جلد1، صفحہ478، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

صحیح حدیث سے ضعیف استدلال کی مثال یہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی مل دیتی تھی۔اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ منی پاک ہے کیونکہ یہ انسان کا مادہ پیدائش ہے کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسی پاک چیز ناپاک سے پیدا ہو۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منی نجس ہے ورنہ اس کے نکلنے سے غسل واجب نہ ہوتا ہاں آسانی کے لیے خشک منی کا مل کر جھاڑ دینا کافی ہے جیسے کہ کھلیان کا گندم جس پر پیشاب پاخانہ کرتے ہیں تقسیم سے پاک ہو جاتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گوبر اور پیشاب پاک ہو یہ بھی ضعیف ہے کہ پاک انسان ناپاک منی سے کیسے بنا، ماں کا دودھ جو انسان کی پہلی غذا ہے حیض کے خون سے بنتا ہے، بلکہ خود منی خون سے بنی ہے تو کیا خون کو بھی پاک کہا جائے گا؟ یہ تو خدا کی شان ہے کہ ناپاک کو پاک سے اور پاک کو ناپاک سے بناتا ہے۔

آٹھواں سبب:۔ اختلاف ضبط ہونا بھی ایک سبب ہے جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل خانہ کے نوحہ

کرنے پر میت کو عذاب ہوتا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو بھول و اشتباہ کہا چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے ” وأنكرت عائشة و نسبتهما إلى النسيان والاشتباه عليهما وأنكرت أن يكون النبی صلی الله عليه و سلم قال ذلك واحتجت بقوله تعالى ﴿**ولا تزر وازرة وزر أخرى**﴾ قالت وإنما قال النبی صلی الله عليه و سلم فی يهودية إنها تعذب وهم يبكون عليها يعنی تعذب بكفرها فی حال بكاء أهلها لا بسبب البكاء “ ترجمہ:حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کا انکار کیا اور اس کو بھول اور اشتباہ کہا اور اس کا بھی انکار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔اور دلیل یہ پکڑی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیہ کے بارے میں فرمایا کہ اس کے اہل خانہ اس پر رو رہے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب رونے کے سبب نہیں بلکہ کفر کے سبب ہو رہا ہے۔

(صحيح مسلم،كتاب الجنائز،باب الميت يعذب ببكاء أهله عليه،جلد 2،صفحه 638،دار إحياء التراث العربی،بيروت)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث یہودی کے ساتھ خاص تھی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سمجھا کہ کسی بھی میت پر اہل خانہ کے رونے سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔

نواں سبب:۔ حکم کی علت میں اختلاف ہو جاتا ہے جیسے جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کے متعلق ہے ” فقال قائل لتعظيم الملائكة فيعم المؤمن والكافر وقال

قـائل لهول الموت فيعمهما وقال قائل مر علی رسول الله صلى الله عليه وسلم بـجـنازة يهودی فقام لها كراهة أن تعلو فوق رأسه فيخص الكافر "ترجمہ: جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا ملائکہ کی تعظیم کے لئے ہے جنازہ چاہے مومن کا ہو یا کافر کا، ایک گروہ نے کہا کافر یا مومن کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا موت کے خوف کے سبب ہے، ایک گروہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے یہودی کا جنازہ گزرہ تو آپ اس لئے کھڑے ہوئے کہ یہودی کا سر سے اوپر ہونے کو بُرا جانا تو یہ کھڑے ہونا کافر کے جنازہ کے ساتھ خاص ہے۔ (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ،صفحہ27--،دارالنفائس)

دسواں سبب:۔ دو مختلف روایات میں منسوخ ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہونا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر والے سال متعہ کی رخصت دی پھر اس سے منع کردیا "فـقـال ابـن عباس كانت الرخصة للضرورة والنهی لانقضاء الضرورة والـحـكـم بـاق عـلی ذلك وقال الجمهور كانت الرخصة إباحة والنهی نسخا لهـــا" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رخصت ضرورت کے تحت تھی اور ممانعت ضرورت ختم ہونے پر تھی اور متعہ کرنے کا حکم ابھی باقی ہے۔ جمہور علماء نے فرمایا کہ متعہ کی رخصت مباح کی تھی اور اس سے ممانعت متعہ کے منسوخ ہونے پر تھی۔

(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ،صفحہ27--،دارالنفائس)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں متعہ کے جواز سے رجوع کرلیا تھا اور آپ اس کے حرام ہونے کے قائل تھے۔

دوسری مثال قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے استنجاء کرنے کی ہے۔ علماء نے فرمایا یہ حکم منسوخ نہیں لہٰذا نہ قبلہ کی طرف منہ کیا جائے نہ پیٹھ "ورآه جـابر يبول قبل أن يتوفی

بعـام مستقبل القبلة فذهب إلى أنه نسخ للنهى المتقدم " ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے ایک سال قبل قبلہ کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرتے دیکھا۔اس حدیث کی وجہ سے ایک علماء کا گروہ اس طرف گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبلہ کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرنا اس کی ممانعت کو منسوخ کرتا ہے۔

جو منع کرتے ہیں انہوں نے اس حدیث کو منسوخ نہ مانا بلکہ اس کی تاویل کی ۔ بعض نے ان دونوں روایات کو جمع کیا اور فرمایا "أن الـنهى مختص بالصحراء فاذا كان فـى الـمـراحيض فلا بأس بالاستقبال و الاستدبار " ترجمہ: نہی صحراء کے ساتھ خاص ہے جب کوئی پردہ حائل ہو تو قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے میں حرج نہیں۔"

(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ،صفحہ27،۔دارالنفائس)

گیارھواں سبب:۔ ثانوی مآخذ میں اختلاف ہونا۔ائمہ مجتہدین میں اختلاف کی بنیادی وجوہات میں سے ایک وجہ ثانوی مآخذ میں اختلاف ہے ۔ استحسان،مصالح ، مرسلہ،قول صحابی استصحاب ،سد ذرائع وغیرہ میں کوئی کسی ثانوی مآخذ مانتا ہے کوئی نہیں مانتا۔کوئی قول صحابی کو حجت مانتا ہے کوئی نہیں مانتا وغیرہ۔

بارھواں سبب:۔ اصولی قواعد میں اختلاف ہونا جیسے کسی کے نزدیک عام وخاص حجت نہیں، کسی کے نزدیک حدیث مرسل حجت نہیں وغیرہ۔

تیرھواں سبب:۔ زیادہ اختلاف کا سبب لفظ کا مجمل،مشترک وغیرہ ہونا ہے چنانچہ الفقہ الاسلامی والادلۃ میں ہے "إمـا بسبب كون اللفظ مجملاً، أو مشتركاً، أو متـردداً بيـن الـعـموم والخصوص، أو بين الحقيقة والمجاز، أو بين الحقيقة

والعرف، أو بسبب إطلاق اللفظ تارة وتقييده تارة أو بسبب اختلاف الإعراب، أو الاشتراك فی الألفاظ " ترجمہ:اختلاف کا سبب لفظ کا مجمل،مشترک،عموم وخصوص میں متردد ہونا،حقیقت اور مجاز کے مابین ہونا،حقیقت اور عرف کے مابین ہونا،کبھی لفظ کا مطلق اور کبھی مقید ہونا،لفظ کے اعراب میں اختلاف ہونا اور الفاظ میں اشتراک ہونا ہے۔ (الفقہ الاسلامی والادلۃ،جلد1،صفحہ66،دار الفکر،دمشق)

چودہواں سبب:۔ حدیث کے مجمل ہونے کی وجہ سے اختلاف ہونا جیسے دو نمازوں کو اکٹھا کرنے اور امام کے پیچھے قرأت کا مسئلہ ہے۔قرآن پاک اور کثیر صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ ہر نماز کو اپنے وقت میں پڑھا جائے۔اب ایک حدیث پاک ہے"عن ابن عباس قال جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بین الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر"ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر وعصر،مغرب وعشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرمالیتے تھے۔

(سنن ابو دائود، کتاب الصلوٰۃ ، باب الجمع بین الصلاتین،جلد1،صفحہ387،دار الفکر ،بیروت)

اس حدیث کو لے کر غیر مقلد ظہر کے وقت عصر بھی پڑھ لیتے ہیں اور مغرب کے وقت عشاء پڑھ لیتے ہیں۔جبکہ یہ حدیث مجمل ہیں اور مجمل حدیث پر بغیر تفصیل کے عمل درست نہیں ہوتا۔اس حدیث میں دو نمازوں کو اکٹھا کرنے کا ثبوت تو ہے مگر یہ تفصیل نہیں کہ کیسے جمع فرمائیں آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھا یا ظہر کو عصر کے وقت میں۔درحقیقت یہ جمع کرنا حقیقۃ نہ تھا بلکہ صورۃ تھا یعنی ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی بلکہ ظہر کے آخر وقت میں ظہر پڑھی اور عصر کے اول وقت میں عصر پڑھی ،یہی عمل درست اور صحیح حدیثوں کے

خلاف نہیں اوراسی عمل کی تائید دوسری احادیث سے ہوتی ہے چنانچہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ معجم الاوسط میں حدیث پاک نقل کرتے ہیں"عن أبی سعید قال جمع رسول الله صلى الله عليه و سلم بين الظهر والعصر و بين المغرب والعشاء وأخر المغرب وعجل العشاء فصلاهما جميعا " حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر وعصر کو جمع فرمایا اور مغرب وعشاء کو جمع فرمایا، مغرب میں تاخیر کرتے اور عشاء میں جلدی کر کے نماز پڑھتے۔

(المعجم الاوسط ،باب من اسمه محمود ،جلد8،صفحه 71،دار الحرمين،القاہرة)

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے" عن أنس بن مالك رضى الله عنه قال كان النبى صلى الله عليه و سلم إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس أخر الظهر إلى وقت العصر ثم يجمع بينهما " ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کرتے تھے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔

(صحيح بخاری ،باب يؤخر الظهر إلى العصر إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس،جلد1،صفحه374،دار ابن كثير ، اليمامة،بيروت)

ایک حدیث پاک جس میں ہے کہ جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی۔ اس حدیث کا مطلب ہے کہ امام ومنفرد کے لئے فاتحہ ضروری ہے نہ کہ مقتدی کے لئے چنانچہ امام ترمذی اپنی جامع میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راویت کرتے ہیں"من صلى ركعة لم يقرء فيها بام القرآن فلم يصل الا ان يكون وراء الامام" ترجمہ: جوکوئی رکعت بے سورہ فاتحہ کے پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب امام کے پیچھے ہو۔

(جامع الترمذی، کتاب الصلوٰۃ،باب ماجاء فی ترک القرأۃ خلف الامام اذا جھر بالقرأۃ ،جلد1،صفحہ170،مکتبہ رحمانیہ ،لاہور)

پندرہواں سبب:۔ بعض اوقات اختلاف رائے کی وجہ سائنسی تحقیق بھی ہوتی ہے۔بعض اوقات کوئی چیز ایجاد ہوتی ہےاوراس کی حقیقت میں سائنسدان بھی متفق نہیں ہو تے بلکہ بعض کے نزدیک اس کی ماہیت کچھ ہوتی اور بعض کے نزدیک کچھ،جس کی وجہ سے مسئلہ کی بنیادی حیثیت واضح نہیں ہو پاتی جیسے اسپیکر میں نماز کا مسئلہ ہے،اس میں ایک گروہ کا مؤقف ہے اسپیکر میں آواز بدل جاتی ہے،ان کا کہنا ہے اسپیکر کی آواز بولنے والے کی آواز نہیں بلکہ بولنے والے کی آواز ساؤنڈ سسٹم میں جا کر ختم ہوجاتی ہے اور ساؤنڈ سسٹم ہارن میں ایک جدید آواز پیدا کرتا ہے جو بولنے والے کی آواز نہیں ہوتی ہے۔دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ آواز بولنے والے کی ہوتی ہے اسپیکر صرف اسے بلند کر دیتا ہے۔جن علماء نے آواز بدلنے کی سائنسی تحقیق کو لیا انہوں نے کہا اسپیکر میں نماز جائز نہیں اور دوسرے گروہ نے کہا نماز جائز ہے۔

ایک رائے یہ بھی بن سکتی ہے کہ عموم بلویٰ کے تحت اسپیکر پر نماز جائز ہے۔

سولہواں سبب:۔ بعض اوقات مسائل کے استنباط میں اختلاف ہوجاتا ہے جیسے مووی کو علماء کے ایک گروہ نے تصویر پر قیاس کر کے ناجائز کہا اور دوسرے گروہ نے آئینے پر قیاس کر کے جائز کہا۔اسی طرح نئے مسئلہ کو کسی دوسرے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اختلاف ہوجاتا ہے۔

ستارہواں سبب:۔ اسبابِ ستہ کا استعمال۔موجودہ دور میں اکثر اختلاف کی وجہ اسبابِ ستہ کا استعمال ہوتی ہے کوئی اسبابِ ستہ کے تحت کتب میں مذکور مسئلہ کے خلاف

فتوی دیتا ہے اور دوسرا اس کے موافق جس کی وجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے۔

اٹھارہواں سبب:۔ کم علمی بھی اختلاف کا سبب ہو جاتی ہے۔مطالعہ کم ہونا، فتوی دینے میں تجربہ نہ ہونا، کسی مسئلہ کا جواب سرسری نظر سے دینا وغیرہ۔

انیسواں سبب:۔ ہٹ دھرمی موجودہ دور میں اختلاف کی سب سے بڑی وجہ ہے۔گمراہ و بےعمل لوگوں کا اپنے دیئے ہوئے غلط فتوی سے رجوع اس لئے نہ کرنا کہ اس کی اور اس کے گروہ کی شان نہ کم ہو جائے۔پھر اس باطل پر ڈٹے رہنا اس پر الٹی سیدھی دلیلیں دینا شدید اختلاف کا سبب ہے۔جیسے وہابیوں کا بدعت وشرک کی تعریفات ومفہوم کو جاننے کے باوجود بات بات پر مسلمانوں کو بدعتی ومشرک کہنا، ایک مجلس میں تین طلاقیں ہو جانے پر اجماع صحابہ، فقہاء ومجتہدین کے باوجود ایک ضعیف ومؤول حدیث پر عمل کرنا وغیرہ۔

فصل چہارم: اختلافِ رائے میں ترجیح کے اصول

جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو عمل کس پر کیا جائے گا؟ اس کے بھی اصول ہیں، یہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جس پر چاہیں عمل کر لیں۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقود رسم المفتی میں فرماتے ہیں "ان الاجماع علی منع اطلاق التخییر ای بان یختار ویتشھی مھما اراد من الاقوال فی ای وقت اراد" ترجمہ: **مطلق اختیار یعنی جس وقت چاہے جس قول کو چاہے اختیار کرے اس کی ممانعت پر اجماع ہو چکا ہے۔**

(شرح عقود رسم المفتی، صفحہ 49، سہیل اکیڈمی، لاہور)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں "ان المجتھد والمقلد لا یحل لھما الحکم والافتاء بغیر الراجح لانہ اتباع للھوی وھو حرام اجماعا" پھر آگے

ھے" وقال الامام ابو عمرو فی آداب المفتی اعلم ان من یکتفی بان یکون فتواہ او عملہ موافقا لقول او وجہ فی المسئلة ویعمل بما شاء من الاقوال والوجوہ من غیر نظر فی الترجیح فقد جھل وخرق الاجماع" ترجمہ: مجتہداور مقلد میں سے کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ غیرراجح قول پرفتوی دیں یا فیصلہ کریں اس لئے کہ یہ خواہش کی پیروی ہے اور یہ حرام ہے۔امام ابوعمرو آداب المفتی میں فرماتے ہیں کہ جوشخص ترجیح میں غور کئے بغیر محض اتنی بات پر اکتفاء کرتا ہے کہ اس کا فتوی یا عمل کسی بھی قول یا کسی بھی وجہ کے مطابق ہو جائے اور وہ مختلف اقوال اور وجوہ میں سے جس پر چاہے عمل کرتا ہے تو وہ جاہل ہے اور اس نے اجماع کو پھاڑ دیا۔

(شرح عقود رسم المفتی، صفحہ 11،10،سہیل اکیڈمی ،لاہور)

اگر مجتہدین احناف میں اختلاف رائے ہوتو ترجیح امام اعظم کے قول کو دی جائے گی۔فتاوی ہندیہ میں ہے"لابد من معرفة فصلین احدھما انه اذا اتفق اصحابنا فی شیء ابو حنیفة وابویوسف ومحمد رضی اللہ تعالی عنھم لا ینبغی للقاضی ان یخالفھم برأیه والثانی ا ذا اختلفوا فیما بینھم قال عبداللہ بن المبارك رحمه اللہ تعالی یؤخذ بقول ابی حنیفه رضی اللہ تعالی عنه لانه کان من التابعین و زاحمھم فی الفتوی" ترجمہ:ان دوضابطوں کی معرفت ضروری ہے۔اول یہ ہے کہ جب ہمارے اصحاب ابوحنیفہ،امام ابویوسف اور امام محمد کسی بات پر متفق ہوں تو قاضی کو یہ نہیں چاہیئے کہ اپنی رائے سے ان کی مخالفت کرے۔دوم یہ کہ جب ان حضرات میں باہم اختلاف ہوتو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا قول لیا جائے گا،اس لئے کہ وہ تابعین میں سے تھے اور تابعین کے مقابلہ میں فتوی دیا کرتے

تھے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب ادب القاضی ،الباب الثالث ،جلد3،صفحہ 312،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اگر امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالف ہوں تو بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو ترجیح ہوگی ۔البتہ اگر اصحاب ترجیح قول صاحبین پر کسی ضعف دلیل، یا ضرورت، یا تعامل، یا اختلاف زمان کے سبب فتوی دیں تو اس پر عمل ہوگا۔فتاوی شامی میں ہے"وما فی جامع الفصولین من انه لو معه احد صاحبيه اخذ بقوله وان خالفاه قيل كذلك وقيل يخير الا فيما كان الاختلاف بحسب تغير الزمان كالحكم بظاهر العدالة وفيما اجمع المتأخرون عليه كالمزارعة والمعاملة فيختارقولهما " ترجمہ:جو جامع الفصولین میں ہے کہ اگر صاحبین میں سے کوئی ایک امام کے ساتھ ہوں تو قول امام لیا جائے گا اور اگر صاحبین مخالف امام ہوں تو بھی ایک قول یہی ہے (کہ امام کے قول کو لیا جائے)۔دوسرا قول یہ ہے کہ تخییر ہوگی مگر اس مسئلہ کے اندر جس میں تبدیلی زمانہ کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ہو جیسے ظاہر عدالت پر فیصلہ کرنے کا مسئلہ اور مزارعت و معاملت جیسے وہ مسائل جن میں متاخرین کا اجماع ہو چکا ہے کہ ان سب میں قول صاحبین اختیار کیا جائے گا۔

(رد المحتار، کتاب القضاء ،مطلب يفتى بقول الامام على الاطلاق،جلد8،صفحہ39،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

کسی مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین میں اختلاف ہو اور ترجیح بھی ثابت نہ ہو تو مجتہد اسے اختیار کرے گا جس کی دلیل اس کے نزدیک راجح ہو جبکہ غیر مجتہد مفتی امام صاحب کے قول پر فتوی دے گا چنانچہ النہر الفائق شرح کنز الدقائق میں ہے"اذا كان ابو حنيفة فی جانب وصاحباه فی جانب فالمفتی بالخيار والاول اصح اذالم يكن

المفتی مجتهدا“ ترجمہ: جب امام ابوحنیفہ ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو اختیار ہے اور قول اول اصح ہے جب کہ مفتی صاحب اجتہاد نہ ہو۔

(النهرالفائق شرح کنز الدقائق ، کتاب القضاء، جلد3، صفحه559، قدیمی کتب خانه، کراچی)

اگر کسی مسئلے میں امام مجتہد سے دو قول مروی ہوں تو اس میں کس کو ترجیح دی جائے گی؟ اس پر کلام کرتے ہوئے استادِ محترم مفتی محمد قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: اگر کسی مسئلے میں امام مجتہد سے دو قول مروی ہوں تو سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کہیں مجتہد نے ایک قول سے رجوع تو نہیں کر لیا تھا۔ اگر رجوع ثابت ہو جائے تو جس قول کی مجتہد نے اختیار کیا اسی کو لیا جائے گا اور اگر کوئی ایسی دلیل نہ ملے تو بعد میں آنے والا مجتہد اپنا اجتہاد کرے گا اور دونوں اقوال میں سے جس قول کو اپنے نزدیک دلائل کی روشنی میں قوی سمجھے گا اس پر عمل کرے گا اور اگر کوئی صورت دلائل کی روشنی میں راجح نہ ہو سکے تو غور و فکر کرے اور جس طرف دل مائل ہو اس پر عمل کر لے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ یہ حکم عوام یا آج کل کے علماء کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ مجتہدین کے لئے جبکہ آج کل کی عوام کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اس مفتی کے فتوے پر عمل کریں جو علم اور تقوی میں دوسروں سے بڑھ کر ہو اور جو فقہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہے وہ متاخرین علماء کی پیروی کرے اور جو اس کے نزدیک زیادہ درست اور زیادہ محتاط صورت ہو اس پر عمل کرے۔“

(آداب فتویٰ، صفحه146، مکتبه اہلسنت ،فیصل آباد)

اگر کسی مسئلہ میں دو حنفی مفتی غیر مجتہد مختلف فتوی دیں تو اس پر عمل ہوگا جو زیادہ علم والا ہے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے” وإن اختلفوا ، فللفقهاء في ذلك طريقان :فذهب جمهور الفقهاء الحنفية ، والمالكية ، وبعض الحنابلة ، وابن سريج والسمعاني والغزالي من الشافعية إلى أن العامي ليس مخيرا بين أقوالهم يأخذ

بما شاء ويترك ما شاء ، بل عليه العمل بنوع من الترجيح ، ثم ذهب الأكثرون منهم إلى أن الترجيح يكون باعتقاد المستفتي في الذين أفتوه أيهم أعلم ، فيأخذ بقوله ، ويترك قول من عداه" ترجمہ:اگر کسی مسئلہ میں مفتیانِ کرام میں اختلاف ہوتو ترجیح کے دوطریقے ہیں:۔جمہور فقہاءحنفیہ، مالکیہ اور بعض حنابلہ اور ابن سریج وسمعانی اور شافعیہ میں سے امام غزالی رحمہم اللہ اس طرف گئے ہیں کہ عام آدمی کو اجازت نہیں کہ جس کا قول چاہے لے اور جس کا چاہے ترک کر دے بلکہ اس کے لئے حکم ہے کہ ایک کو ترجیح دے۔پھر اکثر فقہاء اس طرف گئے کہ ترجیح مسئلہ پوچھنے والے کے اعتقاد کے ساتھ ہے وہ جسے زیادہ علم والا سمجھے اس کے قول پر عمل کرے اور دوسرے کے قول کو چھوڑ دے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد32،صفحه48، دار الصفوة ،مصر)

اگر دونوں مفتی برابر ہیں تو تیسرے سے پوچھا جائے چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آداب الفتوی والمفتی والمستفتی میں فرمایا"وإن لم يترجح عنده أحدهما استفتى آخر وعمل بفتوى من وافقه" ترجمہ:اگر دونوں میں کسی ایک کی ترجیح نہ ہوسکے تو تیسرے مفتی سے پوچھا جائے اور تیسرا مفتی جس کے موافق فتوی دے اس پر عمل کیا جائے۔

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس بارے میں فرماتے ہیں:اور(علماء)مختلف ہیں تو جسے ان میں افقہ واورع سمجھے اس کا اتباع کرے" كما قدمناه عن المحيط و الهنديه" (جیسا کہ ہم نے پہلے محیط اور ہندیہ سے بیان کیا ہے)۔سراجیہ پھر تنویر ودر میں ہے"اذا اختلف مفتيان في جواب حادثة اخذ بقول افقههما بعد ان يكون اورعهما" ترجمہ:جب کسی حادثہ میں دومفتیوں کا اختلاف ہوتو ان میں افقہ پرہیز گار کے

قول کو اختیار کرے۔اور اگر تفقہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرت رائے کی طرف میل کرے "فان مظنة الاصابة فیها اکثر عند من لایعلم و هو اعذر له عند ربه عزوجل "ترجمہ: کیونکہ اکثریت کی رائے میں درستگی کا احتمال زیادہ ہے یہ چیز نہ جاننے والے کے لئے عنداللہ بڑا اعذر ہے۔اور اگر کثرت بھی کسی طرف نہ ہو مثلاً چار متفقہ ہیں دو ایک طرف دو ایک طرف، تو جس طرف دل گواہی دے کہ یہ احسن یا احوط فی الدین ہے اس طرف میل اولیٰ ہے ورنہ مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے۔معین الحکام میں ہے"ذکر الحسن بن زیاد فی ادب القاضی له الجاهل بالعلم اذا استفتی فقیها فافتاه بقول احد اخذ بقوله ولایسعه ان یتعدی الی غیره، وان کان فی المصر فقیهان کلاهما رضا یأخذ عنهما، فان اختلفا علیه فلینظر ایهما یقع فی قلبه انه اصوبهما وسعه ان یاخذبه، فان کانوا ثلثة فقهاء واتفق اثنان اخذ بقولهما ولایسعه ان یتعد الی قو ل الثالث " ترجمہ:حسن بن زیاد نے اپنی کتاب ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ کوئی جاہل جب کسی فقیہ سے سوال کرے اور وہ اسے کسی ایک قول پر فتوی دے تو وہ اس فتوی کو اپنائے اور غیر کی طرف جانے کی اس کو اجازت نہیں۔اگر شہر میں دو مساوی فقیہ ہوں تو دونوں سے چاہے رجوع کرے، اگر دونوں میں اختلاف ہو تو اسے چاہئے کہ غور کرے جس کی بات دل میں درست سمجھے اس کو اپنائے تو یہ جائز ہے، اور اگر شہر میں تین فقیہ ہوں اور دو کی رائے متفق ہو تو ان کی بات کو اپنائے اور تیسرے کی طرف رجوع کی گنجائش اسے نہ ہوگی۔" (فتاوی رضویه، جلد18،صفحه 496 ،رضافائونڈیشن،لاہور)

ممکن ہو تو اختلاف میں ایسی صورت نکالنی چاہئے کہ دونوں اقوال پر عمل ہو جائے چنانچہ الفقیہ والمتفقہ میں ہے" وإذا اختلف جواب المفتین علی وجهین فینبغی

للمستفتي أن يجمع بين الوجهين إذا أمكنه ذلك للاحتياط والخروج من الخلاف مثاله أن يفتيه بعض الفقهاء أن الفرض عليه فى الطهارة مسح جميع رأسه ويفتيه بعضهم انه يجزئه مسح بعض الرأس وإن قل فإذا مسح جميعه كان مؤدياً فرضه على القولين جميعاً" ترجمہ:اگر دو مفتیوں کے جواب میں اختلاف ہوتو پوچھنے والے کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ دونوں طریقوں کو جمع کرلے اگر ممکن ہو، یہ احتیاط اور خلاف سے بچنا ہے۔مثلاً بعض نے فتوی دیا کہ وضو میں پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے اور بعض نے کہا کہ بعض سر کا مسح کرنا فرض ہے اگرچہ تھوڑا سا ہو۔تو اگر پورے سر کا مسح کرلیا جائے تو دونوں فرض اقوال پر عمل ہوجائے گا۔

(الفقيه و المتفقه،جلد2،صفحه428،دار ابن الجوزی،سعوديه)

اگر دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہوتو کہا گیا کہ جس نے حرام کا فتوی دیا اس پر عمل کیا جائے ،اگرچہ ایسا ہر مسئلہ میں نہیں ہوتا۔خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"وأما إذا لم يمكنه الجمع بين وجهى الخلاف لتنافيهما مثل أن يكون أحدهما يحل ويبيح والآخر يحرم ويحظر ، فقد قيل يلزمه أن يأخذ بأغلظ القولين وأشده لأن الحق ثقيل عن أبى عمرو ، قال قال عبد الله ألحق ثقيل قوى ، والباطل خفيف" ترجمہ:جب دونوں طریقوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہوکہ ایک حلال ومباح کہتا ہے اور دوسرا حرام وممانعت کہتا ہے،تو کہا گیا لازم ہے کہ جو زیادہ سخت وشدت والا قول ہو اسے لیا جائے کہ حق ثقیل ہوتا ہے۔حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حق ثقیل وقوی ہے اور باطل ہلکا ہوتا ہے۔

(الفقيه و المتفقه،جلد2،صفحه428،دار ابن الجوزی،سعوديه)

یہ تمام اصول اس وقت مرتب ہوں گے جب فتوی قرآن وحدیث و ظاہر

الروایۃ (وہ مسائل جوامام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ سے مروی ہیں) کے خلاف نہ ہو۔اگر کوئی قرآن وحدیث کے خلاف یا ظاہرالروایۃ یامفتی بہ قول کے خلاف فتوی دے تو اس پر عمل نہ ہوگا۔موجودہ دور میں یہ وَبا بہت عام ہے کہ کوئی شخصیت اپنے آپ کو محقق وروشن خیال ثابت کرنے کے لئے کوئی سی بھی ٹوٹی پھوٹی دلیل لے کر اسلاف کے جید علمائے کرام سے اختلاف کرتا ہے اور دلیل کے طور پر یہی کہتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اختلاف کیا، صاحبین رحمہما اللہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا اور ائمہ نے فرمایا ہمارے قول کے خلاف اگر کوئی دلیل ملے تو اس پر عمل کرو ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ائمہ کرام وجید فقہاء سے اختلاف کرنا اس وقت معتبر ہوتا ہے جب کوئی صحیح دلیل بھی ہو۔آدابِ فتویٰ میں ہے:''ہر شخص کو یہ اختیار ہرگز نہیں کہ وہ کسی بھی حدیث کو لے کر ائمہ دین کے اقوال کو رَد کرتا پھرے۔فی زمانہ گمراہی کی بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ نہ قرآن کے بارے میں مکمل معلومات، نہ حدیث پر گہری نظر، نہ مصالح شرعیہ کے علم پر عبور، نہ علوم دینیہ کے ماہرین کی آراء کا علم اور اس کے باوجود صرف اردو میں ترجمہ قرآن اور احادیث کی ایک آدھ اردو شرح دیکھ کر اپنے آپ کو مجتہد کے مرتبے پر فائز سمجھتے ہیں اور پھر کبھی امام ابوحنیفہ کی غلطیاں نکالتے ہیں تو کبھی امام شافعی کی اور کبھی پوری امت کو چیلنج کر کے عام مسلمانوں کے راستے سے جدا راستہ اختیار کرتے ہیں۔''

(آدابِ فتوی، صفحہ150، مکتبہ اہل سنت، فیصل آباد)

طلاق کے مسائل میں ایسا بہت دیکھنے کو ملتا ہے کہ سائل کو پتہ ہوتا ہے کہ جس مفتی نے مجھے طلاق نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے وہ باطل ہے جیسے وہابیوں کا فتویٰ تین طلاقوں کے ایک ہونے پر، غصے میں طلاق نہ ہونے کا باطل فتویٰ وغیرہ۔ایسے موقع پر سائل دل کو تسلی

دیتا ہے کہ یہ فتویٰ بھی تو کسی مفتی نہیں دیا ہے، ہم اس فتویٰ پر عمل کررہے ہیں، ہم پر کوئی وبال نہیں۔ جبکہ یہ تسلی بالکل غلط ہے۔ جب احادیث واقوالِ فقہاء اس فتویٰ کے خلاف ہیں تو سائل کو چاہئے کہ ایسے موقع پر ذاتی مفاد کو چھوڑتے ہوئے، حق کو تسلیم کرے۔

کوئی بھی ایسی نام نہاد تحقیق کرے جو احادیث وکتب فقہ کے خلاف ہو، وہ دو حال سے خالی نہ ہوگی یا تو تحقیق کرنے والا مجتہد ہوگا (جو کہ موجودہ دور میں کوئی نہیں) یا لوگوں میں خود کو محقق ظاہر کرنے والا، رعایتیں دینے والا ہوگا۔ الخلاصۃ فی أحکام الفتوی میں ہے "إذا خالف المجتهد، أو العالم، من هو أعلم منه، أو انفرد بفتوى خالف فيها أكثر العلماء فلا يخلو حال تلك الفتوى من أحد أمرين:

الأول :أن يكون ذلك القول أو تلك الفتوى مخالفة لما هو مقطوع به في الشريعة، أو يكون المفتي ماجناً أو مشهوراً بالتساهل والتوسع في الرخص، أو يقول بالقول لهوى في النفس ليرضي غيره، أو ليحمد من الناس وينال الغلبة على أقرانه عند الحكام ونحو ذلك؛ فهذا ينبغي الإنكار عليه ومنعه، وقد نص فقهاء الأحناف على الحجر على المفتي الماجن لأنه يفسد دين الناس ، ومن عرف بذلك لم يجز أن يستفتي، إلا أن ذلك لا ينبغي أن يكون إلا بعد أن يبين له الخطأ ووجهه بالأدلة الشرعية التي يجب قبولها۔

الثاني :أن يكون ما قاله ذلك العالم أو قضى به القاضي وفق النصوص الشرعية، فلا يجوز منعه" ترجمہ: جب کوئی مجتہد یا عالم اپنے سے زیادہ علم والے مجتہد یا عالم کی مخالفت کرے یا اکثر علمائے کرام کے خلاف فتوی دے تو اس کا یہ عمل دو حال سے خالی نہ ہوگا:۔اول:اس کا یہ قول یا فتوی قطعی دلیل کے مخالف ہوگا یا وہ مفتی

ماجن (غلط فتوے دینا والا) ہوگا، یا وہ فتوی میں تساہل اور رعایتیں برتنے میں مشہور ہوگا، یا وہ اس نفس کے اتباع میں فتوی دینے والا ہوگا، یا وہ لوگوں کی تعریفیں پانا چاہتا ہوگا، یا حکام سے کوئی عہدہ کے حصول کے لئے کوشاں ہوگا۔اسی طرح اور بری نیتیں ہونگی۔اس کا انکار اور منع ضروری ہے اور فقہائے احناف نے مفتی ماجن کے متعلق نص فرمائی کے اسے مجبور کیا (فتوے دینے سے روکا) جائے، اس لئے کہ یہ لوگوں کا دین خراب کرتا ہے۔ جو ایسے کو جانتا ہو اس کے لئے جائز نہیں وہ اس سے مسئلہ پوچھے، سوائے یہ کہ کوئی دوسرا اس کی خطا کو بیان کردے اس لئے کہ شرعی احکام کا قبول کرنا واجب ہے۔

ثانی: اختلاف کرنے والا کوئی عالم یا قاضی ہو اور اس کا یہ کہنا موافق شرع ہو تو اس کا منع جائز نہیں۔ (الخلاصة فی أحكام الفتوی ،صفحہ110، دار المعمور، مالیزیا)

۞۔۔۔باب سوم: اجتھاد و تقلید۔۔۔۞

فقہ میں اجتہاد وتقلید لازم وملزوم ہیں۔ایک مسلمان یا تو مجتہد ہوگا یا مقلد تیسری راہ کوئی نہیں۔اس باب میں اجتہاد کی تعریف وشرائط کا بیان کیا گیا ہے جوان شرائط پر پورا اترتا ہے اس کے لئے تقلید جائز نہیں اور جو مجتہد نہیں اس پر تقلید سے آزادی جائز نہیں،اس بات کو دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے۔

فصل اول: اجتہاد

اجتہاد کی تعریف ومفہوم

اجتہاد جُہد سے ہے جس کا مطلب کوشش ہے اور فقہی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے مسائل کے استنباط میں پوری کوشش کرنا۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے"الاجتهاد وهو بذل الجهد فی استنباط الحكم الشرعی من الأدلة المعتبرة " ترجمہ:اجتہاد اپنی پوری طاقت سے ادلہ معتبرہ سے حکم شرعی کا استنباط کرنا۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد1،صفحہ18،دارالسلاسل ،الكويت)

الجامع لمسائل اصول الفقہ میں ہے" الاجتهاد فيما لا نص فيه ولا إجماع ، وهذا يكون فی حادثة لم يرد حكمها فی نص ولا فی إجماع ، فيبذل المجتهد ما فی وسعه فی تحصيل حكم لتلك الحادثة ، وذلك باستعمال أدلة أرشده إليها الشارع كالقياس ، والاستصحاب ، وقول الصحابی ، والاستحسان ، وشرع من قبلنا ، والمصلحة المرسلة ، والعرف ، وسد الذرائع وغيرها" ترجمہ:اجتہاد اس درپیش مسئلہ میں ہوتا ہے جس پر نص وارد نہ ہو اور نہ اجماع ہو۔تو اس مسئلہ کے حکم کے متعلق پوری وسعت سے کوشش کی جاتی ہے اور اس کوشش میں ان ادلہ کا

استعمال کیا جائے گا جن کی شارع نے رہنمائی فرمائی جیسے قیاس، استصحاب،قولِ صحابی، استحسان،شرائع ماقبل،مصالحہ مرسلہ،عرف،سدالذرائع وغیرہ۔

(الجامع لمسائل اصول الفقه ، صفحه294،مكتبة الرّشد،رياض)

اجتہاد کی حجیت

اجتہاد قرآن وحدیث،صحابہ واسلاف رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔اللہ عزوجل قرآن پاک میں ارشادفرماتا ہے﴿ **وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلَى أُوْلِى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ** ﴾ ترجمہ کنزالایمان:اوراگراس میں رسول اوراپنے ذی اختیارلوگوں کی طرف رجوع لاتے توضروراُن سےاُس کی حقیقت جان لیتے یہ جوبعدمیں کاوش کرتے ہیں۔ (سورة النساء، سورت 4،آیت 83)

اس آیت کی تفسیر میں امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الآية دالة على أمور:أحدها:أن فى أحكام الحوادث ما لا يعرف بالنص بل بالاستنباط وثانيها:أن الاستنباط حجةوثالثها:أن العامى يجب عليه تقليد العلماء فى أحكام الحوادث "ترجمہ:یہ آیت درج ذیل امور پردلیل ہے:(1)وہ درپیش مسائل جوقرآن وحدیث سے نہ جانے جاتے ہوں بلکہ استنباط کئے گئے ہوں۔(2)استنباط حجت ہے۔(3)غیر عالم کودرپیش مسائل میں علماء کی تقلید واجب ہے۔

(تفسير كبير،جلد4،صفحه153،مكتبه علومه اسلاميه،لاہور)

کشف الأسرار میں ہے"عن أبى يوسف رحمه الله أنه تمسك فيه بقوله تعالى ﴿**إنا أنزلنا إليک الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما أراک الله**﴾ فإنه بعمومه يتناول الحكم بالنص وبالاستنباط منه"ترجمہ:حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ اجتہاد کی حجیت اس آیت سے ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا اے محبوب! بیشک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔اس آیت میں عموم ہے جس میں نص اور استنباط شامل ہیں۔
(كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي، جلد3، صفحه 307، دار الكتب العلمية، بيروت)

جس مسئلہ کے بارے میں وحی نہ آتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متعلق اجتہاد فرماتے تھے۔المستصفیٰ میں ہے"أنى أقضى بينكم بالرأى فيما لم ينزل فيه وحى ودل عليه قوله تعالى ﴿لتحكم بين الناس بما أراك الله﴾"ترجمہ: بے شک میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اپنے اجتہاد سے اس مسئلہ میں جس کے متعلق وحی نہ آئے اور اس پر اللہ عزوجل کا یہ فرمان دلیل ہے''تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔'' (المستصفى فى علم الأصول، جلد1، صفحه293، دارالكتب العلميه، بيروت)

کشف الاسرار میں ہے"قال أكثر أصحابنا بأنه عليه السلام كان متعبدا بانتظار الوحى فى حادثة ليس فيها وحى فإن لم ينزل الوحى بعد الانتظار كان ذلك دلالة للإذن بالاجتهاد ثم قيل مدة الانتظار مقدرة بثلاثة أيام وقيل بخوف فوت الغرض وذلك يختلف بحسب الحوادث كانتظار الولى الأقرب فى النكاح مقدر بفوت الخاطب الكفء وكلهم اتفقوا أن العمل يجوز له بالرأى فى الحروب وأمور الدنيا" ترجمہ: ہمارے اکثر اصحاب نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درپیش مسئلہ میں وحی کا انتظار کرتے تھے۔اگر وحی نہ آتی تو یہ اجتہاد کی اجازت کی دلیل ہوتی۔پھر کہا گیا کہ وحی کے انتظار کی مدت تین دن ہوتی، یہ بھی کہا گیا کہ غرض فوت ہونے تک انتظار کیا جاتا ہے۔مگر یہ انتظار مسئلہ کی نوعیت کے مطابق مختلف ہوتا جیسے ولی اقرب کا انتظار نکاح میں کفو فوت ہونے تک ہوتا ہے۔تمام اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ

جنگ اور امور دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغیر انتظار وحی اجتہاد کرنا جائز تھا۔

(کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی،جلد3،صفحہ 305،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

جس مسئلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتہاد کرتے اور اس کی نفی وحی سے نہ کی جاتی تو یہ اس کے قطعی ہونے کی دلیل ہوتی۔کشف الاسرار میں ہے"فإذا أقره الله علی اجتهاده دل أنه كان هو الصواب فيوجب علم اليقين كالنص فيكون مخالفته حراما و كفرا" ترجمہ:اللہ عزوجل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کو قائم رکھنا اس بات کی دلیل ہوتی کے یہ درست ہے۔اب یہ اجتہاد علم الیقین کو واجب کرتا ہے جیسے نص ہے اور اس اجتہاد کی مخالفت حرام وکفر ہے۔

(کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی،جلد3،صفحہ 310،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کی کئی امثال احادیث میں مذکور ہیں،ایک مثال مسلم شریف پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وفی بضع أحدكم صدقة قالوا يا رسول الله أيأتی أحدنا شهوته ويكون له فيها أجر قال أرأيتم لو وضعها فی حرام أكان عليه فيها وزر فكذلك إذا وضعها فی الحلال كان له أجر" ترجمہ:اور ہر ایک کی حلال صحبت (یعنی اپنی بیوی سے صحبت) میں صدقہ ہے۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے تو اس میں اسے ثواب ملتا ہے؟ فرمایا بتاؤ تو اگر یہ شہوت حرام میں خرچ کرتا تو اس پر گناہ ہوتا؟ تو یوں ہی جب اسے حلال میں خرچ کرے گا تو اسے ثواب ملے گا۔

(صحیح مسلم،کتاب الزکوٰۃ،باب بیان ان اسم الصدقۃ۔۔ جلد3،صفحہ82،دار الجیل،بیروت)

کشف الاسرار میں اس حدیث کے متعلق ہے "وهذا بيان الرأی والاجتهاد"ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا اپنی رائے واجتہاد سے تھا۔

(کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی، جلد3، صفحہ 308، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات میں بھی صحابہ کرام علیہم کا اجتہاد کرنا کثیر احادیث سے ثابت ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برقرار رکھا اور یہ برقرار رکھنا حجت ہے۔ مسند احمد، سنن الدار قطنی، المستدرک علی الصحیحین للحاکم اور سنن داؤد شریف میں ہے" عن عمرو بن العاص قال احتلمت فی لیلة باردة فی غزوة ذات السلاسل فأشفقت إن اغتسلت أن أهلك فتیممت ثم صلیت بأصحابی الصبح فذکروا ذلك للنبی صلى الله علیه وسلم فقال یا عمرو صلیت بأصحابك وأنت جنب فأخبرته بالذی منعنی من الاغتسال وقلت إنی سمعت الله یقول ﴿**ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحیما**﴾ فضحك رسول الله صلى الله علیه وسلم ولم یقل شیئا" ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں غزوہ ذات السلاسل کی ایک سرد رات میں مجھے احتلام ہوا، میں نے خوف کیا کہ اگر غسل کروں گا ہلاک ہو جاؤں گا، تو میں نے تیمّم کیا اور اپنے ساتھی کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لی۔ اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جنابت کی حالت میں اپنے ساتھی کے ساتھ نماز پڑھی؟ میں نے اس بات کو عرض کیا جس نے مجھے غسل سے روکا تھا اور میں نے عرض کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے "اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہ فرمایا۔

(سنن ابو دائود، کتاب الطہارت، باب إذا خاف الجنب --جلد1، صفحہ 145، دار الفکر، بیروت)

ابو داؤد شریف کی حدیث پاک ہے "عن أبی سعید الخدری قال خرج رجلان فی سفر فحضرت الصلاة ولیس معهما ماء فتیمما صعیدا طیبا فصلیا

ثم وجدا الماء فی الوقت فأعاد أحدهما الصلاة والوضوء ولم يعد الآخر ثم أتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرا ذلك له فقال للذی لم يعد أصبت السنة وأجزأتك صلاتك وقال للذی توضأ وأعاد لك الأجر مرتين" ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دو صحابی سفر میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت ہو گیا اوران کے پاس پانی نہ تھا۔ انہوں نے پاک مٹی سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی، پھر وقت میں پانی مل گیا، ایک نے وضو کر کے نماز کو دوبارہ پڑھ لیا اور دوسرے نے نہ پڑھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا جس نے دوبارہ نماز نہ پڑھی اس نے سنت پر عمل کیا اور تمہارے لئے پہلی پڑھی گئی نماز کافی ہے اور فرمایا جس نے وضو کر کے اعادہ کیا اس کو دُگنا اجر ہے۔

(سنن ابو دائود، کتاب الطہارت، فی التیمم، جلد1، صفحہ146، دارالفکر، بیروت)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر وصال کے بعد بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کثیر معاملات میں اجتہاد کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مسئلہ پیش ہوا کہ ایک آدمی نے عورت سے نکاح کیا اور مہر مقرر نہ کیا اور نہ صحبت کی یہاں تک کے فوت ہو گیا۔ اب اس کے مہر اور وراثت میں حصے کے متعلق اختلاف ہوا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا "سأقول فيها بجهد رأيی فإن كان صوابا فمن الله وحده لا شريك له وإن كان خطأ فمنی ومن الشيطان والله ورسوله منه براء أرى أن أجعل لها صداق نسائها لا وكس ولا شطط ولها الميراث وعليها العدة أربعة أشهر وعشرا قال وذلك بسمع أناس من أشجع فقاموا فقالوا نشهد أنك قضيت بما قضى به رسول الله صلى الله عليه و سلم فی امرأة منا يقال لها

بروع بنت واشق قال فما رئی عبد الله فرح فرحة یومئذ إلا بإسلامه "ترجمہ:اس مسئلہ کے بارے میں اپنی پوری کوشش سے کہتا ہوں، اگر یہ صحیح ہے تو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے اور اگر اس میں خطاء ہو تو یہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے ،اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بری ہے۔میں اس کے لئے مہر مثل مقرر کرتا ہو جس میں نہ کمی ہو نہ زیادتی۔اس عورت کے لئے میراث ہے اور اس پر عدت چار ماہ دس دن ہے۔معقل ابن سنان اشجعی اٹھے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے قبیلہ کی ایک عورت بروع بنت واشق کے متعلق ایسا ہی فیصلہ فرمایا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسلام کے بعد سب سے زیادہ اس پر خوش ہوئے (کہ میرا اجتہاد درست ہوا۔)

(سنن نسائی، کتاب النکاح،إباحة التزوج بغیر صداق،جلد 6،صفحہ 122،مکتب المطبوعات الإسلامیة ،حلب)

اجتہاد کی شرائط واحکام

اجتہاد کی شرائط بھی ہیں، یہ نہیں کہ ہر کوئی چند احادیث پڑھ کر الٹا سیدھا اجتہاد کرنا شروع کردے۔کئی بڑے بڑے علماء، فقہاء، محدثین آئے وہ مقلد رہے مجتہد ہونے کا دعوی نہ کیا۔ بلکہ کتب میں لکھا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت نے مجتہد ہونے کا دعوی کیا لیکن علماء نے قبول نہ کیا۔اجتہاد کی بنیادی شرط یہ ہے کہ مجتہد کو احکام سے متعلق قرآنی آیات ونصوص کا بھرپور علم ہو، لغوی وشرعی معنی کے ساتھ اس کے تمام وجوہ سے واقفیت ہو، ناسخ منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو، اسی طرح احکام سے متعلق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اسانید واقسام کے ساتھ تفصیلا ہو، قیاس کے وجوہ وطرق اور شرائط سے

بھر پور واقفیت ہو، نیز نحو وصرف، معانی و بلاغت وغیرہ میں پوری مہارت ہو۔الجامع لمسائل اصول الفقہ میں ہے کہ مجتہد کی شرائط درج ذیل ہیں:۔

پہلی شرط:۔ مجتہد قرآن اور اس کے متعلقات کو جاننے والا ہو۔جب کسی آیت سے کوئی مسئلہ استدلال کرنے کا ارادہ کرے تو یہ جانتا ہو کہ آیت ناسخ ہے یا منسوخ؟اس کے نزول کا سبب کیا ہے؟اس کی تفسیر میں صحابہ کرام وجید تابعین علیہم الرضوان کے اقوال کیا ہیں؟ علماء نے اس کی تفسیر میں کیا فرمایا ہے؟اس آیت کے معارض کونسی آیات واحادیث ہیں؟اسے پتہ ہو یہ دلالت کی کونسی قسم ہے اور اس کے اعراب کیا ہیں؟ مجتہد کے لئے قرآن کا حافظ ہونا شرط نہیں بلکہ یہ شرط ہے کہ احکام والی آیات کا پتہ ہو جیسے کھانے کے متعلق مسئلہ میں جانتا ہو کہ قرآن میں کہاں کھانے والی آیات ہیں۔اسی طرح حدود، نکاح ، طلاق، رضاعت،نفقات وغیرہ کی آیات کہاں ہیں اس کا علم ہو۔

دوسری شرط:۔ مجتہد کو احادیث کے متعلق علم ہو، جب کسی مسئلہ میں حدیث سے استدلال کرے تو ضروری ہے کہ وہ اسکے معارض دوسری احادیث کو جانتا ہو جیسا کہ اوپر آیت کے متعلق بتایا،شرائط میں یہ بھی زیادتی کی گئی کہ مجتہد احادیث کی اسناد، راویوں کی احوال،عدالت وضبط وغیرہ کو جانتا ہو۔

تیسری شرط:۔ مجتہد اجماعی مسائل کو جانتا ہو کہ کسی ایسے مسئلہ پر نہ اجتہاد کرے جس کے حکم پر پہلے اجماع ہو چکا ہو۔

چوتھی شرط:۔ مجتہد اختلافی مسائل کو جانتا ہو اور ہر فریق کے دلائل کو جانتا ہو۔جس طرح ائمہ اربعہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں ہونے والے اختلافات اور ان کے دلائل کی معرفت رکھتے تھے۔

پانچویں شرط:۔ مجتہد اصول فقہ کا ماہر ہو کہ جو اس سے جاہل ہو گا اس سے ادلۃ کی ترتیب ممکن نہیں۔مجتہد متفق اور اختلافی ادلۃ کو جاننے والا ہو۔

چھٹی شرط:۔ قیاس کا عالم ہو،اس لئے کہ فقہ نصف سے زائد قیاس پر مبنی ہے۔مجتہد قیاس کا ارکان وشرائط اور تفصیل جانتا ہو۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو قیاس کو نہیں جانتا وہ فقیہ نہیں۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کوئی قیاس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

ساتویں شرط:۔ مجتہد عربی لغت،قواعد،نحو،بلاغت،بدیع سب کا علم رکھنے والا ہو۔الفاظ کی فہم کو جانتا ہو اس لئے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ فصیح عربی تھے۔کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ بغیر عربی لغت کے ایک لفظ پر جو معنی دلالت کرتے ہیں انہیں جان لے۔عربی لغت کی مدد سے ہی ظاہر، مجمل،حقیقت،مجاز،عام،خاص،متشابہ،مطلق،مقید وغیرہ کو جانا جاتا ہے۔

آٹھویں شرط:۔ مقاصدِ شریعہ کی معرفت ہو۔

نوویں شرط:۔ لوگوں کی مصلحت،احوال،عادات،عرف جانتا ہو۔

دسویں شرط:۔ مجتہد عادل،ان گناہوں سے بچنے والا ہو جو عدالت ختم کرتے ہیں،یہ شرط اس کے فتوی پر اعتماد کے لئے ہے۔اگر وہ ایسا نہ ہوتو اس کے اجتہاد وفتوی کو قبول نہ کیا جائے گا۔ (الجامع لمسائل اصول الفقہ ، صفحہ 294۔۔،مکتبۃ الرّشد،ریاض)

مجتہد کی شرائط کا ذکر کرتے ہوئے مفتی قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:” مجتہد عرب کی تمام لغتوں کو، ادب عربی کے تمام فنون کو، مخاطب کرنے کے جملہ طریقوں کو، سمجھنے سمجھانے کے اندازوں کو، نظم ومعنی کی اقسام کو، احکام کی علتوں کے ادراک

کے راستوں کو جانتا ہو، زبردست قوت استخراج واستنباط کا مالک ہو، احکام کی علتیں کہاں متعدی ہوتی ہیں اور کہاں نہیں ہوتیں اسے جانتا ہو، قرآن وحدیث کے احکام کے دلائل جانتا ہو، مسائل میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے جملہ اقوال وفتاوٰی واختلافات، قدیم و جدید فقہاء کے فیصلے اور آراء نیز ان میں ایک کی دوسرے پر ترجیح اور وجوہِ ترجیح کو جانتا ہو، دلیل کے مراتب کو کہ کونسی دلیل کس درجے کی ہے اور کہاں معتبر ہے؟ کہاں نہیں اور کیوں معتبر یا نامعتبر ہے؟ یہ جانتا ہو، تاویل وتوجیہ میں مہارت تامہ وکاملہ، عموم میں تخصیص کے مواقع وطرق نیز مطلق کی تقیید کی صورتیں اور جواز وعدم جواز کی جگہیں اور مصالح شرعیہ، مقاصد دینیہ، فوائد عامہ اور عرف کو جانتا ہو، حرج، ضرورت، عموم بلویٰ، تعامل، استحسان کے وسیع علم کا حامل ہو۔ اور مذکور تمام چیزوں پر اطلاع تام اور وقوف عام رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ توفیق الٰہی کا نور اس کی رہنمائی کرنیوالا ہو۔ یہ ان منازل میں سے چند منزلیں ہیں جن کو طے کرنا مجتہد کا کام ہے۔ اگر کوئی اس طرح مسائل کو ان کے دلائل کے ساتھ جاننے والا ہے تو اس پر ہرگز تقلید ضروری نہیں بلکہ بہت سی صورتوں میں ایسے مجتہد کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا لازم ہے اور دوسرے مجتہد کی تقلید ناجائز ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کا جامع ہونا اس زمانے میں انتہائی نادر ہے۔ لہٰذا جب مسائل کو دلائل سے جاننے والا کوئی موجود نہیں تو سب پر تقلید لازم ہے۔" (رسائل قادریہ، صفحہ 345، مکتبہ اہلسنت، فیصل آباد)

اگر کوئی غیر مقلد یا جدید ذہن کا مالک یہ کہے کہ یہ اجتہاد کی شرائط خود ساختہ ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خود ساختہ نہیں بلکہ ضروری ہیں کہ بغیر عبورِ احادیث وسند، اجماع، لغت، شانِ نزول وغیرہ کے کس طرح اجتہاد ہو سکتا ہے؟ اگر یہ شرائط خود ساختہ ہیں تو کیا اجتہاد کی یہ شرط ہے کہ جس مسئلہ میں کوئی حدیث بخاری ومسلم یا صحاح ستہ میں نہ ملے تو

اجتہاد کرو چاہے وہ دیگر احادیث کے خلاف یا اجماع کے خلاف ہو؟ یہ وہ شرائط ہیں جنہیں مفسرین ومحدثین اور فقہاء کرام نے ارشاد فرمایا ہے۔ ورنہ اتنے بڑے بڑے محدثین جن کو لاکھوں احادیث یاد تھیں مقلد نہ ہوتے بلکہ مجتہد ہوتے۔ آج بھی غیر مقلدین جن محدثین کے قول کو حجت بناتے ہیں وہ خود محدثین مقلد ہیں۔

مجتہد سے خطأ ممکن ہے۔ الجامع لمسائل اصول الفقہ "یجوز الخطأ فی اجتهاده لقوله تعالی ﴿**عفا الله عنک لم أذنت لهم حتى يتبين لک الذين صدقوا وتعلم الكاذبين**﴾ وقوله ﴿**ما كان لنبی أن يكون له أسرى حتى يثخن فی الأرض**﴾ فقد بيّن الله تعالی خطأ اجتهاد النبی لما أذن للذين تخلّفوا عن غزوة تبوك ، ولما أخذ المال عوضاً عن أسرى بدر ولقوله "إنما أحكم بالظاهر وإنكم لتختصمون إلی ولعل أحدكم يكون ألحن بحجته من بعض ، فمن قضيت له بشیء من حق أخيه ، فلا يأخذه فإنما أقطع له قطعة من النار"، ترجمہ: اجتہاد میں خطأ جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اِذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے۔" دوسری جگہ فرمایا "کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرلے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔" ان آیات میں اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کی رہنمائی فرمائی جب غزوہ تبوک میں رہ جانے والوں کو اجازت دی اور بدر میں ہونے والے قیدیوں سے مال لے کر چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میرے حضور اپنے مقدمات پیش کرتے ہو اور شاید تم پر ایک دوسرے سے زیادہ اپنی حجّت بیان کرنے میں تیز زبان ہو تو میں جو سنوں اس پر حکم فرما دُوں پس جس کے لیے

میں اُس کے بھائی کے حق سے کچھ حکم کروں وُہ اسے نہ لے کہ یہ تو ایک آگ کا ٹکڑا ہے اس کے لیے قطع کرتا ہوں۔ (الجامع لمسائل اصول الفقه ، صفحه 298،مکتبة الرّشد،ریاض)

لیکن مجتہد کے اجتہاد میں خطا ہونے پر بھی اسے ایک نیکی ملتی ہے چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے "عن أبی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم إذا حکم الحاکم فاجتهد فأصاب فله أجران و إذا حکم فأخطأ فله أجر واحد" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب حاکم اجتہاد کر کے حکم دے اور وہ صحیح ہو تو اسے دو نیکیاں ہیں اور اگر خطا کر جائے تو ایک نیکی ہے۔

(جامع ترمذی، کتاب الاحکام ،باب ما جاء فی القاضی یصیب ویخطیء ،جلد3،صفحه316،دار إحیاء التراث العربی،بیروت)

مجتہد خطأ ظاہر ہونے پر اس سے رجوع کرے گا۔مجتہدین رحمہم اللہ نے کئی مسائل میں رجوع کیا ہے ۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں فرماتے ہیں"فبین الشافعی رحمه الله تعالی أن العلماء من الصحابة والتابعین لم یزل شأنهم أنهم یطلبون الحدیث فی المسألة فاذا لم یجدوا تمسکوا بنوع آخر من الاستدلال ثم إذا ظهر علیهم الحدیث بعد رجعوا عن اجتهادهم إلی الحدیث" ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا صحابہ وتابعین علماء کی یہ حالت تھی کہ وہ کسی مسئلہ میں حدیث ڈھونڈتے ،جب حدیث نہ ملتی تو وہ دوسری قسم استدلال سے مسئلہ حل کرتے ، پھر جب ان پر حدیث ظاہر ہو جاتی وہ اجتہاد سے حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، صفحه42،دارالنفائس)

اگر مجتہد نے کسی مسئلہ میں اجتہاد کیا اور لوگوں نے اس پر عمل کیا پھر جب مجتہد نے

اس اجتہاد سے رجوع کرلیا تو جو لوگوں نے پہلے اس پرعمل کیا ہے وہ باطل نہ ہوا۔خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"وإن کان رجوع المفتی عن قوله الأول من جهة اجتهاد هو أقوى أو قياس هو أولى لم ينقض العمل المتقدم لأنَّ الاجتهاد لا ينقض بالاجتهاد"ترجمہ:اگرمجتہد اپنے دوسرے قوی اجتہاد یا اولی قیاس کے سبب پہلے اجتہاد سے رجوع کرلے تو یہ پچھلے عمل کو ختم نہیں کرے گا اسلئے کہ اجتہاد ختم نہیں ہوتا اجتہاد سے۔ (الفقيه و المتفقه،جلد2،صفحه426،دار ابن الجوزی،سعوديه)

اگر مجتہد ایک قول کے بعد دوسرا برعکس قول کہے تو یہ پہلے قول سے رجوع ہوتا ہے۔اللمع فی أصول الفقہ میں ہے"فأما إذا ذكر المجتهد قولا ثم ذكر قولا آخر بعد ذلك كان رجوعا عن الأول" ترجمہ:جب مجتہد ایک قول کہے پھر بعد میں دوسرا قول کہے تو یہ پہلے قول سے رجوع ہوگا۔

(اللمع فی أصول الفقه،صفحه 131،دار الكتب العلمية،بيروت)

حق عنداللہ ایک ہے یانہیں؟

ایک چیز ایک امام کے نزدیک حلال ہے اور دوسرے کے نزدیک حرام ہے،اب یہ اللہ عزوجل کے نزدیک حلال ہے یا حرام؟اس کے متعلق فرقہ معتزلہ کا نظریہ ہے کہ حق متعدد ہے۔شرح نقایہ میں ہے"من جعل الحق متعددا كالمعتزلة اثبت للعامی الخيار من كل مذهب مايهواه ومن جعل واحدا كعلمائنا الزم للعامی اماما واحدا" ترجمہ:جن کے نزدیک مسائل نزاعیہ میں حق متعدد ہے کہ ایک شے جو مثلاً ایک مذہب میں حلال دوسرے میں حرام ہوتو وہ عنداللہ حلال بھی ہے اور حرام بھی، وہ تو عامی کو اختیار دیتے ہیں کہ ہر مذہب سے جو چاہے اخذ کرلے یہ مذہب معتزلہ وغیرہم کا ہے اور

جو(اہل سنت)حق کو واحد مانتے ہیں وہ عامی پرامام معین کی تقلید واجب کرتے ہیں یہ مذہب ہمارے علماوغیرہم کا ہے۔

(جامع الرموز(شرح نقایہ)،کتاب الکراہیۃ،جلد 3،صفحہ327،مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران)

اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ دونوں حق پر ہیں یعنی جو اپنے فقہی مذہب کے مطابق زندگی گزار رہا ہے اسے اس کے مطابق اجر ملے گا،لیکن عنداللہ حق ایک ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''دونوں برحق ہونے کی یہ معنی ہیں کہ ہرامام مجتہد کا اجتہاد جس طرف مودی ہواس کے اوراس کے مقلدوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا وہی حکم ہے۔شافعی المذہب اگرمتروک التسمیہ عمداً کھائے گااس کی عدالت میں فرق نہ آئے گا نہ دنیامیں اسے تعزیردی جائے نہ آخرت میں اس سے اس کا مواخذہ ہو۔اور حنفی المذہب کہ اسے حرام جانتا ہے اوراس کا ارتکاب کرے گا تو اس کی عدالت بھی ساقط ہوگی اور دنیا میں مستحق تعزیراور آخرت میں قابل مواخذہ ہوگا۔یونہی بالعکس جو چیز ہمارے نزدیک حلال ہےاوران کے نزدیک حرام،سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں''کل مجتهد مصيب والحق عندا لله واحد وقد يصيبه وقدلا '' ہرمجتہد مصیب ہے،لیکن عنداللہ حق ایک ہی ہے جس کو مجتہد کبھی پہنچتا ہےاور کبھی نہیں پہنچتا۔''

(فتاوٰی رضویہ،جلد27،صفحہ89،رضافائونڈیشن،لاہور)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہاء نے فرمایا'' ما ذهبنا إليه صواب يحتمل الخطأ وما ذهب إليه الغير خطا يحتمل الصواب''ترجمہ:جس طرف ہم گئے وہ حق ہےخطا کا احتمال رکھتے ہے اور مخالف خطا پر ہے صحیح کا احتمال رکھتا ہے۔یہ مقلد پراس بات کو واجب کرتا ہے کہ وہ اپنے امام کی مخالفت نہ کرے۔القول السدید میں ہے'' المراد من

هـذا تـخصيص أن ما ذهب إليه أئمتنا هو صواب عندهم مع احتمال الخطأ إذ كـل مـجتهد قد يصيب وقد يخطىء فی نفس الأمر وأما بالنظر إلينا فهو مصيب فـی اجتهـاده وهـو مـعـنـی ما روی أن كل مجتهد مصيب فليس معناه أن الحق يتـعـدد " ترجمہ:اس تخصیص کا مطلب ہے کہ جس طرف ہمارے ائمہ کرام گئے وہ ان کے نزدیک حق ہے ساتھ اسکے کہ یہ خطا کا احتمال رکھتا ہے۔تمام مجتہدین دلائل کی روشنی میں نفس حکم میں کبھی ٹھیک اترتے ہیں کبھی خطا کرتے ہیں۔تو وہ اپنے اجتہاد میں درست ہیں اور یہی معنی ہیں کہ ہر مجتہد حق پر ہے نہ یہ کہ حق متعدد ہے۔

(القول السديد فی بعض مسائل الاجتهاد والتقليدصفحه52،دار الدعوة،الكويت)

فصل دوم:تقلید

تقلید کی تعریف ومفہوم

علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ لکھتے ہیں "التـقليد عبارة عن قبول قـول الـغير بلا حجة ولا دليل "ترجمہ:تقلید دوسرے کے قول کو بغیر حجت اور دلیل کے مان لینے کو کہتے ہیں۔ (التعریفات،بذیل مادہ ت، صفحہ 48،مکتبہ رحمانیہ،لاہور)

غیر مجتہد جس میں اجتہاد کی طاقت نہیں اسکا کسی مجتہد کے قول کو بغیر دلیل لینا تقلید ہے۔کسی امام یا مجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسے بذاتِ خود واجب الاطاعت سمجھ کر اتباع کی جارہی ہے یا اسے شارع کا درجہ دے کر اس کی ہر بات کو واجب الاتباع سمجھا جارہا ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ پیروی تو قرآن وسنت کی مقصود ہے لیکن قرآن وسنت کی مراد کو سمجھنے کے لئے بحیثیت شارحِ قانون ان کی بیان کی ہوئی تشریح پر اعتبار کیا جارہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت کے قطعی احکام میں کسی امام یا مجتہد کی تقلید

ضروری نہیں سمجھی جاتی کیونکہ وہاں اللہ عزوجل اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا اصل مقصداس کے بغیر بآسانی حاصل ہو جاتا ہے۔مسلم الثبوت میں ہے "العمد بقول الغير من غير حجة كا خذ العامى والمجتهد من مثله فالرجوع الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم او الى الاجماع ليس منه و كذا العامى الى المفتى والقاضى الى العدول لا يجاب النص ذلك عليهما لكن العرف على ان العامى مقلد للمجتهد قال الامام وعليه معظم الاصوليين "ترجمہ:تقلید یہ ہے کہ دوسرے کے قول پر بغیر کسی دلیل کے عمل ہو، جیسے عامی اور مجتہد کا اپنے جیسے سے اخذ کرنا تو نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی جانب یا اجماع کی جانب رجوع لانا تقلید نہیں،اسی طرح عامی کا مفتی کی جانب اور قاضی کا گواہان عادل کی جانب رجوع تقلید نہیں (اگرچہ بعد رجوع اس پر عمل تقلید ہے)،اس لئے کہ یہ ان دونوں پر نص نے واجب کیا ہے،لیکن عرف یہ ہے کہ عامی مجتہد کا مقلد ہے،امام نے فرمایا اسی پر بیش تر اہل اصول ہیں۔

(مسلم الثبوت،فصل فی التعریف التقلید، صفحہ289، مطبع انصاری، دہلی)

تقلید کی شرائط ولوازمات

تقلید کی کچھ شرائط ولوازمات بھی ہیں۔سب سے پہلے یہ کہ تقلید عامی پر ہے مجتہد پر نہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اصول فقہ کی کتاب المستصفی میں فرماتے ہیں"وقد اتفقوا على أنه إذا فرغ من الاجتهاد وغلب على ظنه حكم فلا يجوز له أن يقلد مخالفه ويعمل بنظر غيره ويترك نظر نفسه ، أما إذا لم يجتهد بعد ولم ينظر فإن كان عاجزا عن الاجتهاد كالعامى فله التقليد" ترجمہ:تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ جب مجتہد اجتہاد سے فارغ ہو اور کسی مسئلہ کے حکم میں اس کا گمان غالب ہو تو اسے جائز نہیں

کہ اس گمان کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول پر عمل کرے۔اگر وہ اجتہاد و نظر نہ کرے، اجتہاد سے عاجز ہو جیسے عامی ہے تو اس پر تقلید ہے۔

(المستصفى فى علم الأصول،صفحه 367،دار الكتب العلمية،بيروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ’’معلوم ہو چکا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اہل نظر و اجتہاد کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کسی مجتہد کی تقلید کرے اور وہ اگر دوسرے کا قول اس کی دلیل تفصیلی سے آگاہی کے بغیر لے لیتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ تقلید حقیقی میں شامل ہے جو بالاجماع حرام ہے۔عامی کا حکم اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ دلیل تفصیلی سے ناآشنائی اس پر واجب کرتی ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرے ورنہ لازم آئیگا کہ اسے ایسے امر (دلیل تفصیلی سے آگاہی) کا مکلّف کیا جائے جو اس کے بس میں نہیں یا یہ کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے ، اس سے ظاہر ہوا کہ دلیل تفصیلی سے ناآشنائی کے دو اثر ہیں (1) صاحب نظر کے لئے وہ تقلید کو حرام ٹھہراتی ہے۔(2) اور غیر اہل نظر کے لئے وہی ناآشنائی تقلید کو واجب قرار دیتی ہے، اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ایک ہی چیز کسی دو سری چیز کو الگ الگ وجھوں کے تحت واجب بھی ٹھہرائے اور حرام بھی ، تو یہی ناآشنائی فقدان اہلیت کے باعث تقلید کو واجب قرار دیتی ہے۔اور اہلیت ہوتے ہوئے تقلید کو حرام قرار دیتی ہے۔‘‘ (فتاوی رضویه،جلد1،صفحه108،رضافائونڈیشن،لاہور)

پھر جس مذہب کی تقلید کرنی ہے وہ مکمل بھی ہو۔روح المعانی میں ہے ”يشترط فى تقليد الغير أن يكون مذهبه مدوناً محفوظ الشروط والمعتبرات فقول السبكى إن مخالف الأربعة كمخالف الإجماع محمول على ما لم يحفظ ولم تعرف شروطه وسائر معتبراته من المذاهب التى انقطع حملتها وفقدت

کتبھا کمذھب الثوری والأوزاعی وابن أبی لیلی وغیرھم“ ترجمہ:تقلید میں شرط ہے کہ وہ مذہب مدون ہو،اس مذہب کی شرائط محفوظ ومعتبر ہوں۔امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا کہ چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید نہ کرنا اجماع کے مخالف ہے۔اس پر محمول ہے کہ ان چار مذاہب کے علاوہ دیگر مذاہب محفوظ نہیں اور ان کی شرائط کا پتہ نہیں، دیگر معتبر مذاہب اس وقت منقطع ہو چکے ہیں،ان کی کتب موجود نہیں جیسے امام ثوری،اوزاعی،ابن ابی لیلیٰ،وغیرہ کے مذاہب ہیں۔

(تفسیر روح المعانی،جلد14،صفحہ148،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

القول السدید میں ہے”وقد ذکر بعض أولیاء اللہ تعالی الصالحین انہ کشف لہ أن اللہ لا یعذب من عمل فی المسألۃ بقول إمام مجتھد من الذین یجوز تقلیدھم وھم الآن الأئمۃ الأربعۃ المدونۃ مذاھبھم والمحررۃ أصول وفروع مسائلھم أما المجتھدون السابقون فلا للجھل بضوابط الأحکام عندھم لفقد التدوین لتطاول السنین“ترجمہ:بعض اولیاء اللہ نے ذکر کیا کہ ان پر ظاہر کردیا گیا اللہ عزوجل انہیں عذاب نہ دے گا جو ان مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں جن کی تقلید جائز ہیں، وہ جن کی تقلید جائز ہے وہ اس ائمہ اربعہ کے مدون مذاہب ہیں،جن مسائل کے اصول وفروع کو تحریری شکل میں لایا گیا ہے۔باقی سابقہ مجتہدین کی تقلید جائز نہیں کہ ان کے مسائل کے ضوابط معلوم نہیں اور ان کے مذہب کی کتب طویل عرصہ گزرنے کے سبب مفقود ہیں۔

(القول السدید فی بعض مسائل الاجتھاد والتقلید،صفحہ116 ،دار الدعوۃ،الکویت)

لہٰذا اگر کوئی اعتراض کرے کے صرف چاروں ائمہ کی تقلید کیوں کی جاتی ہے،کسی صحابی یا اہلبیت میں سے کسی کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی تو یہی جواب دیا جائے گا کہ ان چار

ائمہ کرام کے علاوہ بقیہ کے فتاوٰی واصول موجود نہیں ہیں۔

تقلید کی شرعی حیثیت

تقلید کی حجیت قرآن پاک و احادیث سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہے ﴿ فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (سورة النحل، سورت 16،آیت 43)

اسکی تفسیر میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”المکلف إذا نزلت به واقعة فإن كان عالماً بحكمها لم يجز له القياس ، وإن لم يكن عالماً بحكمها وجب عليه سؤال من كان عالماً بها لظاهر هذه الآية“ ترجمہ: مکلّف کو اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اگر وہ اس کے حکم سے آگاہ ہے تو اس کے لئے قیاس جائز نہیں اور اگر اسے معلوم نہیں تو اُس پر اِس آیت کی روشنی میں کسی جاننے والے سے پوچھنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ، جلد7،صفحہ211،مکتبہ علوم اسلامیہ،لاہور)

اس آیت مبارک کی تفسیر میں روح المعانی میں ہے ”واستدل بها أيضاً على وجوب المراجعة للعلماء فيما لا يعلم وفى الإكليل للجلال السيوطى أنه استدل بها على جواز تقليد العامى فى الفروع“ ترجمہ: آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس چیز کا علم خود نہ ہو اس میں علماء سے رجوع کرنا واجب ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اکلیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے عام آدمیوں کے لئے فروعی مسائل میں جواز تقلید پر استدلال کیا گیا ہے۔

(تفسیر روح المعانی،جلد14،صفحہ148،دار إحياء التراث العربى ،بيروت)

دوسری آیت میں ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا

الرَّسُوْلَ وَأُوْلِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔ (سورۃ النساء، سورت4، آیت59)

اس آیت میں جو فرمایا ہے کے جب کسی معاملے میں تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو یہ حکم کن کو ہے اس کے بارے میں اہلحدیث کہلانے والوں کے بہت بڑے اور مشہور مولوی اور مفسر نواب صدیق حسن لکھتے ہیں" والظاھرانہ خطاب مستقل مستأنف موجہ للمجتھدین "یعنی ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب مستقل نیا ہے جس میں خطاب مجتہدین سے ہے۔ (تفسیر فتح البیان جلد2صفحہ 308 طبع مصر)

ایک اور جگہ قرآن پاک میں ہے ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلاَ نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

(سورۃ التوبۃ، سورت9، آیت122)

اللہ تعالیٰ نے فقہ سیکھنا فرض فرمایا اور عام مؤمنین کو اس سے معاف فرمایا اور مہمل اور آزاد کسی کو نہیں رکھا ہے۔ تو ضرور اہلِ ہدایت کو تقلید ہی کا ارشاد ہوا۔ اللہ عزوجل کے اپنی مخلوق پر کچھ فرض ہیں کہ چھوڑنے کے نہیں، کچھ حرام ہیں کہ حرمت توڑنے کے نہیں، کچھ

حدیں ہیں کہ جوان سے آگے بڑھے ظالم ہوا اور ہلاکت میں پڑے، اوران سب یا اکثر کے لیے شرطیں اور تفصیلیں ہیں جنہیں گنتی ہی کے لوگ جانتے ہیں۔ جب احکامِ الٰہیہ ہر عام و عامی پر ہیں آزاد کوئی نہ چھوڑا گیا اور فقہ سیکھنے کو صاف فرمادیا کہ سب سے نہیں ہوسکتا، ہر گروہ سے بعض اشخاص سیکھیں اور اپنی قوم کو احکام بتائیں کہ وہ مخالفتِ حکم سے بچیں تو صاف صاف عام لوگوں کو ان فقیہوں کی بات پر چلنے کا حکم ہوا اور اسی کا نام تقلید ہے جس کی فرضیت قرآن عظیم کی نص قطعی سے ثابت ہوئی۔

کثیر احادیث سے بھی تقلید کا ثبوت ہے چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"من نظر فی دینه إلى من هو فوقه فاقتدى بـــــه" ترجمہ: جو شخص دین کے معاملے میں اپنے سے بلند مرتبہ شخص کو دیکھے تو اس کی اقتداء کرے۔

(جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق --جلد4،صفحه665،دار إحياء التراث العربی ،بیروت)

دوسری حدیث پاک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" الا سئلوا ان لم يعلموا فانما شفاء العی السؤال " ترجمہ: اگر وہ نہیں جانتے تو پوچھتے کیوں نہیں؟ کیونکہ جہالت کی شفاء سوال کرنا ہے۔

(سنن ابی دائود، کتاب الطهارت ،باب المجروح يتيمم،جلد1،صفحه145،دار الفکر ،بیروت)

صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی اپنے سے اعلیٰ کی تقلید کیا کرتے تھے۔ امام بخاری کے استاد محترم ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں" عن عبيد الله بن أبی يزيد قال كان ابن عباس إذا سئل عن الامر ، وكان فی القرآن أخبر به ، وإن لم يكن فی القرآن فكان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، أخبر به ، فإن لم يكن فعن أبی بكر وعمر رضی الله عنهما ، فإن لم يكن قال فيه برأيه" ترجمہ: حضرت

عبید اللہ بن ابی یزید فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ اسکا جواب قرآن سے بتاتے، اگر قرآن میں نہ ہوتا تو حدیث سے بتاتے، اگر حدیث سے نہ ملتا تو جو ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہوتا وہی بتاتے اور اگر ان سے بھی کچھ منقول نہ ہوتا تو اپنی رائے سے کہتے۔

(مُصنف ابن أبی شیبة، کتاب البیوع والاقضیة ،جلد7،صفحہ242،مکتبہ الدار السلفیة ،الھندیة)

طبرانی اوسط میں ہے"عن ا بن عباس قال خطب عمر بن الخطاب الناس بالجابیة فقال یا ایھا الناس من اراد ان یسأل عن القرآن فلیأت ابی بن کعب و من اراد ان یسأل عن الفرائض فلیأت زید بن ثابت و من اراد ان یسأل عن الفقه فلیأت معاذ بن جبل و من اراد ان یسأل عن المال فلیأتنی فان الله جعلنی له والیا وقاسما" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! جو شخص قرآن کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہو وہ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جائے ، جو میراث کے احکام کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابت کے پاس جائے، جو فقہ کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جائے اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ میرے پاس آجائے، اس لئے کہ اللہ عزوجل نے مجھے اس کا والی اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔

(المعجم الأوسط،من اسمه علی،جلد4،صفحہ127،دار الحرمین ،القاہرة)

صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر اب تک غیر مقلدوں سمیت یہی رائج ہے کہ جاہل عالم سے پوچھ کر اس پر عمل کرتا ہے، ہر کوئی درجہ اجتہاد پر پہنچنے سے عاجز ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"إجماع الصحابة فإنهم کانوا یفتون العوام و لا

یأمرونهم بنیل درجة الاجتهاد ، وذلك معلوم علی الضرورة والتواتر من علمائهم وعوامهم" ترجمہ: صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ وہ لوگوں کو فتوے دیتے تھے اور عام لوگوں کو درجہ اجتہاد تک پہنچنے کا حکم نہ دیتے تھے۔ (کہ تمام لوگ مجتہد بن جاؤ۔) یہ معلوماتِ ضروریہ اور علماء وعوام سے تواتر سے ثابت ہے۔

(المستصفی فی علم الأصول، صفحہ 371، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اہل حدیث کہلانے والے وہابی چونکہ ابن تیمیہ کو اپنا بہت بڑا امام مانتے ہیں اور ابن تیمیہ کے فتاوٰی میں تقلید کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ فتاوی ابن تیمیہ میں ہے" فطاعة الله ورسوله وتحليل ما احل الله ورسوله وتحريم ما حرمه الله ورسوله واجب علی جميع الثقلين الانس والجن واجب علی كل احد فی كل حال سرا وعلانية لكن لما كان من الاحكام مالا يعرفه كثير من الناس رجع الناس فی ذلك الی من يعلمهم ذلك لانه اعلم بما قال الرسول واعلم بمراده ـ فائمة المسلمين الذين اتبعوهم وسائل وطرق وادلة بين الناس وبين الرسول يبلغونهم ما قاله ويفهمونهم مراده بحسب اجتهادهم واستطاعتهم" ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور جن باتوں کو انہوں نے حلال قرار دیا انہیں حلال جاننا اور جسے حرام قرار دیا اسے حرام جاننا جن وانس میں سے ہر ایک پر ہر حال میں ظاہری وباطنی طور پر واجب ہے۔ لیکن بہت سے احکام ایسے ہیں جنہیں لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی وہ ان معاملات کو جاننے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ان باتوں کو جانتے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ جو رسول اللہ نے فرمایا جانتے ہیں اور اس کلام کا مقصود بھی جانتے ہیں۔ لہٰذا ائمہ مسلمین جن کی لوگ پیروی کرتے ہیں یہ لوگوں اور رسول اللہ کے درمیان وسیلے راستے ورہنما ہیں یہ ائمہ رسول

اللہ کا کہا ہوا لوگوں تک پہنچاتے اور اس کلام کا مقصود اپنے اجتہاد و استطاعت کے اعتبار سے سمجھاتے ہیں۔

(مجموع فتاوى ابن تيمية، جلد 20، صفحه 223، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية)

تقلید شخصی کی شرعی حیثیت

جس طرح راہِ سلوک میں ایک وقت میں ایک سے زائد پیر بنانا جائز نہیں اسی طرح فروعی مسائل میں ایک سے زائد امامِ مجتہد کی تقلید جائز نہیں۔ سیدی عارف باللہ امام اجل عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں "سمعت سيدى عليا الخواص رحمه الله يقول انما امر علماء الشريعة الطالب بالتزام مذهب معين وعلماء الحقيقة المريد بالتزام شيخ واحد " ترجمہ: میں نے اپنے سردار علی خواص رحمہ تعالیٰ کو فرماتے سنا کہ علمائے شریعت نے طالب کو حکم دیا ہے کہ مذہب ائمہ میں خاص ایک مذہب معین کی تقلید اپنے اوپر لازم کرے اور علمائے باطن نے مرید کو فرمایا کہ ایک ہی پیر کا التزام رکھے۔

(الميزان الكبرى، فصل فان قلت فاذا انفك قلب الولى عن التقليد ، جلد1، صفحه23، مصطفى البابى ، مصر)

اس طرح جائز نہیں کہ کبھی کسی مسئلہ میں ایک امام کا قول لے لیا اور کبھی دوسرے امام کا، یہ اجماع کے خلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لا يجوز أن يستفتى الحنفى مثلا فقيها شافعيا وبالعكس ولا يجوز أن يقتدى الحنفى بامام شافعى مثلا فان هذا قد خالف إجماع القرون الأولى وناقض الصحابة والتابعين" ترجمہ: حنفی کے لئے جائز نہیں کہ وہ شافعی مفتی سے مسئلہ پوچھے (اور اس کے

مطابق عمل کرے)اسی طرح شافعی پر جائز نہیں کہ وہ حنفی سے مسئلہ پوچھے۔حنفی مقتدی کا شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں (جبکہ شافعی امام حنفی مذہب کی رعایت نہ کرے) اس لئے کہ ایسا کرنا قرون اولیٰ کے اجماع اور صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہے۔ (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، صفحہ100،دارالنفائس)

الملل والنحل میں ہے"علماء الفریقین لم یجوزوا ان یأخذ العامی الحنفی الا بمذھب ابی حنفیۃ و العامی الشافعی الا بمذھب الشافعی"ترجمہ:دونوں فریق کے علما یہ جائز نہیں رکھتے کہ عامی حنفی مذہب ابوحنیفہ یاعامی شافعی مذہب شافعی کے سوا دوسرے مذہب پر عمل کرے۔

(الملل والنحل ،حکم الاجتہاد والتقلید،جلد1،صفحہ 205، مصطفی البابی ،مصر)

شاہ ولی اللہ عقدالجید میں لکھتے ہیں"المرجح عند الفقھاء ان العامی المنتسب الی مذھب لہ مذھب فلاتجوز لہ مخالفتہ"ترجمہ:فقہاء کےنزدیک ترجیح اسے ہے کہ عامی جوایک مذہب کی طرف انتساب رکھتاہے وہ مذہب اس کا ہو چکا اسےاس کا خلاف جائز نہیں۔

(عقدالجید ، باب پنجم، اقسام مقلد ،صفحہ 158،مطبوعہ قرآن محل مقابل مولوی مسافرخانہ ، کراچی)

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الکبریٰ میں فرماتے ہیں"یجب علی المقلد العمل بالارجح من القولین فی مذھبہ مادام لم یصل الیٰ معرفۃ ھذہ المیزان من طریق الذوق و الکشف، کما علیہ عمل الناس فی کل عصر بخلاف ماذا وصل الی مقام الذوق و رأی جمیع اقوال العلماء وبحور علومھم تنفجر من عین الشریعۃ الاولیٰ تبتدیء منھا وتنتھی الیھا فان

مثل ھذا لایؤمر بالتعبد بمذھب معین لشھودہ تساوی المذاھب فی الاخذ من عین الشریعة'' ترجمہ: مقلد پرواجب ہے کہ خاص اسی بات پرعمل کرے جواس کے مذہب میں راجح ٹھہری ہو۔ ہرزمانے میں علماء کا اسی پرعمل رہا ہے البتہ جوولی اللہ ذوق ومعرفت کی راہ سے اس مقام کشف تک پہنچ جائے کہ شریعت مطہرہ کا پہلا چشمہ جوسب مذاہب ائمہ مجتہدین کا خزانہ ہے اسے نظرآنے لگے وہاں پہنچ کروہ تمام اقوال علماء کومشاہدہ کرے گا کہ ان کے دریااسی چشمے سے نکلتے اوراسی میں پھرآکرگرتے ہیں ایسے شخص پرتقلید شخصی لازم نہ کی جائے گی کہ وہ توآنکھوں دیکھ رہا ہے کہ سب مذاہب چشمہ اولیٰ سے یکساں فیض لے رہے ہیں۔

(المیزان الکبریٰ ،فصل فان قال قائل فھل یجب،جلد1،صفحہ11، مصطفی البابی، مصر)

یہاں سے ثابت کہ جوپایہ اجتہاد نہ رکھتا ہونہ کشف وولایت کے اس رتبہ عظمیٰ تک پہنچا اس پرتقلید امام معین قطعاً واجب ہے اوراسی پر ہرزمانے میں علماء کاعمل رہا، یہاں تک امام حجۃ الاسلام محمدغزالی قدس سرہ العالی نے کتاب مستطاب کیمیائے سعادت میں فرمایا''مخالفت کردن صاحب مذھب خویش نزدیك ھیچ کس روا نبود''ترجمہ:اپنے صاحب مذہب کی مخالفت کرناکسی کے نزدیک بھی جائزنہیں۔

(کیمیائے سعادت ،اصل نہم امربمعروف ونہی ازمنکر،صفحہ 395،مطبوعہ انتشارات گنجینہ تہران، ایران)

صحابہ کرام علیہم الرضوان میں بھی تقلید شخصی کا تصورموجودتھا، ہرکوئی اپنے شہر کے فقہی صحابی کی تقلید کرتا تھا۔ بخاری شریف کی حدیث پاک میں ہے ''عن عکرمة أن أھل المدینة سألوا ابن عباس رضی اللہ عنھما عن امرأۃ طافت ثم حاضت قال لھم تنفر قالوا لا نأخذ بقولك وندع قول زید''ترجمہ:حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے بعض اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اُس عورت کے بارے میں سوال کیا جوطواف فرض کے بعد حائضہ ہوگئی ہو(کہ وہ طوافِ وداع کے لئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا طوافِ وداع اس سے ساقط ہو جائے گا اور بغیر طواف کے واپس آنا جائز ہوگا۔)ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ وہ (طوافِ وداع کے بغیر) جاسکتی ہے۔اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپکے قول پر زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو نہیں چھوڑیں گے۔

(صحیح بخاری ، کتاب الحج،باب إذا حاضت المرأة بعدما أفاضت ،جلد 2،صفحہ625،دار ابن کثیر ، الیمامۃ،بیروت)

صحابہ کرام کی طرح تابعین اور تبع تابعین میں بھی تقلید کا تصور موجود تھا،لیکن صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں دیانت عام تھی،ان کی نفسانیت اس قدر مغلوب تھی کی شریعت کے احکام میں انہیں خواہشات کی پیروی کا خطرہ نہیں تھا،اس لئے ان کے دور میں تقلیدِ مطلق اور تقلیدِ شخصی دونوں پر عمل ہوتا رہا۔ دو صدیوں کے بعد خواہشات کی پیروی کا خطرہ لاحق ہوا کہ لوگ کہیں جس کا قول خواہش کے مطابق ملے وہ لے لیں اور دوسرا چھوڑ دیں،لہٰذا ایک معین امام کی تقلید واجب ہوگئی۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں”واعلم ان الناس کانوا فی المأئۃ الاولیٰ والثانیۃ غیر مجتمعین علی التقلید لمذھب واحد بعینہ وبعد المائتین ظھر بینھم التمذھب للمجتھدین باعیانھم وقل من کان لایعتمد علی مذھب مجتھد بعینہ و کان ھذا ھوالواجب فی ذٰلک الزمان “ ترجمہ:یادرکھئے کہ پہلی اوردوسری صدی میں تمام لوگ کسی ایک معیّن مذہب کی تقلید پرمجتمع نہیں تھےاوردوسری صدی کے بعدخاص ایک مجتہد کے مذہب کا پابند بنا اہل اسلام میں ظاہر ہوا کہ کم ہی کوئی شخص تھا جوایک امام معین پر اعتماد

نہ کرتا ہو اور یہی واجب تھا اس زمانے میں۔

(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، صفحہ69،دارالنفائس)

بڑے بڑے علماء کرام اپنے علاقے میں مروّج مذہب کی اتباع کرتے رہے اور ہندوستان میں بھی شروع سے فقہ حنفی رائج رہی اور اسی مسلک کی تمام مسلمان برسوں سے اتباع کرتے رہے ہیں۔ ہندوستان میں فقہ حنفی کے علاوہ کسی اور مذہب کی تقلید جائز نہیں، کیونکہ فقہ حنفی کے علاوہ دوسرے مسالک کے نہ مفتیانِ کرام ہیں نہ کتب ہیں۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"فاذا كان إنسان جاهل في بلاد الهند أو في بلاد ما وراء النهر وليس هناك عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب عليه أن يقلد لمذهب أبي حنيفة ويحرم عليه أن يخرج من مذهبه لأنه حينئذ يخلع ربقة الشريعة ويبقى سدى مهملا " ترجمہ:اگر کوئی جاہل شخص ہندوستان یا ماورالنہر کے علاقے میں ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی یا حنبلی عالم موجود نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب دستیاب ہو تو اس پر صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید واجب ہوگی اور ان کے مذہب کو چھوڑنا اس کے لئے حرام ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہ شخص شریعت کی پابندیاں اپنے گلے سے اتار کر بالکل آزاد اور مہمل ہو جائے گا۔

(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، صفحہ78،دارالنفائس)

لہٰذا ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ جس مسلک پر حضور داتا سرکار، معین الدین چشتی، مجدد الف ثانی اور دیگر صوفیاء و علمائے کرام رحمہم اللہ تھے اسی پر کاربند رہیں۔ جو کوئی عقائد و فقہ میں ان کے مخالف راہ پر چلے تو وہ حق پر نہ ہوگا اور نہ اس کا کوئی عذر قبول ہوگا۔امام مجتہد شعرانی فرماتے ہیں" به صرح امام الحرمين و ابن السمعاني و الغزالي والكيا الهراسي وغيرهم وقالوا لتلامذتهم يجب عليكم

التقید بمذھب امامکم و لا عذر لکم عنداللّٰہ تعالیٰ فی العدول عنہ “ ترجمہ:اسی کی تصریح کی امام حرمین وابن السمعانی وغزالی وکیا الہراسی وغیرہم آئمہ رحمہم اللہ نے،اوران بزرگوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایاتم پرواجب ہے خاص اپنے امام کے مذہب کا پابند رہنااگران کے مذہب سے عدول کیاتو خدا کے حضور تمہارے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ،فصل فی بیان استحالہ خروج شئی ،جلد 1،صفحہ 53،54،درالکتب العلمیہ ،بیروت)

فصل سوم:تقلید سے آزاد ہونے کی آفات

ائمہ اربعہ کے بعدسب علماء ومجتہدین نے تقلید پراجماع کرلیااس کے بعد سے مسلمانوں میں چاراماموں کی تقلید رائج ہے۔جو غیرمجتہدان چاروں ائمہ کی تقلید کے علاوہ کوئی اورراہ لے وہ صراط مستقیم سے ہٹ گیا۔علامہ طحطاوی حاشیہ دُرمختار میں نقل فرماتے ہیں”من شذعن جمھور اھل الفقہ و العلم و السوادالاعظم فقد شذفیما یدخلہ فی النار“ ترجمہ:جوشخص جمہوراہل علم وفقہ سوادِاعظم سے جُدا ہوجائےوُہ ایسی چیز میں تنہاہُوا جواُسے دوزخ میں لے جائے گی۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار،کتاب الذبائح،جلد4،صفحہ153،مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:”اگرایک مذہب کی پابندی نہ کی جائےتو یا وقت واحد میں شیء واحدکوحرام بھی جانے گا اورحلال بھی جیسے قراءت مقتدی شافعیہ کے یہاں واجب اورحنفیہ کے یہاں حرام اوروقت واحد میں شے کا حرام وحلال دونوں ہونا محال،یا یہ کرے گا کہ ایک وقت حلال سمجھے گا دوسرے وقت حرام،تو یہ اس آیت میں داخل ہونا ہوگا کہ ﴿یحلونہ عاما ویحرمونہ عاما﴾(ایک سال اسے حلال

ٹھہراتے ہیں اور ایک سال اسے حرام ٹھہراتے ہیں۔) لاجرم پابندیِ مذہب لازم اور اس کی تفصیل ہمارے فتاویٰ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد29، صفحہ392، رضا فائونڈیشن، لاہور)

کسی ایک مذہب کی تقلید کو دین میں تنگی کے لئے واجب نہیں کیا گیا بلکہ لوگوں کے دین بچانے کے لئے لازم کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کو اگر چاورں اماموں کی تقلید کی اجازت دیدی جائے تو وہ شریعت کی نہیں بلکہ اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہوئے آسان مسائل چُن کر انہی پر عمل کرے گا۔ بلکہ بہت سی جگہ حلال وحرام کو بدل دے گا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک دن میں جتنی مرتبہ نفس کی خواہش بدل جائے تو دوسرے امام کے قول کولیکر عمل کرے اور خواہشات کو پوار کرتا پھرے مثلاً ایک عورت تقلید شخصی کی منکر ہے اب سب مذہبوں پر عمل کرنا چاہتی ہے تو کیا کرے گی۔ اس عورت نے صبح کے وقت اپنے سگے بھتیجے یا سوتیلے بھانجے یا دودھ کے چچا یا باپ کے ماموں صاحب سے نکاح کیا اور وہ حضرت بھی اسی طرح کے تقلید شخصی کے منکر تھے جنہوں نے اسے حلال وشیرِ مادر سمجھ لیا۔ یا جانے دیجئے یہ فتوے نئے ہیں تو غیر مقلد صاحبوں کے پرانے پیشوا داؤد ظاہری کے نزدیک تو جورو (بیوی) کی بیٹی حلال ہے۔ جبکہ اپنی گود میں نہ پلی ہو۔ یوں اس نے اپنے سوتیلے باپ سے نکاح کرلیا۔ پھر دن چڑھے ایک دوسرے منکر تقلید تشریف لائے اور اس نوجوان آفتِ جان سے فرمایا کہ یہ نکاح باجماع ائمہ اربعہ باطل محض ہوا۔ تو ہنوز بے شوہر ہے اب مجھ سے نکاح کرلے۔ عورت بولی کہ ہمارے مذہب کے مطابق تو ہوا ہے اس پر منکر صاحب نے بکمال شفقت فرمایا کہ بیٹی ایک ہی مذہب پر نہ جمنا چاہئے، اس پر شریعت پر عمل ناقص رہتا ہے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً ہر مذہب پر عمل ہو کہ ساری شریعت پر عمل حاصل ہو۔ عورت بولی اچھا مگر نکاح

کوتو گواہ درکار ہے۔ وہ اس وقت کہاں؟ کہا نادان لڑکی مذہبِ امام مالک میں گواہوں کی حاجت نہیں اور تو اس پر عمل کر لے بعد میں اعلان کر دیں گے، چنانچہ یہ دوسرا نکاح ہو گیا۔ دوپہر کو تیسرے منکر صاحب تشریف لائے کہ لڑکی تو اب بھی بے نکاحی ہے۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اور خود حدیث کے حکم سے بے گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا۔ حدیث میں ایسوں کو زانیہ فرمایا۔ میں دو گواہ لیکر آیا ہوں مجھ سے نکاح کر لو۔اس نے کہا اس وقت میرا ولی موجود نہیں۔منکر صاحب نے فرمایا بیٹی تو نہیں جانتی حنفی مذہب میں جوان عورت کو ولی کی حاجت نہیں جبکہ کفو میں نکاح کرے۔ہم اس وقت مذہب حنفی کی اتباع کرتے ہیں۔اس پارسا کو تو ساری شریعت پر عمل کرنا تھا لہٰذا یہ تیسرا نکاح کر لیا۔تیسرے پہر کو چوتھے منکر آ پہنچے کہ بیٹی تو اب بھی بے شوہر ہے حدیث فرماتی ہے کہ بے ولی کے نکاح نہیں ہوتا اور یہی مذہب امام شافعی وغیرہ بہت ائمہ کا ہے۔میں تیرے ولی کو لیتا آیا ہوں کہ اب شرعی نکاح مجھ سے ہو جائے۔اس نے کہا تم میرے کفو نہیں نسب میں بہت گھٹ کر ہو۔کہا تیرا ولی راضی ہے تو بھی راضی ہو جا تو پھر غیر کفو میں نکاح اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔اسے تو پوری شریعت پر چلنا تھا چوتھا نکاح ان سے کیا۔دو گھڑی دن رہے پانچویں منکر بڑی تزک سے چمکے بیٹی تو اب بھی کنواری ہے۔ ہمارے بڑے ابن عبدالوہاب نجدی و ابن قیم و ابن تیمیہ صاحبان سب حنبلی تھے حنبلی مذہب میں غیر کفو سے نکاح صحیح نہیں، اگرچہ عورت و ولی دونوں راضی ہوں۔ یہ چوتھا تیرا کفو نہ تھا۔اب مجھ سے نکاح کر۔عورت سجدہ شکر میں گری کہ خدا نے چار ہی پہر پانچوں مذہب کی پیروی دیگر ساری شریعت پر عمل کرا دیا۔ یہ کہہ کر پانچویں باران سے نکاح کر لیا۔ (ماخوذ از رسائل قادریہ،صفحہ 371تا373،مکتبہ اہلسنت ،فیصل آباد)

اس قسم کی عجیب وغریب مثالیں آج بھی دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں۔اس لئے

امام معین کی تقلید واجب قرار دی گئی ہے اور فقہائے کرام نے اپنے مذہب کی مخالفت کرنے کو کبیرہ گناہ میں شمار کیا۔علامہ زین بن نُجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ صاحب بحر الرائق واشباہ وغیرہما رسالہ کبائر وصغائر میں فرماتے ہیں"اما الکبائر فقالوا ھی بعد الکفر الزنا واللواطۃ و شرب الخمر و مخالفۃ المقلد حکم مقلدہ" ترجمہ: کبیرہ گناہ علماء نے یوں گنائے کہ عیاذاً باللہ سب میں پہلے تو کفر ہے پھر زنا واغلام وشراب خوری اور مقلد کا اپنے امام کی مخالفت کرنا۔

(الرسائل الفقھیہ،الرسالۃ الرابعۃ والثلاثون ،جلد 2،صفحہ94، 907،مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ،کراچی)

امام محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں"مخالفتہ للمقلد متفق علی کونہ منکرا بین المحصلین" ترجمہ: تمام منتہی فاضلوں کا اجماع ہے کہ مقلد کا اپنے امام مذہب کی مخالفت کرنا شنیع وواجب الانکار ہے۔

(احیاء العلوم، الباب الثانی فی ارکان الامر ،جلد2،صفحہ366،مطبوعہ مطبعۃ المشھد الحسینی القاہرہ مصر)

یہاں تک کہ ایسا کرنے کو ایمان سلب ہو جانے کا خوف کہا گیا۔ردالمحتار میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف پھرنے کے نقصانات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں"لیس للعامی ان یتحول من مذھب الی مذھب ویستوی فیہ الحنفی و الشافعی وقیل لمن انتقل الی مذھب الشافعی لیزوج لہ اخاف ان یموت مسلوب الایمان لاھانتہ للدین لجیفۃ قذرۃ، وفی آخر ھذا الباب من المنح : وان انتقل الیہ لقلۃ مبالاتہ فی الاعتقاد والجراءۃ علی الانتقال من مذھب الی مذھب کما یتفق لہ ویمیل طبعہ الیہ لغرض

یحصل له فانه لا تقبل شهادته“ ترجمہ:عام شخص کے لئے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف پھرنا جائز نہیں ہے اور اس میں حنفی شافعی برابر ہیں اور اس شخص کے لئے جو مذہب شافعی اس لئے اختیار کرتا ہے کہ وہ شافعیہ سے شادی کرے کہا گیا ہے کہ اس کے ایمان کے سلب ہو جانے کا خوف ہے کیونکہ اس نے ایک گندے چمڑے کی وجہ سے دین کی توہین کی ہے اور منح کے اس باب کے آخر میں ہے کہ عقیدہ میں قلت مبالات (لا ابالی پن) اور دنیوی غرض کے حصول کے لئے حسب خواہش طبیعت ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کی جراءت اور جسارت کی وجہ سے جو شخص دوسرا مذہب اختیار کرے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

(رد المحتار، کتاب الشہادات،باب القبول و عدمہ، جلد8، صفحہ 227 ،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

فصل چہارم: منکرین تقلید کا جائزہ

جو حضرات تقلید فقہی کو غیر ضروری بلکہ باطل قرار دیتے ہیں وہ عموماً دو قسم کے افراد ہوتے ہیں۔(1) مذہب و مسلک ابن حزم ظاہر وابن تیمیہ حرانی کے متبعین ومقلدین۔(2) جدید تعلیم یافتہ مگر علم و دین سے نابلد طبقہ۔پہلی قسم کے حضرات کا دعویٰ کچھ ہے اور عمل کچھ ہے۔ان کی طرف سے ترک تقلید کا دعویٰ ہوتا ہے جب کہ عمل یہ کہ وہ اپنے مذکورہ ائمہ کے متبع نہیں بلکہ مقلد محض ہوتے ہیں۔دوسری قسم کے افراد اپنی تجدد پسندی اور روشن خیالی کے زعم میں ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو سنجیدہ کم اور مضحکہ خیز زیادہ ہوتی ہے اور علم وبصیرت وفقہ وافتاء سے ان کی دوری وناآشنائی ایک ایک جملہ سے عیاں ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح کے افراد ائمہ مجتہدین پر طعن وتشنیع اور سوادِ اعظم کی تنقید و مذمت کر کے اختلاف و انتشار امت وملت میں اضافہ کا سبب بننے کے سوا کچھ اور نہیں بن سکے ہیں۔جس تقلید کے

خلاف انہوں نے ہنگامہ خیزی ومعرکہ آرائی کی اس سے الگ ہٹ کرانہوں نے کون سے کارنامےاورکون سی خدمات انجام دی ہیں اس کا بھی ساری امت کوعلم ہے۔

(اجتہاد و تقلید،صفحہ46،مکتبہ اعلیٰ حضرت،لاہور)

موجودہ غیر مقلدوں سے قبل یہی فرقہ ظاہریہ تھا جسے محدثین وفقہاء نے بے عقل و گمراہ کہا۔امام ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتاب کف الرعاع میں فرماتے ہیں"اعلم ان الائمة صرحوابان الظاهرية لا يعتد بخلافهم، ولايجوز تقليد احد منهم لانهم سلبوا العقول حتى انكرو االقياس الجلى" ترجمہ:جاننا چاہئے کہ ائمہ کرام نے تصریح کی ہے کہ ظاہریہ فرقہ کے مخالف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ان میں سے کسی کی تقلید جائز ہے، کیونکہ وہ مسلوب العقل لوگ ہیں حتی کہ وہ قیاس جلی کا بھی انکار کرتے ہیں۔

(كف الرعاع،القسم الرابع عشر، باب فى بيان ان مامره صغيرة اور كبيرة ،صفحه 144،دارالكتب العلميه ،بيروت)

مزید فرماتے ہیں "لانهم اصحاب ظاهرية محضة تكاد عقولهم ان تكون مسخت، ومن وصل الى انه يقول ان بال الشخص فى الماء تنجس او فى اناء ثم صبه فى الماء يتنجس كيف يقام له وزن، ويعد من العقلاء فضلاء عن العلماء" ترجمہ:یہ لوگ محض ظاہری ہیں تقریبا بے عقل ہیں اور یہاں تک کہہ گئے اگر کوئی شخص پانی میں پیشاب کرے تو پانی ناپاک ہے اور اگر کسی برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دے تو پانی پاک ہے ناپاک نہ ہوگا۔تو ایسے لوگ کس شمار میں ہیں، ان کو اہل عقل میں شمار کرنا کیسے مناسب ہے چہ جائیکہ ان کو علماء میں شمار کیا جائے۔

(كف الرعاع،تنبيه ادلة التحليل والردعليها ،صفحه128، دارالكتب العلميه، بيروت)

امام فخر الدین رازی،امام جلال الدین سیوطی، امام تقی الدین سبکی، امام غزالی،

امام ابن حجر عسقلانی، امام ابن حجر مکی، امام ذہبی، ملاعلی قاری، امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہم جلیل القدر عظیم المرتبت اور بلند پایہ محدثین اپنی جلالت علمی کے باوجود مقلد تھے۔ آج کے غیر مقلدین بھی ان محدثین کی بات کو بطور دلیل بنانے کے باوجود تقلید کو حرام کہتے ہیں اور اپنے دو چار کتابیں پڑھے مولویوں کی تقلید کرتے ہیں۔ استادِ محترم فرماتے ہیں: ''تقلید کی مخالفت بھی وہابی صرف زبان سے کرتے ہیں وگرنہ خود کٹر مقلد ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم ان اماموں کی تقلید کرتے ہیں جو زمانہ نبوی کے قریب تھے اور جن کی جلالت علمی، زہد و تقویٰ، فہم و فراست کو ساری دنیا مانتی ہے اور وہابی ابن تیمیہ اور ابن قیم بلکہ موجودہ وہابی تو ثناء اللہ امرتسری، صدیق بھوپالی اور نذیر حسین دہلوی کے فتاوٰی کی تقلید کرتے ہیں۔ اور ان وہابیوں کو غیر مقلد ترک تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ تقلید کی مخالفت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔'' (رسائل قادریہ، صفحہ 348، مکتبہ اہلسنت، فیصل آباد)

استاد صاحب کے ارشاد کی تصدیق خود وہابیوں کے بڑے مولوی وحید الزمان سے بھی ہوتی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا وہیں اس کے پیچھے پڑ گئے برا بھلا کہنے لگے۔ بھائیو ذرا غور کرو اور انصاف کرو کہ جب تم نے ابو حنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑ دی تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متأخر ہیں ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے۔'' (حیات وحید الزماں، صفحہ 102، مطبوعہ نور محمد، کراچی)

تقلید کو معاذ اللہ شرک کہنے والوں کو اکثر دیکھا گیا ہے کہ قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہونے کے دعوی میں قرآن و حدیث کے ہی خلاف عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ جس کا

اعتراف خود غیر مقلدوں کے بڑے عالم نواب وحید الزمان نے کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں،انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائلِ اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ اورتابعین کی،قرآن کی تفسیر،صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں،حدیث شریف میں جوتفسیر آ چکی ہےاس کو بھی نہیں سنتے ہیں۔''

(حیات وحید الزماں،صفحہ102،مطبوعہ نور محمد، کراچی)

نواب صدیق حسن خاں اپنے ہم عصر غیر مقلد عالموں کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:''علمِ حدیث میں ہمارے معاصرین کی نظر زیادہ سے زیادہ مشارق الانوار تک ہےاوراگر وہ امام بغوی کی مصابیح تک پہنچ جائیں تواس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ درجہ محدثین تک پہنچ گئے ہیں،حالانکہ وہ اگران دونوں کتابوں کو زبانی یادکرلیں اوران کے علاوہ دیگر متون بھی حفظ کرلیں تو وہ محدث نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔ ہمارے معاصرین جسے انتہا کو پہنچا ہوا شمار کرتے ہیں اوراسے محدثوں کا محدث اور بخاری عصر کہتے ہیں وہ ہے جو ابن اثیر کی جامع الاصول (کے پڑھنے پڑھانے) میں مصروف ہواورابن صلاح کی علوم الحدیث یاامام نووی کی تقریب اسے یاد ہو حالانکہ اسے محدثین کا کوئی مرتبہ حاصل نہیں ہے۔''

(ترجمانِ وہابیہ،صفحہ19،مطبع محمدی ،لاہور)

عصر حاضر میں وہابی بعض احادیث کی کتابوں کے ترجمے پڑھ کر ائمہ کرام خصوصا امام اعظم پراعتراض کرتے ہیں کہ امام اعظم کی فقہ چند احادیث پر مشتمل ہےاورامام ابوحنیفہ کے کئی مسائل قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔استادِ محترم مفتی قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:''یہ کہنا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے

مسائل قرآن وحدیث کے خلاف ہیں یہ سراسر باطل ومردود قول ہے۔امام اعظم کے ہر قول پر آیت یا حدیث یا قرآن وحدیث کے بتائے ہوئے اصول موجود ہیں۔ہم چیلنج کرتے ہیں کہ ایک بھی قول ایسا نہیں جو کسی نہ کسی آیت یا حدیث یا اصول سے ثابت نہ ہو۔ہاں دھوکہ دہی کے لئے وہابی بہت سی حدیثیں نقل کر سکتے ہیں۔جو ایسی ہی ہونگی کہ امام اعظم نے انہیں چھوڑ کر ان سے زیادہ قوی حدیث پر عمل ہوگا۔ایسے شور وغوغا کی اصلا کوئی پرواہ نہیں اور نہ ہی وہ قابل التفات ہے۔البتہ وہابیوں کے ایسے بہت سے اقوال ہیں صریح قرآن وحدیث کے خلاف ہیں ان میں سے ہم چند بیان کرتے ہیں۔وہابی ان پر آیات واحادیث پیش کر کے دکھائیں:۔

(1) پانی میں نجاست پڑ جائے تو اگر پانی کا رنگ بو یا مزہ نہ بدلا ہو تو پانی پاک ہے،خواہ پانی تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ (نزل الابرار،جلد1،صفحہ29،وحید الزمان غیر مقلد)

(2) دودھ کی کڑاہی میں بچے کے پیشاب کے قطرے گر جائیں تو دودھ پاک ہے۔ (اہلحدیث 13،جون 1919ء)

(3) خنزیر کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ (اہلحدیث 17،نومبر 1922)

(4) خنزیر کے پیشاب کے سوا باقی سب حیوانوں کا پیشاب پاک ہے۔
(اہلحدیث 10،نومبر 1922)

(5) کتے کا بول (پیشاب) اور گوہ (پاخانہ) پاک ہے۔
(نزل الابرار،جلد1،صفحہ50،وحید الزمان غیر مقلد)

(6) کتے اور خنزیر کا لعاب اور ان کا جوٹھا پاک ہے۔
(نزل الابرار،جلد1،صفحہ35،وحید الزمان غیر مقلد)

(7) مردار اور خنزیر کے بال پاک ہیں۔

(نزل الابرار،جلد1،صفحہ30،وحید الزمان غیر مقلد)

یہ بطور نمونہ چند مسائل لکھے ہیں وہابی ان کے قرآن وحدیث سے دلائل دیں۔
ایسے اور بھی چٹ پٹے مسائل پڑھنے ہوں تو نزل الابرار وحیدالزمان پڑھ کر دیکھ لیں۔''

(رسائل قادریہ،صفحہ361،مکتبہ اہلسنت،فیصل آباد)

بخاری ومسلم کے نعرے لگانے والے وہابیوں کے یہ تمام مسائل نہ بخاری میں لکھیں ہیں نہ مسلم بلکہ قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔یہی وہابی سنیوں کے ہر کام کو بدعت وشرک کہتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں یہ کونسی حدیث میں آیا ہے؟ختم والے کھانے کو حرام اور دودھ میں بچے کے پڑے پیشاب کو حلال کہتے ہیں۔اللہ بچائے ایسے استدلال سے۔اس فقاہت کے باوجود یہ وہابی خود کو ائمہ اربعہ تو کیا صحابہ سے بھی زیادہ فقیہ جانتے ہیں چنانچہ وہابیوں کے بڑے عالم وحیدالزماں نے سنن ابن ماجہ کی شرح میں لکھا:''ہمارے زمانہ میں چند بیوقوفوں نے جن کو تمیز نہیں ہے یہ دعوی کیا ہے کہ مجتہد ہونا اس زمانہ میں محال ہے۔حالانکہ برعکس ان کے دعوی کے ہم یہ کہتے ہیں کہ مجتہد ہونا اس زمانہ میں بہت سہل ہے اور مجتہد ہونے کے لئے منطق اور اصول اور کلام کی مشکل کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔صحابہ کرام ان علوم سے محض ناواقف تھے اور صرف کتاب اور سنت کو کسی قدر جانتے تھے لیکن انکا اجتہاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلیم کیا اور ان کو اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کی اجازت دی۔اب جو بھی مجتہد ہونا چاہے اس کو صرف قرآن کے احکام کی آیتیں مع تفسیر اور تاویل کے اور ناسخ اور منسوخ معرفت اور احکام کی حدیثیں منضبط کرلینا کافی ہے۔اور جو حکم ان دونوں میں نہ ملے اس میں اپنی رائے کے موافق حکم دیوے۔ہمارے سید علامہ نے آیات احکام کی تفسیر میں ایک کتاب ''نیل المرام'' نہایت مختصر اور عمدہ لکھی ہے۔قرآن کا علم اس کے پڑھ لینے سے پورا ہو جاتا ہے اور احکام کی

حدیثیں ضروری منتقی الاخبار میں ابن تیمیہ کے موجود ہیں۔اسی طرح تلخیص حافظ ابن حجر کی یہ بھی احادیث احکام میں ایک جامع کتاب ہے۔ پھر جو کوئی نیل المرام اور تلخیص یا منتقی اخبار کوخوب یاد کر لیوے وہ کتاب اور سنت سے بخوبی واقف ہوسکتا ہے۔اوراس کا علم ان صحابہ کے برابر پہنچ جاتا ہے بلکہ زیادہ ہو جاتا ہے جن کے لئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتہاد جائز رکھا۔صرف اتنااور ضرور ہے کہ صحابہ کرام اہل زبان تھے ان کونحو اور صرف اورلغت کی حاجت نہ تھی اگر یہ شخص عربی نہ ہوتو بقدر ضرورت علم عربیت اورلغت بھی حاصل کر لیوے اور اتنا اجتہاد شرعی اور تقلید سے نکلنے کے لئے کافی ہے۔اب پچھلے فقہیوں نے جو اجتہاد کو ایک ہوا بنا دیا ہے اوراس کو ایسا مشکل کر دیا ہے کہ عمر بھر کی محنت میں بھی اس کا حاصل ہونا دشوار ہے۔ یہ ان کی جہالت اور کوتہ اندیشی ہے۔شارع علیہ السلام نے اجتہاد کے لئے ان باتوں کی کبھی شرط نہیں رکھی اور اگر اجتہاد اس کا نام ہوتو صحابہ یا تابعین میں کوئی مجتہد نہ ہوگا حالانکہ یہ بالبداہت باطل ہے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جوکوئی اس زمانہ میں منتقی الاخبار یا تلخیص منضبط کر لیوے وہ علم حدیث میں اگلے اماموں سے زیادہ ہوگا جن کو یہ پچھلے علماء مجتہد خیال کرتے ہیں۔امام ابوحنیفہ کی مرویات مرفوعہ کتبِ حدیث میں ڈیڑھ سو سے زیادہ نہیں ہیں اور اکثر حدیثوں میں ان سے سہو اور مسامحہ بھی ہوا ہے۔"

(شرح سنن ابن ماجہ،جلد2،صفحہ 257،اسلامی اکادمی ،لاہور)

لو جی وہابیوں! موج کرو۔تمہارے امام نے دین کوخوب آسان کر دیا ہے۔تین چار کتابیں پڑھ لو اور شروع ہو جاؤ اجتہاد کرنے۔جس مسئلہ میں آسانی اور انفرادیت نظر آئے وہ لینا اگر وہ حدیث کے خلاف بھی ہوتو کہنا حدیث ضعیف ہے اور میرا اجتہاد قوی ہے جیسے تم لوگوں نے اپنے اجتہاد سے سر ننگے نماز پڑھنا مستحسن بنا رکھا ہے۔مقلدوں کی لکھی

ہوئی کتابیں پڑھ کر مجتہد بن جاؤ، یعنی ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جو خود مقلد تھے انہوں نے ایسی کتاب لکھ دی جس میں موجود علم اس کے امام کے بھی پاس نہیں تھا اور نہ مقلد مفسرین، محدثین، فقہاء کرام کے پاس تھا۔ مولوی وحید الزماں وہابی نے اجتہاد کی تحریک میں سب کو بیوقوف کہہ دیا یہ نہ جانا کہ اتنے محدثین، مفسرین، فقہاء سب تقلید کرتے رہے اور خود کو اجتہاد کا اہل نہ سمجھا۔ الغرض یہ سوچ بالکل جاہلانہ ہے۔ اگر اس پر تفصیلا جواب دیا جائے تو بہت صفحے بھر جائیں گے۔ صرف ایک جھلک اس اجتہاد کی پیش کی جاتی ہے جو ان وہابیوں کے اماموں نے چار کتابیں تو کیا اس سے زائد کتابیں پڑھ کر کیا ہے:۔

غیر مقلد مولوی حافظ عبداللہ روپڑی لکھتا ہے: ''بے نمازی بے شک کافر ہے خواہ ایک نماز کا تارک ہو یا سب نمازوں کا کیونکہ ”من ترك الصلوٰة متعمدا فقد کفر“ (جس نے قصدا نماز چھوڑی اس نے کفر کیا) عام ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر تارک کافر ہے۔ رہا بے نمازی کا ذبیحہ کا حکم سو وہ اہل کتاب کے حکم میں ہونے کی وجہ سے درست ہوسکتا ہے خواہ نیک ذبح کرنے والا پاس ہو یا نہ ہو۔ (یہ بھی غلط ہے کہ جب وہ نماز چھوڑنے پر کافر ہوگیا تو یہ اہل کتاب کی طرح نہ رہا بلکہ مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ بالاجماع حرام ہے۔) ہاں نیک ہر طرح سے بہتر ہے اور بے نمازی جب کافر ہوا تو اس کا کھانا مثل عیسائی کے کھانے کے سمجھ لینا چاہئے، حتی الوسع اس سے پرہیز رکھے عندالضرورۃ کھالے۔''

(فتاوی اہل حدیث، جلد 1، صفحہ 377، ماخوذ از، رسائل اہل حدیث، حصہ اول، صفحہ 52، جمعیۃ اہل سنۃ، لاہور)

حافظ عبداللہ روپڑی خاوند بیوی کے اتحاد و اتفاق سے رہنے کے متعلق لکھتا ہے: ''خاوند بیوی کا تعلق اور ان کا اتفاق ومحبت سے رہنا اس کو شریعت نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کے لئے اللہ پر جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔'' (معاذ اللہ عزوجل)

(مظالم روپڑی،صفحہ 53،ماخوذ از،رسائل اہل حدیث،حصہ اول،صفحہ 53،جمعیۃ اہل سنۃ،لاہور)

مولوی ثناءاللہ امرتسری مرزئی عورت سے نکاح کو جائز قرار دیتے تھے اوران کے پیچھے نماز نہ صرف جائز قرار دیتے تھے بلکہ پڑھ بھی لیتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں:''اگر عورت مرزائن ہے تو علماء کی رائے ممکن ہے مخالف ہو میرے ناقص علم میں نکاح جائز ہے۔''

(اہلحدیث امرتسر 2نومبر 1934،ماخوذ از،رسائل اہل حدیث،حصہ اول،صفحہ 47 ،جمعیۃ اہل سنۃ،لاہور)

مولوی عبد الوہاب ملتانی اپنے اجتہاد میں لکھتا ہے:''مرغ کی قربانی جائز ہے۔چار آٹھ آنے کا گوشت بازار سے خرید کر قربانی کے دنوں میں تقسیم کر دینا قربانی ہے۔''

(مقاصد الامامۃ ،صفحہ 2,5،ماخوذ از،رسائل اہل حدیث،حصہ اول،صفحہ 59،جمعیۃ اہل سنۃ،لاہور)

فتاوی ابراہیمیہ میں مصنفہ مولوی ابراہیم غیر مقلد کہتا ہے:''وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح فرض ہے۔'' (فتاوی ابراہیمیہ،صفحہ2،مطبوعہ دھرم پر کاش ،الہ آباد)

نواب نور الحسن خان کتاب عرف الجادی،صفحہ 3 پرمشت زنی کو جائز ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے:''منقول ہے کہ صحابہ کرام بھی مشت زنی کرلیا کرتے تھے۔''(العیاذ باللہ)

عرف الجادی کے صفحہ 111 پر کہتا ہے:''بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ سے نکاح جائز ہے۔''

اسی کتاب کے صفحہ 60 پر لکھتا ہے:''اونچی قبروں کو زمین کے برابر کر دینا واجب ہے چاہے نبی کی قبر ہو یا ولی کی۔''

خود وحید الزماں کا اجتہاد دیکھیں چنانچہ ہدایۃ المہدی،جلد1،صفحہ 110 میں کہتا

ہے:''خطبہ میں خلفاء(راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم)کے ذکر کا التزام بدعت ہے۔''

نزل الابرار، جلد1، صفحہ 46 میں کہتا ہے:''عورت سے لواطت(یعنی پیٹھ سے صحبت کرنا)کو جائز سمجھنے والا کافر تو کجا فاسق بھی نہیں۔''

ہدایۃ المہدی، جلد 1، صفحہ 88 میں کہتا ہے:''رام چندر لچھمن، کشن جی جو ہندوؤں میں مشہور ہیں، اسی طرح فارسیوں میں زرتشت اور چین اور جاپان والوں میں نفسیوس، اور بدھا اور سقراط وفیثا غورث، یونانیوں میں جو مشہور ہیں ہم ان کی نبوت کا انکار نہیں کرسکتے کہ یہ انبیاء وصلحا تھے۔''

(ماخوذ از، رسائل اہل حدیث، حصہ اول، جمعیۃ اہل سنۃ، لاہور)

دیکھیں کتنے غلط اجتہاد کئے جو قرآن وحدیث و اجماع کے صریح خلاف ہیں۔ جو مسلمانوں کو مشرک، اولیاء کو بُرا بھلا کہنے والے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نکتہ چینی کرنے والے ہوں انکے لئے یہ سب کچھ کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حق فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "إذا لم تستحی فاصنع ما شئت"ترجمہ: جب تو بے حیا ہو جائے تو جو چاہے کر۔

(صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 1284، کتاب الانبیاء، باب أم حسبت، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت)

امام احمد رضا خان نے ایک مقام پر ان کی حدیث دانی پر زبردست کلام کیا اور ان کی گمراہی کو احادیث سے ثابت کیا، جس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔''یا معشر المسلمین یہ فرقہ غیر مقلدین کہ تقلید ائمہ دین کے دشمن اور بیچارہ عوام اہل اسلام کے رہزن ہیں، مذاہب اربعہ کو چوراہا بتائیں ائمہ وہدی کو احبار ورہبان ٹھہرائیں، سچّے مسلمانوں کو کافر مشرک بنائیں، قرآن وحدیث کی آپ سمجھ رکھنا، ارشاداتِ ائمہ کو جانچنا پرکھنا ہر عامی جاہل

کا کام کہیں، بے راہ چل کر، بیگانہ مچل کر، حرامِ خدا کو حلال کر دیں حلال خدا کو حرام کہیں، ان کا بدعتی بدمذہب گمراہ بے ادب ضال مضل غوی مبطل ہونا نہایت جلی واظہر۔۔۔۔ اصل اس گروہ ناحق پژدہ کی نجد سے نکلی، صحیح بخاری شریف میں ہے "عن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال ذکر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم فقال اللّٰھم بارك لنا فی شامنا اللھم بارك لنا فی یمننا قالوا یارسول اللّٰہ وفی نجدنا قال اللّٰھم بارك لنا فی شامنا اللھم بارك لنا فی یمننا قالوا یارسول اللّٰہ وفی نجدنا فاظنّه قال فی الثالثة هناك الزلزال والفتن وبها یطلع قرن الشیطان" نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پُر نور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی الٰہی! ہمارے لئے برکت دے ہمارے شام میں، ہمارے لئے برکت رکھ ہمارے یمن میں، صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نجد میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ وہی دُعا کی الٰہی! ہمارے لئے برکت کر ہمارے شام میں الٰہی! ہمارے لیے برکت بخش ہمارے یمن میں۔ صحابہ نے پھر عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نجد میں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میرے گمان میں تیسری دفعہ حضور نے نجد کی نسبت فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہیں سے نکلے گا شیطان کا سینگ ۔۔۔۔ اس خبرِ صادق مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق عبدالوہاب نجدی کے پسر واتباع نے بحکم آنکہ "پدر اگر نتواند پسر تمام کند" (باپ اگر نہ کرسکا تو بیٹا تمام (مکمل) کردے گا) تیرھویں صدی میں حرمین شریفین پر خروج کیا اور ناکردنی کاموں ناگفتنی باتوں سے کوئی دقیقہ زلزلہ وفتنہ کا اُٹھا نہ رکھا ﴿وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴾ اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں

گے۔حاصل اُن کے عقائدزائغہ کا یہ تھا کہ عالم میں وہی مشت ذلیل موحد مسلمان ہیں باقی تمام مومنین معاذ اللہ مشرک۔اسی بناء پر انھوں نے حرمِ خداوحریمِ مصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ والثناءکوعیاذ اًباللہ دارالحرب اوروہاں کے سُکّانِ کرام ہمسائیگانِ خداورسول کو(خاکم بدہانِ گستاخاں) کافرومشرک ٹھہرایا اور بنامِ جہاد وخروج کرکے لوائے فتنۂ عظمٰے پر شیطانیت کبریٰ کاپرچم اُڑایا۔۔۔۔

غرض یہ فتنۂ شنیعہ وہاں سے مطرود اور خدا ورسول کے پاک شہروں سے مدفوع و مردود ہوکراپنے لئے جگہ ڈھونڈتا ہی تھا کہ نجد کے ٹیلوں سے اس دارالفتن ہندوستان کی نرم زمین اسے نظر پڑی،آتے ہی یہاں قدم جمائے، بانی فتنہ نے کہ اس مذہب نامہذب کا معلم ثانی ہوا وہی رنگ آہنگ کفروشرک پکڑا کہ ان معدودے چند کے سوا تمام مسلمان مشرک، یہاں یہ طائفہ بحکم ﴿اَلَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَھُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا﴾(وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں جُدا جُدا راہیں نکالیں اورکئی گروہ ہوگئے)۔خودمتفرق ہوگیا ایک فرقہ بظاہرمسائل فرعیہ میں تقلید ائمہ کا نام لیتا رہا دوسرے نے "قدمِ عشق پیشتر بہتر" (عشق کا قدم آگے بڑھانا ہی بہتر ہے۔)کہہ کراسے بھی بالائے طاق رکھا، چلئے آپس میں چل گئی وہ انھیں گمراہ یہ اُنھیں مشرک کہنے لگے مگر مخالفتِ اہلسنت وعداوت اہلِ حق میں پھرملت واحدہ رہے،ہرچندان اتباع نے بھی تکفیرِ مسلمین میں اپنی چلتی گئی نہ کی لیکن پھر کلام الامام امام الکلام (امام کا کلام،کلام کاامام ہوتا ہے۔) ان کے امام وبانی وثانی کوشرک وکفرکی وہ تیز وتند چڑھی کہ مسلمانوں کےمشرک کافر بنانے کوحدیث صحیح مسلم"لا یذھب اللیل والنھار حتی یعبد اللات والعزّی(الی قولہ)یبعث اللہ ریحاطیبۃ فتوفی کل من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فیبقی

من لاخیر فیہ فیرجعون الٰی دین اٰبائھم "مشکوٰۃ کے باب "لا تقوم الساعۃ شرارالناس " سےنقل کرکے بے دھڑک زمانہ موجودہ پر جمادی جس میں حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزّٰی کی پھر سے پرستش نہ ہو اورؤہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اُٹھا لے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا انتقال کرے گا جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہوجائے گی۔اس حدیث کو نقل کرکے صاف لکھ دیا سو پیغمبرِ خدا کے فرمانے کے موافق ہوا (یعنی وہ ہوا چل گئی۔) انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

ہوشمند نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ اگر یہ وہی زمانہ ہے جس کی خبر حدیث میں دی تو واجب ہُوا کہ روئے زمین پر مسلمان کا نام ونشان باقی نہ ہو بھلے مانس اب تُو اور تیرے ساتھی کدھر بچ کر جاتے ہیں؟ کیا تمھارا طائفہ دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستا ہے؟ تم سب بھی انہیں شرارالناس وبدترین خلق میں ہوئے جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان کا نام نہیں اور دین کفار کی طرف پھر کر بتوں کی پوجا میں مصروف ہیں، سچ آیا حدیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "حبك الشیء یعمی ویصم "کسی چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کردے گی۔

شرک کی محبت نے اس ذی ہوش کو ایسا اندھا بہرا کردیا کہ خود اپنے کفر کا اقرار کر بیٹھا ،غرض تو یہ ہے کہ کسی طرح تمام مسلمان معاذ اللہ مشرک ٹھہریں اگرچہ پرائے شگون کو اپنا ہی چہرہ ہموار ہوجائے ،اوراس بیباک چالاک کی نہایت عیاری یہ ہے کہ اُسی مشکوٰۃ کے اُسی " باب لاتقوم الساعۃ الاعلی شرارالناس " میں اسی حدیث مسلم کے برابر

متصل بلافصل دوسری حدیث مفصل۔اسی صحیح مسلم کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وُہ موجود تھی جس سے اس حدیث کے معنٰی واضح ہوتے اور اُس میں صراحۃً ارشاد ہوا تھا کہ یہ وقت کب آئے گا اور کیونکر آئے گا اور آغازِ بُت پرستی کا منشا کیا ہوگا؟۔۔۔

واقعی یہ لوگ اُن پُرانے خوارج کے ٹھیک ٹھیک بقیہ و یادگار ہیں وہی مسئلے وہی دعوے وہی انداز وہی وتیرے، خارجیوں کا داب تھا، اپنا ظاہر اس قدر متشرع بناتے کہ عوام مسلمین انہیں نہایت پابندِ شرع جانتے پھر بات پر عمل بالقرآن کا دعویٰ عجب دام درسبزہ تھا مسلک وہی کہ ہم ہی مسلمان ہیں باقی سب مشرک۔یہی رنگ ان حضرات کے ہیں آپ موحد اور سب مشرکین، آپ محمدی اور سب بددین، آپ عامل بالقرآن والحدیث اور سب چنیں وچناں بزم خبیث، پھر ان کے اکثر مکلبین ظاہری پابندی شرع میں خوارج سے کیا کم ہیں؟ اہلسنّت کان کھول کر سُن لیں دھوکے کی پٹّی میں شکار نہ ہوجائیں، ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا"تحقرون صلاتکم مع صلاتھم وصیامکم مع صیامھم وعملکم مع عملھم" تم حقیر جانوگے اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے سامنے اور اپنے روزے ان کے روزوں کے سامنے اور اپنے اعمال کو اُن کے اعمال کے مقابل۔۔۔۔" (فتاوٰی رضویہ، جلد6، صفحہ656، رضافائونڈیشن، لاہور)

اللہ عزوجل! ہمیں ان کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔آمین۔

۔۔۔باب چھارم:فقہ اور فتوی۔۔۔

فقہ میں فتوی کو بہت مقام حاصل ہے۔اس باب کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ مقلد مفتیانِ کرام جب کسی مسئلہ پر فتوی دیتے ہیں تو اس کے بھی کچھ لوازمات و اصول ہوتے ہیں۔غیر مقلدوں کی طرح نہیں کہ جو بات عقل و دل کو بھائے اس پر فتوی دیدیا، باپ کا فتوی بیٹے کے مخالف ہو اور بیٹے کا باپ کے کیونکہ دونوں کی عقل مختلف ہے۔شرعا حدیث،تفسیر،قراءت اور فقہ الگ الگ شعبہ ہیں۔کسی حدیث کی سند پر کلام کے لئے محدث کی طرف جایا جاتا ہے،قراءت میں قاری،قرآن کی تفسیر میں مفسر کی طرف اور حلال وحرام کے معاملہ میں فقیہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔عظیم محدث امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" فإن علم الحلال و الحرام إنما يتلقى من الفقهاء "ترجمہ:حلال وحرام کا علم فقہاء سے حاصل کرنا چاہیئے۔

(فتح الباری ،باب انزل القرآن علی سبعة احرف،جلد9،صفحہ37، دار الفکر ،بیروت)

جبکہ وہابی اپنے فتوی میں محدث کے قول کو دلیل بناتے ہیں۔اگر کسی محدث کا قول نہ ملے یا قول اپنی مرضی کا نہ ہو تو خود مجتہد بن کر اجتہاد کرتے ہیں۔ایک غیر مقلد کا فتوی دیکھا جس میں اس سے سوال ہوا کہ میرے پاس کسی کی امانت تھی وہ ضائع ہوگئی۔قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ مجھ پر کیا حکم ہے؟اس کا جواب بخاری و مسلم میں نہ تھا مجبورا غیر مقلد کو اجتہاد کرنا تھا اور اجتہاد بھی ایسا کہ جو منفرد ہو۔لہذا اس نے پہلے امانت کے متعلق آیات وحدیث لکھیں کہ امانت کے متعلق یہ حکم ہے وغیرہ۔اس نے بے محل امانت کے متعلق آیات وحدیث لکھ کر سائل کو مطمئن کیا کہ فتوی قرآن وحدیث کی روشنی میں ہے۔پھر آخر میں جو مطلوبہ جواب تھا اس میں بغیر دلیل اپنا اجتہاد کرتے ہوئے کہا کہ جب امانت ضائع

ہو گئی ہے تو دونوں مل ملا کر کوئی صورت اختیار کر لیں یعنی کچھ وہ چھوڑ دے اور کچھ یہ دیدے۔ یہ اس کا اجتہاد واقعی منفرد و نرالہ تھا۔حنفی کتبِ فقہ میں اس مسئلہ کا بہت بہترین جواب دیا گیا ہے کہ اگر امانت سنبھال کر رکھی تھی اور بغیر اس کی کوتاہی کے ضائع ہو گئی تو اس پر کچھ ضمان نہیں ورنہ کوتاہی کی صورت میں ضمان دے گا۔

دوسرا اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ غیر مقلد فتوی دینے میں احناف کی مخالفت، اپنی انفرادیت کو قائم کرنے اور رعایت کی طرف زیادہ جائیں گے کہ لوگ غیر مقلدیت سے متاثر ہوں ۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن غیر مقلدوں کی تفقہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''یہ حضرات جس مسئلہ میں خلاف کریں گے آرام نفس ہی کی طرف کریں گے کبھی وہ مذہب ان کے نزدیک راجح نہ ہوا جس میں ذرا مشقت کا پلہ جھکا، تراویح میں بیس رکعت چھوڑیں تو چھتیس کی طرف نہ گئے جو امام مالک سے مروی، نہ چالیس لیں جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول اور امام اسحٰق بن راہویہ و اہل مدینہ کا مذہب تھا، آٹھ پر گرے کہ آرام کا سبب تھا۔'' (فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ691، رضافائونڈیشن، لاہور)

انکی احناف سے مخالفت و انفرادیت اور رعایتیں دینے کا منہ بولتا ثبوت ایک مجلس میں دی گئی اکٹھی تین طلاقوں کو ایک کہنا ہے جو کہ صریح صحابہ کرام وائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہے۔ احادیث، صحابہ کرام، محدثین اور فقہائے کرام سے یہ ثابت ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ نافذ ہو جاتی ہیں اور جو تین طلاقوں کو ایک مانے فقہاء کرام اور محدثین نے ایسوں کو بدعتی قرار دیا ہے چنانچہ شارح بخاری امام ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اتفق أئمة الفتوی علی الزوم أیقاع طلاق الثلاث فی کلمة واحدة،فان ذلك عندهم مخالف للسنة و هو قول جمهور السلف

والخلاف فی ذلك شذوذ وانما تعلق به اهل البدع۔۔عن ابن عباس فیمن طلق امرأته ثلاثا انه قدعصی ربه وبانت منه امرأته ولا ینکحها الا بعد زوج روی هذا عن عمر ،وعلی،و ابن مسعود، و ابن عمر، وابی هریرة، وعمران بن حصین،ذکر ذلك الطحاوی بالاسانید عنهم"ترجمہ:ائمہ فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ایک وقت میں تین اکٹھی طلاقیں دی جائیں تو نافذ ہوجاتی ہیں اور اکٹھی تین طلاقیں دینا سنت کے خلاف ہے اور یہ قول جمہور اسلاف کا ہے اور تین طلاقوں کے ایک ہونے کا قول شاذ اور اہل بدعت سے متعلق ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے اس نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اسکی بیوی بائنہ ہوگی اور بغیر حلالہ کے اس سے نکاح جائز نہیں۔ایسا ہی حضرت عمر فاروق ،وعلی المرتضیٰ، وابن مسعود، وابن عمر، وابی ھریرۃ، وعمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے مروی ہے جسے امام طحاوی نے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(ابن بطال شرح بخاری، کتاب الطلاق،باب من اجاز طلاق الثلاث،جلد 7،صفحہ 322،دارالکتب العلمیة،بیروت)

ایک مجلس میں دی گئیں اکٹھی تین طلاقوں کے واقع ہونے کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نافذ کیا تھا۔غیر مقلدوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلے کا نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کا یہ فیصلہ غیر شرعی قرار دیدیا۔چنانچہ غیر مقلدوں کی ایک کتاب میں ہے:''حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل (تطلیقاتِ ثلاثہ فی مجلس واحد کا طلاق بائن قرار دینا) نہ تو اصل حکم شریعت کے لئے ناسخ ہے اور نہ ہم حدیث کے مقابلے میں بعض صحابہ کے فتوے کی پیروی پر مجبور ہیں۔''

(ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل،صفحہ 170،دارلسلام ،لاہور)

پھر یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فیصلے سے بعد میں ندامت بھی ہوئی تھی چنانچہ لکھتے ہیں: ''آخری ایام میں انہیں اس بات کا احساس بھی ہوا کہ مجھے بطور سزا بھی یہ اقدام نہیں کرنا چاہئے تھا جس پر انہوں نے اظہار ندامت بھی کیا۔'' (ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل،صفحہ49،دارلسلام ،لاہور)

یہ بھی نہ سوچا کہ کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کے مقابل اپنے پاس سے فیصلہ دے سکتے ہیں؟ کیا صحابہ کرام علیہم الرضوان اس غلط فیصلے پر معاذ اللہ عزوجل اجماع کر سکتے ہیں؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اللہ عزوجل کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر" ترجمہ: میرے بعد ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیروی کرو۔

(مسند احمد بن حنبل ،حدیث حذیفہ بن الیمان ،جلد38،صفحہ380،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

اسی طرح اور بھی ان کے فتاوٰی میں صریح غلطیاں احادیث واجماع کے خلاف دیکھنے میں آئی ہیں۔ لہٰذا یہ بتانا ضروری ہے کہ مقلد مفتیان کرام کن اصول ولوازمات کو سامنے رکھ کر فتوی دیتے ہیں ۔ یہ وہ اصول ولوازمات ہیں جو صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بتایا جاتا ہے کہ فقہاء کے سات درجے ہیں:۔

(1) پہلے درجہ میں مجتہدین شرع ہیں جیسے چاروں ائمہ کرام رحمہم اللہ جنہوں نے قواعد واصول وضع فرمائے۔

(2) دوسرا درجہ مجتہدین فی المذہب کا ہے جیسے امام محمد، امام یوسف و دیگر مجتہدین رحمہم اللہ۔ جنہوں نے اپنے ائمہ ہی کے اصول وقواعد سے قرآن وحدیث سے

مسائل استنباط کئے اور بعض مسائل میں دلیل کی بنیاد پر اپنے ائمہ سے اختلاف کیا۔

(3) تیسرے درجہ میں مجتہد فی المسائل ہیں جیسے امام خصاف، کرخی، حلوانی، سرخسی، بزدوی، قاضی خان، طحاوی رحمہم اللہ۔ جن مسائل میں امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ رحمہم اللہ سے کوئی روایت منقول نہیں، یہ حضرات اپنے اجتہاد سے انہیں اصول وضوابط کی روشنی میں احکام بیان کرتے ہیں۔

(4) چوتھا درجہ میں اصحاب تخریج ہیں مثلاً جصاص رازی وغیرہ۔ یہ مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہیں اور اصول وضوابط پر انہیں مہارت حاصل ہے۔ جو قول مذہب سے مجمل ومبہم منقول ہو اس کی تفصیل وتعیین بیان کرتے ہیں۔

(5) پانچویں درجہ میں اصحاب ترجیح ہیں جیسے صاحب قدوری، صاحب ہدایہ وغیرہ رحمہم اللہ۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں۔ ان کا کام مختلف روایتوں میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے ’’ھذا اصح، ھذا اولیٰ وغیرہ۔

(6) چھٹے درجہ میں اصحاب تمیز ہیں جیسے صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ رحمہم اللہ۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اقوی، قوی اور ضعیف اقوال کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ ان کی شان یہ ہے کہ اپنے کتب میں مردود اقوال اور ضعیف روایات کو نقل نہ کریں۔

(7) ساتویں درجہ میں مقلد محض ہوتے ہیں جو مختلف اقوال کی تمیز نہ کر سکیں۔

(ماخوذاز، ردالمحتار، مقدمہ، جلد1، صفحہ1، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

دیکھیں کس طرح حنفی فقہ میں موجود مسائل کی تحقیق ہوئی، مجتہدین نے قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کیا اور بعض دفعہ دیگر مجتہدین نے قرآن وحدیث کی ہی روشنی

میں اپنے استاد سے اختلاف کیا۔اصحاب ترجیح نے بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے کثیر علم سے فقہ کی تصحیح کی ،قوی دلیل کی بنیاد امام ابوحنیفہ کے قول کو چھوڑ صاحبین کے قول کو لے لیا۔اس سے وہابیوں کا یہ کہنا غلط ثابت ہوگیا کہ مقلد بغیر دلیل امام ابوحنیفہ کے قول کو لے لیتے ہیں۔موجودہ دور میں مجتہدین ناپید ہیں مگر فتوی میں مذہب حنفی کے اصول وقواعد میں جدید مسئلہ کو حل کیا جاتا ہے۔مفتی اس پر دلائل دیتا ہے۔

فصل اول:فتویٰ

فتویٰ کی تعریف

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف ہے کسی پوچھے گئے مسئلہ کا شرعی حکم بتانا۔فتویٰ میں عبادات ومعاملات سب آجاتے ہیں چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے"یدخل الإفتاء الأحكام الاعتقادية من الإيمان بالله واليوم الآخر وسائر أركان الإيمان ويدخل الأحكام العملية جميعها من العبادات والمعاملات والعقوبات والأنكحة ، ويدخل الإفتاء الأحكام التكليفية كلها ، وهى الواجبات والمحرمات والمندوبات والمكروهات والمباحات ، ويدخل الإفتاء فى الأحكام الوضعية كالإفتاء بصحة العبادة أو التصرف أو بطلانهما"ترجمہ:افتاء میں اعتقادیات،اللہ پر ایمان،قیامت پر ایمان اور تمام ارکان اسلام داخل ہیں،اسی طرح تمام عملی احکام عبادات معاملات اورعقوبات داخل ہیں۔افتاء میں تمام احکام تکلیفی واجبات،محرمات،مندوبات،مکروہات،مباحات اور احکام وضعی جیسے عبادت کی صحت و بطلان کے احکام داخل ہیں۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد32،صفحه25، دار الصفوة ،مصر)

فتوی کی ضرورت واہمیت

اسلام میں فتوی کی بہت زیادہ ضرورت واہمیت ہے۔جس مسئلہ کے بارے میں علم نہیں مسلمان پر اس کا اہل علم سے پوچھنا واجب ہے چنانچہ الموسوعۃ الفقھیہ میں ہے"استفتاء العامی الذی لا یعلم حکم الحادثة واجب علیه ، لوجوب العمل حسب حکم الشرع ، ولأنه إذا أقدم علی العمل من غیر علم فقد یرتکب الحرام ، أو یترك فی العبادة ما لا بد منه ، قال الغزالی العامی یجب علیه سؤال العلماء ، لأن الإجماع منعقد علی أن العامی مکلف بالأحکام" ترجمہ: غیر عالم جسے درپیش مسئلہ کا حکم معلوم نہیں اسکا حکم پوچھنا اس پر واجب ہے کہ اس کا عمل حکم شرع کے مطابق ہو جائے۔اگر وہ بغیر علم کے عمل کرے تو حرام کا مرتکب ہوگا یا جو عبادت اس پر لازم ہے اس کا ترک کرے گا۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غیر عالم کا علماء سے سوال کرنا واجب ہے اس لئے کہ اس پر اجماع ہے کہ غیر عالم احکام میں مکلّف ہے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد32،صفحه46،دار الصفوة ،مصر)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا"الا سئلوا ان لم یعلموا فانما شفاء العی السؤال " ترجمہ: اگر وہ نہیں جانتے تو پوچھتے کیوں نہیں کیونکہ جہالت کی شفاء سوال کرنا ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة،باب (فی)المجروح یتیمم،جلد1،صفحه145،دار الفکر،بیروت)

المعجم الاوسط للطبرانی میں ہے"عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا ینبغی للعالم أن یسکت علی علمه ، ولا ینبغی للجاهل أن یسکت علی جهله ،قال الله جل ذکره﴿**فسألوا أهل الذکر إن کنتم لا**

تعلمون﴾ ”ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عالم کا علم پر خاموش رہنا درست نہیں اور جاہل کا جہالت پر خاموش رہنا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اے لوگو ! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، جلد5، صفحہ298، دار الحرمین، القاہرۃ)

اللہ عزوجل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل علم حضرات نے لوگوں کو درپیش مسائل میں فتاوی دیئے ہیں ”أن اللہ تعالی أفتی عبادہ، وقال﴿**ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن**﴾ وقال﴿**یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ**﴾ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتولی ہذا المنصب فی حیاتہ، وکان ذلك من مقتضی رسالتہ، وقد کلفہ اللہ تعالی بذلك حیث قال ﴿**وأنزلنا إلیک الذکر لتبین للناس ما نزل إلیھم ولعلھم یتفکرون**﴾ فالمفتی خلیفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی أداء وظیفۃ البیان، وقد تولی ہذہ الخلافۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم أصحابہ الکرام، ثم أھل العلم بعدھم“ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فتوے دیئے فرمایا: اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے۔ اور فرمایا: اے محبوب! تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات میں فتوی دینے کے منصب پر تھے اور یہ رسالت کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلّف بنایا تھا چنانچہ ارشاد فرمایا: اور اے محبوب! ہم نے تمہاری ہی طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جوان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔ مفتی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہے لوگوں کو مسائل بیان

کرنے میں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام اس منصب کو سرانجام دیتے رہے پھران کے بعد اہل علم حضرات فتوی دیتے رہے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد32،صفحه23،دار الصفوة ،مصر)

صاحبِ فتوی صحابہ کرام وتابعین علیہم الرضوان

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بہت بڑی تعداد اہل فتوی تھی ۔سب سے بڑھ کر فقاہت میں خلفائے اربعہ تھے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علم و فقاہت کے متعلق خطیب بغدادی حدیث پاک نقل کرتے ہیں"عن أبی الطفیل قال شهدت علياً وهو يخطب وهو يقول سلونی والله لا تسألونی عن شیء يكون إلى يوم القيامة إلّا حدثتكم به " ترجمہ: حضرت ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ میں یہ کہتے دیکھا مجھ سے پوچھو اللہ کی قسم! تم مجھ سے قیامت تک کسی چیز کے متعلق سوال نہ کروگے مگر میں اس کا جواب دوں گا۔

(الفقيه و المتفقه، جلد2، صفحه352،دار ابن الجوزی،سعوديه)

خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بعد تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے علم وفقاہت میں زائد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے"هو عند ائمتنا افقه الصحابة بعد الخلفاء الاربعة " ترجمہ: ہمارے ائمہ کے نزدیک ابنِ مسعود خلفاءِ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔

(مرقاة ،باب جامع المناقب ،الفصل الاول ،جلد11،صفحه 341،مكتبه رشيديه، كوئٹه)

صحابہ کے بعد تابعین میں سے بھی کثیر لوگ مفتی تھے۔فتوی دینے والے صحابہ کرام وتابعین علیہم الرضوان کے نام درج ذیل ہیں:۔

مفتیانِ مدینہ منورہ:۔ حضرات خلفائے اربعہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سعید بن المسیب، حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت علی بن الحسین، حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مفتیانِ مکہ معظّمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عکرمہ مولی ابن عباس، حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلمہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مفتیانِ کوفہ:۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت اسود، حضرت علقمہ بن قیس، حضرت مسروق بن الاجدع، حضرت شریح ابن الحارث، حضرت عامر بن شرجیل۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مفتیانِ شام:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن الغنم، حضرت رجاء بن حیوۃ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مفتیانِ مصر:۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت یزید بن ابی حبیب۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مفتیانِ یمن:۔ حضرت طاؤس بن کیسان، حضرت وہب بن منبہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

بغیر علم فتوی دینے پر وعیدیں

لاکھوں صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں چند حضرات ہی منصب افتاء پر تھے۔ گویا کہ ہر کسی کو فتوی دینے کی اجازت نہیں۔ اور بغیر علم کے فتوی دینا سخت حرام ہے، اس پر وعید آئی ہیں۔ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے "الإفتاء بغير علم حرام ، لأنه

یتضمن الکذب علی اللہ تعالی ورسولہ ، ویتضمن إضلال الناس ، وھو من الکبائر ، لقولہ تعالی ﴿**قل إنما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والإثم والبغی بغیر الحق وأن تشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا وأن تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون**﴾ فقرنہ بالفواحش والبغی والشرك"ترجمہ: **بغیر علم کے فتوی دینا حرام ہے اسلئے کہ یہ اللہ عزوجل و رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ اور لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب ہے۔ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جوان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے۔ اس آیت میں بغیر علم اللہ پر بات کرنے کو بے حیائی، ناحق زیادتی اور شرک کے ساتھ ذکر کیا۔**

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد32، صفحہ24، دار الصفوة ،مصر)

معجم ابن عساکر کی حدیث پاک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من أفتی الناس بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماء والأرض"ترجمہ: **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کو بغیر علم کے فتوی دے اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔**

(کنز العمال، کتاب العلم ،الباب الثانی فی آفات العلم--جلد10، صفحہ349، مؤسسة الرسالة، بیروت)

اہل علم، سجادہ نشین، خلیفہ حضرات کو اس میں اور زیادہ احتیاط کرنی چاہئے کہ ان کی جہالت لوگوں کو گمراہ کرے گی اور یہ ان پر وبال ہوگا۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے"عن أبی عبیدۃ بن عبد اللہ بن مسعود أنہ قال إن من أشد الناس عذابا یوم القیامۃ إمام

مضل یضل الناس بغیر علم " ترجمہ: حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے انہوں فرمایا بے شک سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت والے دن گمراہ پیشوا جو بغیر علم لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اسے ہوگا۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب اہل الکتابین، باب التماثیل وما جاء فیه، جلد 10، صفحہ 398، المکتب الإسلامی، بیروت)

غلط فتوی پر جو عمل کرے اس کا گناہ بھی فتوی دینے والے پر ہے۔ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم من أفتی بغیر علم کان إثمه علی من أفتاه" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بغیر علم کے فتوی دے تو فتوی پر عمل کرنے والے کا گناہ بھی فتوی دینے والے پر ہے۔

(سنن ابو دائود ، کتاب العلم ، باب التوقی فی الفتیا، جلد2، صفحہ345، دار الفکر ، بیروت)

ہمارے اسلاف جس مسئلہ کے متعلق پتہ نہ ہوتا معذرت کر لیتے چنانچہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "أخبرنی عقبة بن مسلم أن ابن عمر سئل عن شیء فقال لا أدری ، ثم اتبعها فقال أتریدون أن تجعلوا ظهورنا لکم جسوراً فی جهنم أن تقولوا أفتانا ابن عمر بهذا" ترجمہ: حضرت عقبہ بن مسلم نے بتایا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا، پھر اسکے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ ہم اپنی پشت کو تمہارے لئے جہنم کا پل بنالیں، تم کہو کہ ہمیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا فتوی دیا تھا؟ (یعنی ہماری بات کو دلیل بنا کر خود بچ جاؤ اور ہماری پکڑ ہو جائے۔)

(الفقیه و المتفقه، جلد2، صفحہ365، دار ابن الجوزی، سعودیه)

فصل دوم:فتوی دینے کے لوازمات

مفتی کی صفات

مفتی اللہ عزوجل اور اسکے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے،کیونکہ وہ بندوں تک اللہ عزوجل کے احکام پہنچاتا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے بعد یہ عمل علماء سرانجام دیتے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" العلماء ورثة الأنبياء "ترجمہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔لہذا مفتی کو اپنا یہ فریضہ احسن طریقے سے سرانجام دینا چاہئے۔مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہونے کے سبب ان کے نقش قدم پر ہو،متقی و پرہیزگار ہو۔خطیبِ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں" لا خير في القول إلا مع الفعل ولا في المنظر إلا مع المخبر ولا في الفقه إلا مع الورع " ترجمہ:کہنا اور خود عمل نہ کرنے میں بھلائی نہیں،بغیر دیکھے خبر دینے اور فقہ میں بغیر ورع (تقوی سے اوپر والا درجہ) کے بھلائی نہیں۔

(الفقيه و المتفقه،جلد2،صفحه340،دار ابن الجوزی،سعوديه)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں" ألا أنبئكم بالفقيه حق الفقيه ؟ من لم يقنط الناس من رحمة الله ، ولم يرخص لهم في معاصي الله ، ولم يؤمنهم مكر الله ، ولم يترك القرآن إلى غيره ، ولا خير في عبادة ليس فيها تفقه ولا خير في فقه ليس فيه تفهم ، ولا خير في قراءة ليس فيها تدبر" ترجمہ:کیا میں تم کو نہ بتاؤں کے فقہ میں فقیہ کا حق کیا ہے؟ جو لوگوں میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، گناہ کے کاموں میں ان کو رخصت نہ دے،اللہ عزوجل کی خفیہ تدبیر سے ڈرے،غیر کے لئے قرآن کے احکام نہ چھوڑے،اس عبادت میں بھلائی نہیں جس میں تفقہ نہ ہو،اس فقہ میں

بھلائی نہیں جس میں فہم نہ ہو اور اس تلاوت میں بھلائی نہیں جس میں تدبر نہ ہو۔

(الفقیه و المتفقه، جلد2، صفحه339، دار ابن الجوزی، سعودیه)

امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں"لا ینبغی للرّجل أن ینصب نفسه للفتیا حتّی یکون فیه خمس خصال أن تکون له نیّة ، فإن لم یکن له نیّة لم یکن علیه نور ولا علی کلامه نور ، وأن یکون له علم وحلم ووقار وسکینة ، وأن یکون قویّاً علی ما هو فیه وعلی معرفته " ترجمہ: آدمی کے لئے فتوی دینے کا منصب درست نہیں جب تک اس میں پانچ خصلتیں نہ ہوں، اچھی نیت ہو کہ اگر اچھی نیت نہ ہو تو نہ اس کے فتوی میں نور رہوگا نہ اس کے کلام میں نور رہوگا، مفتی میں علم وحلم وقار اور سکینہ ہو، مفتی منصب افتاء میں مضبوط اور اس کے لوازمات کو جاننے والا ہو۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد32، صفحه31، دار الصفوة، مصر)

مفتی کو چاہئے کہ کثرت سے استغفار کرے کہ اس سے مسائل میں جو خطا سرزرد ہو جائے وہ معاف ہو جائے گی۔ قرآن پاک میں ہے ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ○ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب! بیشک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورة النساء، سورت4، آیت106)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگا میں حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے حافظہ کمزور ہونے کی عرض کی تو آپ نے انہیں گناہ چھوڑنے کی ہدایت کی اور فرمایا "العلم نور ونور الله لا یؤتاه عاصی " ترجمہ: علم نور ہے اور اللہ عزوجل کا نور گناہ گار کو عطا نہیں کیا

جاتا ہے۔ (الخلاف بین العلماء ،صفحہ38،دارالوطن)

مفتی کی یہ صفت ہونی چاہئے جس مسئلہ کے بارے میں پتہ نہ ہو فورا کہہ دے کہ معلوم نہیں۔حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے " عن عبد اللہ بن عمر ، قال العلم ثلاثة کتاب ناطق ، وسنة ماضیة ، ولا أدری" ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں علم تین ہیں،قرآن وسنت اور یہ کہنا میں نہیں جانتا۔

(الفقیہ و المتفقہ،جلد2،صفحہ366،دار ابن الجوزی،سعودیہ)

فیض القدیر میں ہے"عن ابن مسعود إذا سئل أحدکم عما لا یدری فلیقل لا أدری فإنہ ثلث العلم" ترجمہ:حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے جب تم میں سے کسی سے کوئی سوال پوچھا جائے جس کا اسے علم نہیں تو وہ کہے میں نہیں جانتا کہ یہ کہنا علم کا تیسرا حصہ ہے۔ (فیض القدیر،جلد1،صفحہ226،المکتبة العلمیہ،بیروت)

ہمارے بزرگانِ دین مسائل بتانے میں نہایت احتیاط کرتے تھے،جس مسئلہ میں ذرا سا بھی شبہ لگتا جواب نہ دیتے آگے کسی اور کے پاس بھیج دیتے۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے"قال عبد الرحمن بن أبی لیلی أدرکت عشرین ومائة من الأنصار من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسأل أحدھم عن المسألة ، فیردھا ھذا إلی ھذا ، وھذا إلی ھذا ، حتی ترجع إلی الأول" ترجمہ:حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے دو ہزار انصار صحابہ میں یہ پایا کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو یہ دوسرے کی طرف پوچھنے کے لئے بھیج دیتے،وہ دوسرا آگے کسی اور کے پاس یونہی ایسا ہوتا رہتا یہاں تک کہ وہ واپس پہلے کے پاس آجاتا۔

(الموسوعة الفقھیة الکویتیة،جلد32،صفحہ22،دار الصفوة ،مصر)

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پچاس سوال پوچھے گئے آپ نے ایک

کا بھی جواب نہ دیا اور فرماتے تھے ”من أجاب فينبغي قبل الجواب أن يعرض نفسه على الجنة و النار ، و كيف خلاصه ، ثم يجيب “ ترجمہ: جو مسئلہ بتائے اس کے لئے مناسب ہے کہ مسئلہ بتانے سے قبل اپنے آپ کو جنت و دوزخ پر پیش کرے کہ کیسے دوزخ سے خلاصی ہو پھر جواب دے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد32، صفحه24، دار الصفوة ،مصر)

مفتی کو جس مسئلہ میں شبہ لگے دوسرے سے مشورہ کر لے کہ اس میں صالحین کی اقتداء و برکت ہے ”و كانت الصحابة تشاور في الفتاوى و الأحكام“ ترجمہ: صحابہ کرام علیہم الرضوان احکام اور فتاوٰی میں مشورہ کرتے تھے۔

(الفقيه و المتفقه، جلد2، صفحه390، دار ابن الجوزی، سعوديه)

حکمتِ عملی

مفتی کے اوپر پوچھے گئے مسئلہ کا جواب دینا لازم ہوتا ہے۔ بغیر کسی حکمت فقط ذاتی مفاد کے لئے مسئلہ کا جواب نہ دینے پر وعید ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُوْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: بیشک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اسے کتاب میں واضح فرما چکے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت۔

(سورة البقرة، سورت2، آیت159)

جامع ترمذی کی حدیث پاک ہے ”عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من سئل عن علم ثم كتمه ألجم يوم القيامة بلجام من نار“ ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا جس سے کسی مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا پھر اس نے اس کا حکم چھپایا، قیامت والے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

(جامع ترمذی، کتاب العلم، کتمان علم، جلد5، صفحہ29، دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

لیکن اگر کسی مسئلہ کا جواب نہ دینے حکمت کے تحت ہو یا وہ سوال ہی قابل جواب نہ ہو تو یہ وعید نہیں۔ استادِ محترم مفتی محمد قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ آدابِ فتوی میں اسی مسئلہ پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں: ''مفسرین اور محدثین کرام رحمہم اللہ کے ارشادات کی روشنی میں علم چھپانے کے عدم جواز کی صورتیں یہ ہیں:۔

(1) جب مسئلہ پوچھا جائے اور سائل کو اس کی ضرورت بھی ہو تو مسئلہ بتانا واجب ہے اور نہ بتانے کی صورت میں گناہ گار ہوگا۔

(2) اگر کسی کو کتاب کی حاجت ہو اور بغیر کسی سبب اور مانع کے کتاب نہ دی جائے تو یہ علم میں بخل کرنے کے قبیل سے ہے۔

(3) اگر علم کے معدوم ہونے کا خوف ہو تو پھر مسئلہ بتانا واجب ہے۔

(4) اگر مسئلہ بیان نہ کیا جائے تو سائل کا نقصان ہوگا اس صورت میں بھی مسئلہ بیان کرنا ضروری ہے۔

(5) اگر مسئلہ میں اس کی گواہی کی ضرورت ہے تو اس کا گواہی دینا ضروری ہے۔

مفسرین اور محدثین کرام رحمہم اللہ کے ارشادات کی روشنی میں علم چھپانے کے جواز کی صورتیں یہ ہیں:۔

(1) اگر سائل کو مسئلہ کی ضرورت نہیں تو اس کا بتانا واجب نہیں۔

(2) اگر علماء اس مسئلہ کو بیان کر چکے ہیں تو دوسرے علماء پر اس کا بتانا واجب نہیں۔

(3) اس عالم کے علاوہ دوسرے علماء بھی یہ مسئلہ بتا سکتے ہیں تو اس پر بتانا ضروری نہیں۔

(4) عالم کو اگر اپنی جان کا خوف ہے یا مسئلہ بیان کرنے میں شر ہوتا ہے تو نہ بتانے کی اجازت ہے۔

(5) شرعی علوم کا چھپانا ممنوع ہے، دوسرے علوم کا چھپانا ممنوع نہیں۔ مثلا کوئی لکڑی کا کاریگر ہے یا لوہے کا کاریگر ہے تو اس پر کسی دوسرے کو یہ ہنر سکھانا واجب نہیں۔

(6) سائل مسائل معلوم کر کے اہل حق سے بحث ومباحثہ کرتا ہو تو اس کو بتانا جائز نہیں۔

(7) اسی طرح عام لوگوں کو ایسی شرعی رخصتیں اور شرعی حیلے بتانا جائز نہیں جن سے کام لے کر وہ حرام کام کریں اور واجبات کو ترک کریں۔

(آدابِ فتوی،صفحہ82،83،مکتبہ اہل سنت ،فیصل آباد)

لہٰذا ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں خصوصا بلاوجہ سوالوں کے جوابات دیتے رہنا وقت وعلم کا ضیائع ہے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں” ان من إذالة العالم أن يجيب كل من كلمه ، أو يجيب كل من سأله“ ترجمہ: ہر بات اور ہر سوال کا جواب دینا علم کو ضائع کرنا ہے۔

(الفقيه و المتفقه،جلد2،صفحہ418،دار ابن الجوزی،سعوديه)

فتوی دینے والوں کو انتہائی حکمتِ عملی سے کام لینا چاہئے خصوصا موجودہ دور میں جب سائل زیادہ تر اپنے مطلب کا فتوی چاہتے ہیں اور مقصود کسی کو نقصان پہچانا ہوتا

ہے۔افتاء کی خدمات سرانجام دینے والے اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ بعض سائل انتہائی چالاک اور شاطر قسم کے ہوتے ہیں صورتیں بدل بدل کر اپنی مرضی کا فتویٰ چاہتے ہیں۔ بعض دفعہ کسی کمپنی کے کسی ڈیزائن میں ایسا لگتا ہے جیسے اللہ یا محمد لکھا ہوا ہے، یہ موقع بہت نازک ہوتا ہے کہ جذبات وجلد بازی میں بہت فتنہ وفساد ہوسکتا ہے اور کمپنی والوں کا بہت نقصان ہوسکتا ہے، لہٰذا خوب غور وفکر کر کے فتوی دیا جائے ،اسی طرح کسی امام یا انتظامیہ کے خلاف یا کسی معین معروف شخص کے خلاف متعلق فتویٰ دینے میں انتہائی احتیاط چاہئے۔پوری تفتیش کر کے فتویٰ دیا جائے۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے”قال ابن عابدين شرط بعضهم تيقظ المفتى ، قال وهذا شرط فى زماننا ، فلا بد أن يكون المفتى متيقظا يعلم حيل الناس ودسائسهم ، فإن لبعضهم مهارة فى الحيل والتزوير وقلب الكلام وتصوير الباطل فى صورة الحق ، فغفلة المفتى يلزم منها ضرر كبير فى هذا الزمان“ترجمہ:ابن عابدین (علامہ شامی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا افتاء کی بعض شرائط میں سے ہے کہ مفتی سمجھدار ہواور یہ شرط ہمارے زمانے میں ضروری ہے کہ مفتی لوگوں کے حیلے فریب جانتا ہو کہ بعض لوگوں میں فریب کاری اور کلام کو پھیرنے میں مہارت ہوتی ہے اور ایسے لوگ باطل کو حق ثابت کرتے ہیں۔تو مفتی کا ان حیلے فریبوں سے اس زمانے میں غافل ہونا بہت نقصان دہ ہوگا۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد32، صفحه30، دار الصفوة ،مصر)

جس طرح کتب میں ہر مسئلہ کی مختلف صورتیں بیان کی ہوتی ہیں کہ اگر یوں ہوگا تو حکم یہ ہے وغیرہ تو فتوی دینے والا ہرگز یہ صورتیں نہ بیان کرے کہ بعض اوقات سائل اپنے مفاد کی صورت لے لیتا ہے چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں”فإذا جاءہ

السائل يقرره من لسانه ولا يقول له إن كان كذا فالحق معك ، وإن كان كذا فالحق مع خصمك ؛ لأنه يختار لنفسه ما ينفعه ، ولا يعجز على إثباته بشاهدی زور ، بل الأحسن أن يجمع بينه وبين خصمه فإذا ظهر له الحق مع أحدهما كتب الفتوی لصاحب الحق" ترجمہ: قاضی (اسی طرح مفتی) سائل کی بیان کردہ صورت کے مطابق حکم فرمائے یہ نہ کہے کہ اگر یوں ہوتا تو فیصلہ تمہارے حق میں ہوتا اوراگر یوں ہوتا تو فیصلہ تمہارے مخالف کے حق میں ہوتا،اس لئے کہ سائل اسے اختیار کریگا جواس کے لئے نفع بخش ہوگا۔قاضی جھوٹی گواہی پر اعتبار نہ کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ دونوں فریقوں کو جمع کر کے دونوں کی بات سنے پھر جب اس پر حق ظاہر ہو جائے تو صحیح کے حق میں فتوی دے۔ (ردالمحتار، کتاب القضاء،جلد8،صفحہ37،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

جب مفتی پر اس کا فریب ظاہر ہو جائے تو اس کے موافق فتوی نہ دے۔عقود الدریہ میں ہے"اذا علم المفتی حقيقة الامر ينبغی له ان لايكتب للسائل لئلا يكون معينا له على الباطل " ترجمہ:مفتی کو جب اصل واقعہ معلوم ہوتو اسے سزاوارنہیں کہ سائل کواس کے حوالے کے موافق فتویٰ لکھ دے تا کہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔

اسی میں اپنے شیخ المشائخ شیخ عبدالقادر صفوری سے ہے"ان بعض المبطلين اذا صار بيده فتوى صال بها على خصمه وقال المفتی افتی لی عليك بكذا، والجاهل اوضعيف الحال لايمكنه منازعة فی كون نصه مطابقا اولا " ترجمہ:بعض اہل باطل کے ہاتھ میں جب فتویٰ آجاتا ہے اپنے فریق پر اس سے حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے مفتی نے میرے لئے تجھ پر فتوی دیا اور بے علم یا کمزور اس سے یہ بحث نہیں کرسکتا کہ اس کی عبارت صورت واقعہ سے مطابق بھی ہے یا نہیں۔

(العقود الدرية فی تنقیح الفتاوی الحامدیة ،قبیل کتاب الطہارة ،جلد1،صفحہ3،حاجی عبدالغفار پسران، قندھار افغانستان)

مفتی جب دیکھے کے سائل فتوی سے کسی کو نقصان پہچانا چاہتا ہے تو فتوی اس انداز سے دے کے کسی کو نقصان نہ ہو۔الفقیہ والمتفقہ میں ہے”روی عن ابن عباس رجلاً سأله عن توبة القاتل فقال لا توبة له ، وسأله آخر فقال له توبة ، ثم قال اما الأول فرأيت فی عينيه إرادة القتل فمنعته ، واما الثانی فجاء مستكيناً وقد قتل فلم أويسه“ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ان سے کسی آدمی نے قاتل کی توبہ کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کی توبہ نہیں۔دوسرے آدمی نے بھی قاتل کی توبہ کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کے لئے توبہ ہے۔پھر فرمایا پہلے آدمی کی آنکھوں میں نے دیکھا کہ قتل کا ارادہ تھا اس لئے میں نے منع کر دیا اور دوسرے نے قتل کر دیا تھا اور عاجزی انکساری سے آیا تھا میں نے اسے ناامید نہ کیا۔

(الفقیہ و المتفقہ،جلد2،صفحہ407،دار ابن الجوزی،سعودیہ)

طلاق کے مسئلہ میں بھی احتیاط چاہئے ہو سکے تو مسئلہ کی وضاحت کے لئے میاں بیوی کا بیان سنا جائے۔آجکل بعض لوگ شر کے ارادے سے امام مسجد، انتظامیہ اور شخصیات کے خلاف فتاوی لیتے ہیں، اس لئے مفتی کو چاہئے کہ سوال کے مطابق جواب دینے کے بعد آخر میں کہہ دے کہ یہ فتویٰ سوال کی صورت کے مطابق ہے اگر صورتِ حال اس کے خلاف ہے تو یہ فتوی کارآمد نہ ہوگا۔اگر مفتی کو اس کے شر پھیلانے پر شک ہو جائے تو فتوی نہ دے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں” ربما أنبأتكم بالشیء أنهاكم عنه احتياطاً بكم ، واشفاقاً على دينكم ، ان رسول الله أتاه رجل شاب يسأل عن القبلة للصائم ، فنهاه عنها ، وسأله شيخ عنها فأمره بها“ ترجمہ:حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کئی باتیں احتیاطا تم پر تمہاری بہتری کے لئے نہیں بتا تا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک نوجوان آدمی آیا اور روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا جبکہ یہی مسئلہ ایک بوڑھے نے پوچھا تو آپ نے اجازت دیدی۔

(الفقیه و المتفقه، جلد2، صفحه409، دار ابن الجوزی، سعودیه)

فتوی میں زیادہ حیلے نہ بیان کئے جائیں خصوصا موجودہ دور میں البتہ اگر ضرورت ہوتو حرام یا مشقت سے بچانے کے لئے حیلے بتا سکتے ہیں۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے"تتبع المفتي الرخص لمن أراد نفعه فإن حسن قصد المفتي في حيلة جائزة لا شبهة فيها ، ولا مفسدة لتخليص المستفتي بها من حرج جاز ذلك ، بل استحب ، وقد أرشد الله نبيه أيوب عليه السلام إلى التخلص من الحنث بأن يأخذ بيده ضغثا فيضرب به المرأة ضربة واحدة " ترجمہ:مفتی کا اچھے ارادے سے کسی مسئلہ میں سائل کے حرج میں پڑنے کی وجہ سے رخصت کی کوشش کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔اس میں نہ کوئی شبہ ہے اور نہ کوئی فساد۔اللہ عزوجل نے اپنی نبی حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم بچانے کے لئے رہنمائی فرمائی کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اپنی بیوی کو ایک مرتبہ ماردو۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد32، صفحه35، دار الصفوة، مصر)

فتوی نویسی

شروع سے ہی یہ سلسہ چلا آ رہا ہے کہ عالم بننے کے بعد افتاء میں کسی تجربہ کار مفتی کے صحبت میں رہ کر فتوی دینے کے لوازمات سیکھے جاتے ہیں کہ اسکے بغیر فتوی نویسی بہت مشکل ہوتی ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"المستفتي عليل ، والمفتي

طبیب ، فإن لم یکن ماھراً بطبه وإلاّ قتله“ ترجمہ:سوال پوچھنے والا بیمار ہےاور مفتی طبیب ہے اگر مفتی ماہر طبیب نہ ہوگا تو اسے مار ڈالے گا۔

(الفقیه و المتفقه،جلد2،صفحه394،دار ابن الجوزی،سعودیه)

پھر فتوی نویسی میں ظاہر الروایہ سے عدول نہیں کیا جاسکتا۔فتاوٰی خیریہ میں ہے”ھذاھو المذھب الذی لایعدل عنه الیٰ غیرہ وما سواہ روایات خارجة عن ظاھر الروایة وما خرج عن ظاھر الروایة فھو مرجوع عنه والمرجوع عنه لم یبق قولا له“ ترجمہ:مذہب یہی ہے جس سے غیر کی طرف عدول نہیں کیا جاسکتا اور اس کے ماسوا روایات ظاہر الروایۃ سے خارج ہیں اور جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہے اور جو مرجوع عنہ ہو وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا۔

(فتاوٰی خیریه،کتاب الشھادات،جلد2،صفحه33، دارالمعرفة ،بیروت)

جب مسئلہ میں امام ابوحنیفہ سے کوئی روایت نہ ملے تو ظاہر قول امام ابو یوسف، پھر ظاہر قول امام محمد، پھر ظاہر قول امام زفر و حسن وغیرہم لیا جائے گا۔ردالمحتار میں ہے”کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذالم یصحح اویقو وجھه واولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایة اذالم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنه“ ترجمہ:جیسا کہ امام ابو یوسف کے قول کے موجودگی میں امام محمد کے اس قول پر فتوی جائز نہیں جس کی تصحیح نہ ہوئی ہو یا اس قول کی وجہ قوی نہ ہو اور اس کی نسبت ظاہر روایت کے خلاف فتوٰی دینا اور بھی باطل ہے جبکہ اس خلاف کی تصحیح نہ ہو اور یوں ہی اس قول پر جس سے رجوع کرلیا گیا ہو فتوٰی دینا ناجائز ہے۔

(ردالمحتار،مقدمه،جلد1،صفحه176،مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

اگر کسی مسئلہ کے متعلق ہمارے اصحاب سے کوئی قول نہ ملے تو امام مالک رحمۃ اللہ

علیہ کے قول کو لیا جائے گا۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا'' کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ میں جانور کی ہڈی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔آپ نے فرمایا:'' توڑنے میں حرج نہیں،اورنہ توڑنا بہتر ہے۔"قال الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ انہ مذھب الامام مالک، والکسر مذھب الامام شافعی، قلت وقد صرح علمائنا ان مذھب عالم المدینۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اقرب الی مذھبنا ویصار الیہ حیث لانص من اصحابنا کما فی ردالمحتار وغمزالعیون، قلت لاسیما فی مثل مانحن فیہ، فان الکسر لاینبغی عند مالک، ولو لم یکسر لم یعاقبہ الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عن الائمۃ اجمعین" ترجمہ: شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ (ہڈی کا) نہ توڑنا امام مالک کا مذہب ہے اور توڑنا امام شافعی کا مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ عالم مدینہ (امام مالک) کا مذہب ہمارے مذہب کے زیادہ قریب ہے۔ جہاں ہمارے اصحاب سے کوئی نص موجود نہ ہو وہاں انہی کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے جیسا کہ ردالمحتار اور غمز العیون میں ہے۔ میں کہتا ہوں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ جیسے مسائل میں کیونکہ امام مالک کے نزدیک توڑنا مناسب نہیں،اور اگر نہ توڑے تو امام شافعی اس پر عتاب نہیں فرماتے۔اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اماموں پر راضی ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی رضویہ،جلد20،صفحہ591، رضافائونڈیشن،لاہور)

اگرکسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف ہوتو اس میں اقوالِ ائمہ پرعمل کرنے کی ترتیب یہ ہے:۔

(1) سب سے مقدم وہ قول ہے جس پر امام ابوحنیفہ،امام ابو یوسف اور امام محمد

رضی اللہ تعالیٰ عنہم تینوں متفق ہوں۔

(2) وہ اقوال جن میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف ایک طرف اور امام محمد ایک طرف ہوں یا امام ابوحنیفہ اور امام محمد ایک طرف اور امام ابو یوسف ایک طرف ہوں وہاں اس قول پر عمل کیا جائے گا جس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کا کوئی شاگرد موجود ہے۔ یونہی وہ اقوال جن میں امام ابوحنیفہ ایک طرف اور صاحبین متفق ہوں اس میں کس کے قول پر عمل ہوگا؟ اس میں دونوں اقوال ہیں اور عمومی تحقیق یہ ہے کہ امام کے قول پر ہی فتوی ہوگا۔

(3) وہ اقوال جن میں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں کا اختلاف ہے ان میں سب سے مقدم امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

(4) جس مسئلے میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف دونوں میں سے کسی کا کوئی قول نہ ہو اس میں امام محمد کا قول مقدم ہوتا ہے۔

(5) جس مسئلے میں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں میں سے کسی کا کوئی قول نہ ہو اس میں امام زفر اور امام حسن بن زیاد کا قول مقدم ہوتا ہے۔

(ماخوذ از، آدابِ فتوی، صفحہ152، مکتبہ اہل سنت، فیصل آباد)

فتاوی شامی میں ہے"وما فی جامع الفصولین من انه لو معه احد صاحبیه اخذ بقوله وان خالفاه قیل كذلك وقیل یخیر الا فیما كان الاختلاف بحسب تغیرالزمان كالحكم بظاهر العدالة وفیما اجمع المتأخرون علیه كالمزارعة والمعاملة فیختارقولهما "ترجمہ: جو جامع الفصولین میں ہے کہ اگر صاحبین میں سے کوئی ایک امام کے ساتھ ہوں تو قول امام لیا جائے گا اور اگر صاحبین مخالف

امام ہوں تو بھی ایک قول یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اختیار ہوگا مگر اس مسئلے کے اندر جس میں تبدیلی زمانہ کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ہو جیسے ظاہر عدالت پر فیصلہ کرنے کا مسئلہ اور مزارعت و معاملت، جیسے وہ مسائل جن میں متاخرین کا اجماع ہو چکا ہے کہ ان سب میں قول صاحبین اختیار کیا جائے گا۔

(رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق، جلد8، صفحہ39، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''چھ اسباب میں سے کسی ایک کا محل ہونا اگر واضح غیر مشتبہ ہو تو اسی پر عمل ہوگا اور ماسوا پر نظر نہ ہوگی یہ ''لمی'' طریقہ ہے اور اگر معاملہ مشتبہ ہو تو ہم ائمہ ترجیح کی جانب رجوع کریں گے۔ اگر قول امام کے برخلاف انہیں اجماع کئے دیکھیں تو یقین کرلیں گے کہ یہ بھی اسباب ستہ میں سے کسی ایک کا موقع ہے یہ ''انّی'' طریقہ ہے۔۔۔۔۔۔ اور اگر انہیں ترجیح کے بارے میں مختلف پائیں یا یہ دیکھیں کہ انہوں نے کسی کو ترجیح نہ دی تو ہم قول امام پر عمل کریں گے اور اس کے ماسوا قول وترجیح کو ترک کردیں گے کیوں کہ ان کا اختلاف یا تو اس لئے ہوگا کہ وہ اسباب ستہ کا موقع نہیں، جب تو قول امام سے عدول ہی نہیں یا اس لئے ہوگا کہ اسباب ستہ کا محل ہونے میں وہ باہم مختلف ہوگئے۔ تو قول ضروری شک سے ثابت نہ ہو پائے گا۔ اس لئے امام کا قول صوری جو یقین سے ثابت ہے ترک نہ کیا جائے گا۔ لیکن جب ہم پر اسباب ستہ کا محل ہونا ان حضرات کی بیان کردہ دلیلوں میں نظر کرنے سے واضح ہو جائے، یا قول امام سے عدول کرنے والے حضرات نے اسی محلیت پر بنائے کار رکھی ہو اور وہی تعداد میں زیادہ بھی ہوں تو ہم ان کی پیروی کریں گے اور انہیں متہم نہ کریں گے۔۔۔۔۔۔ لیکن جب انہوں نے بنائے کار محلیت پر نہ رکھی ہو، بس دلیل کے گردان کی گردش ہو تو قول امام پر ہی اعتماد

ہے۔۔۔۔۔یہ وہ طریق عمل ہے جو مجھ پر منکشف ہوا اور امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالی درست ہوگا، واللہ تعالی اعلم۔"

پھر مزید فرماتے ہیں: "یہ سب اس وقت ہے جب وہ واقعی امام کے خلاف گئے ہوں لیکن جب وہ کسی اجمال کی تفصیل یا کسی اشکال کی توضیح، یا کسی اطلاق کی تقیید کریں جیسے متون میں شارحین کا عمل ہوتا ہے۔اور وہ ان سب میں قول امام ہی پر گام زن ہوں تو وہ امام کی مراد ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔اب اگر وہ باہم متفق ہوں تو قطعا اسی پر عمل ہوگا ورنہ ترجیح کے قواعد معلومہ کے تحت ترجیح دی جائے گی۔ہم نے یہ قید لگائی کہ "وہ ان سب میں قول امام ہی پر گامزن ہوں" اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہوتی ہیں، مثلا امام کسی مسئلے میں اطلاق کے قائل ہیں اور صاحبین تقیید کے قائل ہیں، اب مرجحین اگر اختلاف کا اثبات کریں اور صاحبین کا قول اختیار کریں تو یہ مخالفت ہے اور اگر اختلاف کا انکار کریں اور یہ بتائیں کہ امام کی مراد بھی تقیید ہی ہے تو یہ شرح ہے واللہ تعالی اعلم۔یہی خاتمہ کلام ہونا چاہئے اور بہتر درود وسلام کریموں میں سب سے کریم تر سرکار پر اور ان کی آل، اصحاب، فرزند اور جماعت پر تا روز قیام۔اور ہر ستائش بزرگی واکرام والے خدا کے لئے ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد1، صفحہ 177، رضافائونڈیشن، لاہور)

مفتی بہ قول کے خلاف کسی ضعیف قول پر فتوی یا فیصلہ کیا جائے تو وہ نافذ نہ ہوگا۔رسائل علامہ زین بن نجیم میں ہے "اما القاضی المقلد فلیس له الحکم الا بالصحیح المفتی به فی مذهبه و لا ینفذ قضاؤه بالقول الضعیف " ترجمہ: لیکن خالص مقلد تو صرف اپنے مذہب کے صحیح مفتیٰ بہ قول پر فیصلہ دے سکتا ہے ضعیف قول پر فیصلہ دے تو وہ نافذ نہ ہوگا۔

(ردالمحتار بحوالہ رسائل ابن نجیم ، کتاب ادب القضاء، الباب الخامس عشر ،جلد3،صفحہ335،نورانی کتب خانہ، پشاور)

البتہ بعض دفعہ عموم بلوی،ضرورت وغیرہ کے تحت ضعیف قول پرعمل جائز ہوتا ہے۔الفقہ الاسلامی والادلہ میں ہے”جواز العمل والإفتاء بالقول الضعیف فی مواضع الضرورۃ“ترجمہ:افتاء میں ضرورت کے تحت ضعیف قول پرعمل جائز ہے۔

(الفقہ الاسلامی والادلۃ،جلد1،صفحہ75،دار الفکر،دمشق)

ضرورت کے تحت ضعیف قول پرفتوی دینے یا اسباب ستہ کے تحت کسی قول پرفتویٰ دینے کی اجازت ہر کسی کونہیں۔ہمارے یہاں مدرسین وطلباءعرف،عموم بلوی وضرورت کے تحت کتب میں مذکورمسئلہ کے خلاف فتوی دے دیتے ہیں جوکہ بہت اختلاف کا سبب بنتا ہے۔موجودہ دور میں ضرورت کے تحت صحیح مذہب کے خلاف فتوی دینے کی اجازت ماہر مفتیانِ کرام کو ہے جو اس کے نقصانات وفوائد پرنظر رکھتے ہوئے فتوی دیں۔امام اہلسنت احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:”گزشتہ مسائل میں جن متاخرین نے منصوص کی مخالفت کی ہے ان کی مخالفت کی وجہ یہی ہے کہ زمانہ امام کے بعد کوئی اورعرف رونما ہوگیا،تو ان کی اقتداء میں مفتی کا بھی یہ حق ہے کہ عرفی الفاظ میں اپنے عرف جدید کا اتباع کرے اسی طرح ان احکام میں بھی جن کی بنیاد مجتہد نے اپنے زمانے کے عرف پررکھی تھی اور وہ عرف کسی اورعرف سے بدل گیا،لیکن یہ حق اس وقت ملے گا جب مفتی صحیح رائے ونظر اورقواعد شرعیہ کی معرفت کا حامل ہوتا کہ یہ تمیز کرسکے کہ کس عرف پراحکام کی بنیاد ہوسکتی ہے اور کس پرنہیں ہوسکتی۔“

(فتاوی رضویہ،جلد1،صفحہ132،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:”حقیقت میں واقعی اسباب ستہ میں کسی کا وجود ہے یا نہیں؟ یہ خود بہت مشکل کام ہے۔اور یہاں حال یہ ہے کہ بڑے

بڑے مشاہیر ضرورت اور حاجت کے شرعی مفہوم سے بھی واقف نہیں۔اور عرفی ضرورت کی بنا پر حرام کو حلال ہونے کا بے دریغ فتوی دے دیتے ہیں اور ثبوت میں ”الضرورات تبیح المحظورات“ کی حافظ جی لوگوں کی طرح تلاوت کردیتے ہیں۔اس لئے اسباب ستہ کی جامع مانع تعریف اور ان کی حقیقت کی تنقیح اشد ضروری ہے تاکہ جس کا جی چاہے اپنی خواہش کو ضرورت بنا کر ”الضرورات تبیح المحظورات “کی تلاوت نہ کرے۔

لیکن ایک سوال پھر بھی رہ جاتا ہے کہ جب قولِ امام سے عدول کر کے صاحبین کے قول پر فتوی دینا اصحاب فتوی (مجتہدین) کا کام ہے اور اب ہم میں کوئی اصحابِ فتوی سے نہیں، جو بھی ہیں سب ناقل فتوی ہیں، تو پھر اس بحث کو مجلس شرعی میں لانے سے کیا فائدہ؟ یہ صحیح ہے کہ ہم اصحاب فتویٰ نہیں، ان کے گرد راہ کے بھی برابر نہیں، لیکن نت نئے مسائل پیدا ہو چکے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔اور زمانہ کے حالات کے پیش نظر قول امام پر فتوی دینے میں اسباب ستہ میں سے کوئی خارج ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر جو نقل فتوی کی خدمت انجام دیتے ہیں انہیں اجازت ملنی چاہئے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ جذبات سے عاری ہو کر خدا ترسی کے جذبے سے معمور ہو کر امت کی خیر خواہی کے لئے اگر اور کوئی چارہ کار نہ دیکھیں تو صاحبین کے قول پر فتوی دے سکتے ہیں۔“

(خطباتِ از صحیفہ مجلس شرعی ،جلد2،صفحہ34،دارالنعمان ،کراچی)

بوقت ضرورت کسی دوسرے امام کے قول پر فتوی دینے کی بھی اجازت ہے۔لیکن یہ فتوی دینے میں کچھ قیودات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جیسے مذہبِ غیر پر عمل اس وقت ہو جب کہ اس کی کوئی صحیح ضرورت پائی جائے ،دوسرا یہ کہ مذہبِ غیر پر جب عمل کیا جائے تو اس مسئلہ میں اس مذہب کے اعتبار سے جو شرائط ہوں ان تمام کو مدنظر رکھ کر عمل کیا جائے۔

پھر مذہب حنفی کا مفتی مذہب غیر کی مکمل تحقیق کے بعد اس پر فتوی دے۔

اس کے علاوہ فتوی لکھنے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:۔

☆ مذہب امام اعظم پر عمل واجب جب تک کوئی ضرورت اس کے خلاف پر باعث نہ ہو۔

☆ متون کے حضور اور کتابیں مقبول نہیں ہوتیں۔

☆ شروح فتاوٰی پر مقدم ہوتی ہیں۔

☆ عمل اسی پر چاہئے جس طرف اکثر مشائخ ہوں۔

☆ شروح راجح مرجوح ودلائل کی وضاحت کرتی ہیں۔

فتوی میں دلائل ضرور دیئے جائیں کہ آج کل ہر کوئی جب تک دلیل نہ ملے مطمئن نہیں ہوتا، اس لئے اگر عربی جزئیہ دیا جائے تو اس کا آسان ترجمہ بھی کیا جائے۔ پھر اگر اس مسئلہ میں قرآن وحدیث سے دلیل ہو تو بہت بہتر ہے کہ بدمذہب لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے قرآن وحدیث سے گما پھرا کر دلائل دیتے ہیں جس سے بعض اوقات لوگ ان پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ استادِ محترم مفتی محمد قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ آدابِ فتوی میں لکھتے ہیں: ”مفتی پر لازم نہیں کہ فتوی میں قرآن وحدیث کے دلائل بیان کرے۔ اس کا اصل کام شریعت کے مطابق سوال کا جواب دینا ہے اور مفتی مقلد ہو تو سائل کے لئے اپنے امام یا اپنی فقہ کی مستند کتاب کا حوالہ دینا بھی کافی ہے، لیکن ہمارا زمانہ چونکہ کافی بدل چکا ہے۔ اب لوگ حوالے مانگنے کا مطالبہ کرتے ہیں تو حوالہ دینا ضروری نہ ہونے کے باوجود حتی الامکان فتوی لکھنے میں جہاں اختصار کی حاجت نہ ہو وہاں قرآن وحدیث سے ضرور حوالے دیں۔ ہمارے زمانے کے حالات نازک ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک گمراہ موجود

ہےاور گمراہی پھیلانے کی کوشش کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔اور ایسے تمام لوگ قرآن وحدیث ہی کو استعمال کرتے ہیں۔اس لئے ہمارے زمانے کا تقاضا یہ ہے کہ مفتی صرف فقہی کتابوں کے حوالے نہ دے بلکہ قرآن وحدیث سے بھی حوالے دے۔اور اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جس کا جواب واضح طور پر قرآن وحدیث میں موجود ہے وہاں صرف قرآن و حدیث کا حوالہ دیدیں یا کم ازکم پہلے قرآن وحدیث کا حوالہ دیں اور بعد میں فقہی کتابوں کا تو بہت بہتر ہے۔'' (آدابِ فتوی،صفحہ122،مکتبہ اہل سنت، فیصل آباد)

فتوی سے رجوع

ہرفن کے ماہرین ہیں اور تمام ماہرین میں خطا کا امکان ہے۔اللہ تعالیٰ نے عصمت صرف اپنے کلام اور اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام ہی کو عطا فرمائی ہے۔لہٰذا مفتی سے خطا ممکن ہے، پھر جب مفتی اس سے باخبر ہو کے رجوع فرمالے تو اب وہ اس کا قول نہ رہا، نہ اس پر طعن روا۔ردالمحتار میں ہے"ان ما رجع عنه المجتهد لا یجوز الاخذ به" ترجمہ:جب مجتہد کسی قول سے رجوع کرے تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں رہتا۔ (ردالمحتار، مقدمہ،جلد1،صفحہ159،مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

مجتہدین ومفتیانِ کرام کا اپنے فتاوٰی سے رجوع کی بے شمار نظیریں ملتی ہیں۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابتداء میں جوازِ متعہ کے مدتوں قائل رہے یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں اُن سے فرمایا کہ اگر متعہ کروگے تو میں سنگسار کروں گا، پھر آخری زمانہ میں اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا:اللہ عزوجل نے زوجہ وکنیز شرعی بس ان دو کو حلال فرمایا ہے "فكل فرج سواهما حرام" ترجمہ:ان دو کے سوا جو فرج ہے حرام ہے۔

(جامع الترمذی،ابواب النکاح باب ماجاء فی نکاح المتعة،جلد 3،صفحہ430،دار إحیاء التراث العربی،بیروت)

اگر مفتی نے غلطی سے قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف فتوی دیدیا تو اس پر عمل باطل اور مسئلہ پوچھنے والے کو بتانا ضروری ہے۔الفقیہ والمتفقہ میں ہے"وإن كان رجوع المفتي عن فتواه بعد عمل المستفتي بها نظر في ذلك فإن كان قد بان للمفتي أنه خالف نص كتاب أو سنة أو إجماعاً وجب نقض العمل بها وابطاله ، ولزم المفتي تعريف المستفتي ذلك" ترجمہ:مفتی نے اپنے فتوی سے سائل کے عمل کے بعد رجوع کرلیا تو اس میں دیکھا جائے گا کہ اگر فتوی قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف ہے تو اس عمل کو چھوڑنا اور اسکا ابطال واجب ہے اور مفتی پر لازم ہے کہ وہ سوال پوچھنے والے کو اس سے باخبر کرے۔

(الفقیہ و المتفقہ،جلد2،صفحہ424،دار ابن الجوزی،سعودیہ)

اگر مفتی نے قرآن وحدیث کی روشنی میں کوئی مسئلہ غوروفکر کرکے دیا تھا پھر مزید غوروفکر پر رائے تبدیل ہوگئی تو پہلا عمل باطل نہ ہوگا۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے"إن تبين أن المفتي خالف نص كتاب أو سنة صحيحة لا معارض لها أو خالف الإجماع ، أو القياس الجلي ، ينقض ما عمل ، فإن كان بيعا فسخاه ، وإن كان نكاحا وجب عليه فراقها ، وإن كان استحل بها مالا وجب عليه إعادته إلى أربابه ،إن كانت فتياه الأولى عن اجتهاد ، ثم تغير اجتهاده ، فلا يلزم المستفتي نقض ما عمل ، لأن الاجتهاد لا ينقض بالاجتهاد " ترجمہ:اگر واضح ہوجائے کہ مفتی کا فتوی کتاب وسنت صحیحہ،اجماع اور قیاس جلی کے خلاف ہے تو اس پر جو عمل کیا گیا وہ ختم ہوجاتا ہے۔اگر بیع ہوئی تھی تو وہ فسخ ہے،اگر نکاح ہو تو تفریق واجب ہے،اگر کسی مال کو حلال بنایا

تھا تو مالک کی طرف اس کا لوٹانا واجب ہے۔اگرفتوی اجتہادی تھا پھر اجتہاد بدل گیا تو پوچھنے والے کا اس پہلے فتوی پر عمل ختم نہ ہوگا،اس لئے کہ اجتہاد دوسرے اجتہاد کو نہیں توڑتا۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد32،صفحه24،دار الصفوة ،مصر)

یہ حکم مجتہد مفتی کے لئے ہے غیر مجتہد مفتی کے لئے ہے کہ وہ اپنی خطاء کا ازالہ کرے۔

آن لائن فتوی دینا

آجکل آن لائن فتاوٰی دیئے جاتے ہیں جس میں بہت زیادہ احتیاط درکار ہوتی ہے کیونکہ تحریری فتاوٰی میں مسئلہ پر ہر طرح سے غوروفکر کرنے کا موقع مل جاتا ہے،جبکہ آن لائن فتوی میں فوراجواب دینا ہوتا ہے جس میں خطا کا زیادہ امکان ہوتا ہے،خصوصاٹی۔وی پر کہ جہاں جواب دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔یہاں یہ یادرکھنا چاہئے کہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کے سبب اپنی عزتِ نفس کی خاطر جلدی میں غلط فتوی دینا گناہ ہے۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے"إذا أخطأ المفتي ، فإن كان خطؤه لعدم أهليته ، أو كان أهلا لكنه لم يبذل جهده بل تعجل يكون آثما" ترجمہ:جب فتوی دینے والے نے خطا کی تو اگر یہ خطاعدم اہلیت کی بناپرتھی یافتوی دینے کی اہلیت تھی لیکن پوری کوشش نہیں کی بلکہ جلدی میں فتوی دیدیا تو گناہ گار رہوا۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد32،صفحه43،دار الصفوة ،مصر)

آن لائن فتویٰ دینے میں احتیاط یہی ہے کہ جس مسئلہ کے متعلق معلوم نہ ہو دوسرے مسئلہ پر قیاس یااصولوں کی روشنی میں جواب دینے سے بہتر ہے کہ معذرت کرلیں کہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ کا جواب ضرور دیا جائے۔خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"عن عبد الله قال من أفتى الناس في كل ما يسألونه فهو مجنون"،ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرمایا جو لوگوں کو ہر پوچھی گئی بات کا جواب دے وہ مجنون ہے۔ (الفقیہ و المتفقہ،جلد2،صفحہ416،دار ابن الجوزی،سعودیہ)

ٹی۔وی پر مسائل بتانے میں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ زیادہ رخصتیں نہ دی جائیں۔الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے"ذهب عامة العلماء وصرح به النووی فی فتاویه إلى أنه ليس للمفتى تتبع رخص المذاهب ، بأن يبحث عن الأسهل من القولين أو الوجهين ويفتى به " ترجمہ:کئی علماء اس طرف گئے ہیں اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوٰی میں صراحت کی ہے کہ مفتی کے لئے درست نہیں کہ وہ مذاہب میں رخصت تلاش کرے کہ دو قولوں یا دو وجوہ میں سہل کو لے کر اس پر فتوی دے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد32،صفحه34، دار الصفوة ،مصر)

آجکل بعض اہل علم حضرات اپنے آپ کو عوام میں مشہور و محقق ثابت کرنے کے لئے ٹی۔وی پر ایسی رخصتیں دیتے ہیں جو مذہب کے خلاف ہوتی ہیں۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے" يحرم تقليد متساهل فى الإفتاء لعدم الوثوق به ، وقال مثل ذلك النووى وبين السمعانى والنووى أن التساهل نوعان:الأول :تتبع الرخص والشبه والحيل المكروهة والمحرمة كما تقدم والثانى:أن يتساهل فى طلب الأدلة وطرق الأحكام ويأخذ بمبادء النظر وأوائل الفكر"ترجمہ:افتاء میں سستی برتنے والے کی تقلید عدم وثوق کی بنا پر حرام ہے۔ایسا ہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور امام سمعانی و نووی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ تساہل کی دو قسمیں ہیں،اول:رخصتیں،غیر واضح صورت،مکروہ اور حرام حیلے تلاش کرنا۔دوسرا:وہ طلب دلائل و احکام کے استنباط میں سستی کرے گا اور بغیر غور و فکر سرسری نظر پر فتوی دے گا۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد32،صفحه36، دار الصفوة ،مصر)

فصل سوم: فتوی لینے کے لوازمات

فتوی لینے کے بھی چند لوازمات ہیں۔سب سے پہلے جس سے مسئلہ پوچھا جارہا ہے اس میں دیکھنا چاہئے کہ وہ عالم ہونے کے ساتھ سنی صحیح العقیدہ ہے کہ نہیں؟ کیونکہ جاہلوں سے فتوی لینا حرام اور مخالفان دین کی طرف رجوع کرنا سخت اشد حرام ہے۔مصنف ابن ابی شیبہ، سنن الدارمی اور مسلم شریف میں ہے"عن محمد بن سيرين قال إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم" ترجمہ:حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ علم دین ہے تو غور کرو کس سے دین لے رہے ہو۔

(صحيح مسلم،مقدمه الام مسلم،باب بيان أن الإسناد من الدين،جلد 1،صفحه12،دار إحياء التراث العربی ،بيروت)

دوسری جگہ ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں"لم يكونوا يسألون عن الإسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم" ترجمہ:پہلے احادیث لینے میں اسناد کے متعلق سوال نہیں پوچھا جاتا تھا(یعنی یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کس راوی سے مروی ہے بس حدیث لے لی جاتی تھی۔) پھر جب فتنے واقع ہوئے تو فرمایا تم ہمارے سامنے اپنی احادیث کے راویوں کے نام پیش کرو تو اہل سنت راویوں کی طرف نظر کرو اور انکی روایت کردہ احادیث لے لو اور بدمذہب کی احادیث نہ لو۔

(صحيح مسلم،مقدمه الام مسلم،باب بيان أن الإسناد من الدين،جلد 1،صفحه12،دار إحياء التراث العربی ،بيروت)

جس طرح غیر عالم کا فتوی دینا گناہ ہے اسی طرح غیر عالم سے سوال پوچھنا بھی ناجائز وگناہ ہے کہ قرآن پاک میں اہل علم سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے۔المحصول فی علم

الاصول میں ہے”واتفقوا علی أنه لا یجوز للعامی أن یسأل من یظنه غیر عالم و لا متدین “ترجمہ:علمائے کرام اس پر متفق ہیں کہ غیر عالم کا اس سے سوال کرنا جائز نہیں جس کے متعلق جانتا ہو کہ یہ غیر عالم اور بے دین ہے۔

(المحصول فی علم الأصول،جلد6،صفحہ111،جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامیة،ریاض)

اگر فتوی دینے والا علم والا ہے لیکن فاسق ہے یعنی صلح کلیت کا قائل ، غیر شرعی رعاتیں دینے والا وغیرہ ہے تو اس سے بھی فتوی نہ لیا جائے جیسے ہمارے دور کہ بعض ایسے حضرات ہیں کہ جو بھی ان کے پاس جائے بغیر تفکر کئے ان کے حق میں فتویٰ دے دیتے ہیں۔ردالمحتار میں ہے”(والفاسق لا یصلح مفتیا) أی لا یعتمد علی فتواه وظاهر قول المجمع لا یستفتی أنه لا یحل استفتاؤه“ ترجمہ:فاسق فتوی دینے کا اہل نہیں اس کے فتوی پر اعتماد نہ کیا جائے گا اور صاحب مجمع کے نزدیک ایسی مفتی سے سوال پوچھنا جائز نہیں۔ (ردالمحتار، کتاب القضاء، جلد8،صفحہ36،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یہ چند باتیں ہیں جو مسئلہ پوچھنے سے پہلے سائل کے ذہن نشین ہونی چاہئیں ۔

اب سوال پوچھنے والے کو چاہئے کہ سوال ایسا کرے جس کا کوئی سر پیر بھی یونہی بے تکہ سوالات پوچھ کر مفتیانِ کرام کا وقت ضائع نہ کرے جیسے فلاں نبی علیہ السلام کی دادی کا کیا نام تھا؟ ایک عوت کی لاش مل جائے تو اس کے مسلمان ہونے کا کیسے پتہ چلے گا؟ پھانسی فجر کے وقت کیوں دی جاتی ہے؟ وہ کونسی چیز ہے جو مرد کو حلال عورت کو حرام ہے وغیرہ۔حدیث پاک میں ہے”نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن نفل المسائل “ ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بےضرورت مسائل پُوچھنے سے منع کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا”ان الله تعالیٰ کره لکم ثلثا قیل وقال

و کثـرۃ السؤال و اضاعۃ المال" ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے۔قیل وقال، بغیر ضرورت سوالات کی کثرت اور مال کا ضیاع۔

(مسند احمد بن حنبل، جلد4، صفحہ246، دارلفکر، بیروت)

سنن الدارمی میں ہے "عـن ابـن عباس قال ما رأیت قوما کانوا خیرا من أصحـاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ما سألوہ إلا عن ثلاث عشرۃ مسألۃ حتـی قبـض ، کـلهـن فـی القرآن منهن ﴿یسألونک عن الشهر الحرام﴾ ﴿ویسألونک عن المحیض﴾ قـال مـا کـانـوا یسـألـون إلا عـمـا ینـفعهـم" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر قوم نہ دیکھی کہ انہوں نے صرف تیسرا سوال پوچھے جن کو قرآن میں ذکر کیا گیا ''آپ سے حرمت والے مہینوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔'''' آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں۔'' صحابہ کرام علیہم الرضوان وہ سوال پوچھتے تھے جو ان کے لئے فائدہ مند ہوں۔

(سنن الدارمی، مقدمہ، باب کراہیۃ الفتیا، جلد1، صفحہ63، دار الکتاب العربی، بیروت)

بے فائدہ سوال سے سوائے وقت ضائع کرنے کے کچھ نہیں ملتا۔ اچھا سوال بھی علم ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے "حسـن السؤال نـصف العلم" ترجمہ: اچھا سوال آدھا علم ہے۔

(شعب الایمان للبیهقی، باب الاقتصاد فی النفقۃ وتحریم أکل المال الباطل، جلد5، صفحہ254، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

سوال انتہائی مختصر ہو اور ایک وقت میں زیادہ سوالات نہ کئے جائیں کہ کثرت سوال اکتاہٹ کا باعث اور عموماً معلوماتی ہوتے ہیں۔ الموسوعۃ الفقهیہ میں ہے "ویـکـرہ

کثـرۃ السـؤال ، والسؤال عما لا ینفع فی الدین ، والسؤال عما لم یقع ‘‘ ترجمہ: سوالات کی کثرت اور ایسا سوال کرنا جو دین میں نفع بخش نہ ہو اور نہ وہ مسئلہ درپیش ہو مکروہ ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، جلد32، صفحہ49، دار الصفوۃ، مصر)

سائل مسئلہ پوچھتے وقت اپنا موبائل فون بند رکھے، مفتی سے نہایت ادبی الفاظ سے مخاطب ہو۔ اگر بذریعہ خط استفتاء بھیجے اس میں بھی یوں سوال کرے کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں۔۔۔۔ الفقیہ والمتفقہ میں خطیب بغدادی تحریری استفتاء کے متعلق فرماتے ہیں سائل یوں لکھے ’’ ما تقول رضی اللہ عنك أو رحمك اللہ أو وفقك اللہ ؟ ولا یحسن فی ھذا ما تقول رحمنا اللہ وإیاك ؟ بل لو قال ما تقول رحمك اللہ ورحم والدیك ، کان أحسن وان أراد مسألۃ جماعۃ من الفقھاء قال ما تقولون رضی اللہ عنکم ؟ أو ما یقول الفقھاء سددھم اللہ فی کذا ؟ ولا أن یقول أفتونا فی کذا ولا لیفت الفقھاء فی کذا فإن قال ما الجواب ؟ أو ما الفتوی فی کذا ؟ ‘‘ ترجمہ: کیا فرماتے ہیں آپ اللہ عزوجل راضی ہو آپ سے، یا لکھے اللہ آپ پر رحم فرمائے، یا لکھے اللہ عزوجل آپ کو توفیق دے اس مسئلہ کے بارے میں؟ یوں لکھنا بہتر نہیں کیا فرماتے ہیں آپ اللہ عزوجل آپ اور مجھ پر رحم فرمائے؟ بلکہ یوں لکھنا زیادہ اچھا ہے کیا فرماتے ہیں اللہ عزوجل آپ اور آپ کے والدین پر رحم فرمائے۔ اگر مسئلہ فقہاء کی جماعت سے پوچھنا ہے تو یوں لکھے آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں اللہ عزوجل آپ سب سے راضی ہو؟ یا یوں لکھے کیا فرماتے ہیں فقہاء کرام اللہ عزوجل آپ کو درستگی کی توفیق فرمائے؟ یوں نہ کہے آپ ہمیں اس کے متعلق فتوی دیں، اس کے متعلق فقہاء فتوی دیں، کیا جواب ہے اسکے متعلق؟ کیا فتوی ہے اس کے

متعلق؟ (الفقیه و المتفقه، جلد2، صفحه383، دار ابن الجوزی، سعودیه)

جب مفتی سے مسئلہ کے جواب مل جائے تو حوالہ نہ طلب کیا جائے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''جاہل کا حوالہ وہ بھی مع عبارت طلب کرنا سوءِ ادب ہے۔'' (فتاوی رضویه، جلد12، صفحه570، رضا فائونڈیشن، لاہور)

الفقیہ والمتفقہ میں ہے "ولیس ینبغی للعامی أن یطالب المفتی بالحجة فیما أجابه به، ولا یقول لم ولا کیف قال الله سبحانه وتعالی ﴿**فاسألوا أهل الذکر ان کنتم لا تعلمون**﴾ وفرق تبارك وتعالی بین العامة وبین أهل العلم فقال ﴿**قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون**﴾ فإن أحب أن تسکن نفسه بسماع الحجة فی ذلك سأل عنها فی زمان آخر ومجلس ثان أو بعد قبول الفتوی من المفتی مجردة" ترجمہ: جاہل کا درست نہیں کہ مفتی سے جواب میں دلیل طلب کرے، نہ یوں کہے نہیں اور کیسے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ مزید فرمایا تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ البتہ اگر دلی تسکین کے لئے دلیل چاہتا ہے تو دوسرے وقت یا دوسری مجلس یا ایک مفتی سے فتویٰ لینے کے بعد پوچھ لے۔

(الفقیه و المتفقه، جلد2، صفحه382، دار ابن الجوزی، سعودیه)

اسی طرح مسئلہ کا جواب سننے کے بعد یہ نہ کہا جائے کہ فلاں اس کے خلاف یوں کہتا ہے اور فلاں یوں کہتا ہے جیسا کہ بعض لوگ نہ مانتے ہوئے آگے سے بحث کرتے ہیں۔ کنز العمال میں ہے "عن علی قال من حق العالم علیك أن تسلم علی القوم عامة وتخصه دونهم بالتحیة وأن تجلس أمامه ولا تشیرن عنده بیدك ولا

تغمزن بعينيك و لا تقولن قال فلان خلافا لقوله و لا تغتابن عنده أحدا و لا تسار فـی مـجـلسـه و لا تأخذ بثوبه و لا تلج عليه إذا مل و لا تعرض من طول صحبته فـإنـمـا هی بمنزلة النخلة تنتظر متی يسقط عليك منها شیء فإن المؤمن العالم لأعـظم أجرا من الصائم القائم الغازی فی سبيل الله فإذا مات العالم انثلمت فی الإسـلام ثـلـمة لا يسـدها شیء إلی يوم القيامة " ترجمہ:حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عالم کا تم پر حق ہے کہ تم مجلس میں لوگوں کو بالعموم سلام کرو اور عالم کو خصوصیت کے ساتھ علیحدہ سلام کرو،تم ان کے سامنے بیٹھو،ان کے سامنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرو اور نہ آنکھوں سے اشارہ کرو۔جب وہ کوئی مسئلہ بتائے تو یہ نہ کہو کہ فلاں نے اس کے خلاف کہا ہے،اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو،اس کی مجلس میں کسی سے سرگوشی نہ کرو، اس کے کپڑے کو نہ پکڑو،جب وہ اکتا جائے تو اس کے پاس نہ جاؤ،اس کی لمبی صحبت سے احتراز نہ کرو کیونکہ وہ کھجور کے درخت کی طرح ہے،تم منتظر رہو کہ کب اس سے کوئی پھل گرتا ہے،کیونکہ مومن عالم کا اجر روزہ دار اور قیام کرنے والے عابد اور اللہ عزوجل کے راستہ میں جہاد کرنے والے شخص سے زیادہ ہے اور جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایسا سوراخ ہو جاتا ہے جس کو قیامت تک کوئی چیز بند نہیں کرسکتی۔

(کنزالعمال ،کتاب العلم،جلد10،صفحہ468،مؤسسۃ الرسالۃ ،بیروت)

آجکل دیکھنے میں آیا ہے کہ مسائل پوچھنے والے خصوصا جو تھوڑا بہت پڑھے لکھے ہوں،سوال پوچھنے سے پہلے ہی اپنے ذہن میں ایک جواب رکھتے ہیں جب مفتی کا جواب انکے خیالی جواب کے خلاف ہوتا ہے تو ان کا رویہ جھگڑالو قسم کا ہو جاتا ہے،اس پر اپنے ٹوٹے پھوٹے دلائل دیں گے۔اگر مفتی کا فتوی ان کے کسی فعل پر ہو تو مفتی کے دشمن ہو

جاتے ہیں۔انکی یہ مخالفت ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے:۔

”والجاهلون لأهل العلم أعداء　　ففز بعلم ولا تجهل به أبدا الناس

موتی وأهل العلم أحياء“

ترجمہ:اور جاہل اہل علم کے دشمن ہیں۔کامیابی ہمیشہ علم سے ملتی ہے نہ کہ جہالت سے۔لوگ مردہ ہیں اور اہل علم زندہ ہیں۔

(درمختار مع ردالمحتار، مقدمہ، جلد1، صفحہ105، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں”وسبب العداوة من الجاهل عدم معرفة الحق إذا أفتى عليه أو رأى منه ما يخالف رأيه “ ترجمہ:جاہل کا اہل علم سے عداوت کا سبب حق کی معرفت نہ ہونا ہے جب اس پر فتوی دیا جاتا ہے یا اس کی رائے کے مخالف رائے دی جاتی ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، مقدمہ، جلد1، صفحہ105، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

ایسے لوگ عموماً علم سے محروم اور پریشان رہتے ہیں۔اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے وہ ایک مسئلہ کسی مستند مفتی سے پوچھنے کے بعد مزید مفتیانِ کرام سے پوچھتے ہیں پھر اختلاف ہونے پر پریشان ہو جاتے ہیں۔جب قرآن کے حکم پر عمل کرتے ہوئے درپیش مسئلہ کسی اہل علم سے مسئلہ پوچھ لیا تو اس عمل کرنا چاہئے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:”مستفتی پر واجب العمل ہے اگرچہ مفتی ایک ہی ہو، جس کا دوسرا کوئی مخالف نہ ہو، اور مستفتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس فتوے کو قبول کرنے سے توقف کرے یہاں تک کہ سب فتوی دینے والے مجتمع ہو جائیں یا کثیر ہو جائیں تب مانے۔“

(فتاوی رضویہ، جلد1، صفحہ128، رضافائونڈیشن، لاہور)

بعض اوقات مفتی سے مسئلہ بتانے میں خطا ہو جاتی ہے۔ایسی صورت میں لوگوں میں اسکا چرچہ نہ کیا جائے کہ کہیں لوگ اس وجہ سے مسائل پوچھنا نہ چھوڑ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"اتقوا زلة العالم وانتظر وافَیْئَتَہ"ترجمہ: عالم کی لغزش سے بچو اور اس کے رجوع کا انتظار رکھو۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الشہادات، جلد10، صفحہ211، دار صادر، بیروت)

۞۔۔۔باب پنجم: عصر حاضر اور فقہ ۔۔۔۞

فصل سوم: عصر حاضر کی فقہ

عصر حاضران احادیث کی تصدیق کرتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سوسال پہلے ارشاد فرمائیں جیسے علم دین کا کم ہوتے جانا اور جہالت کا بڑھتے جانا۔ مصنف عبدالرزاق، ترمذی، بخاری میں ہے " عن أنس بن مالك قال لأحدثنكم حديثا لا يحدثكم أحد بعدى سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول من أشراط الساعة أن يقل العلم ويظهر الجهل ويظهر الزنا وتكثر النساء ويقل الرجال حتى يكون لخمسين امرأة القيم الواحد" ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم تم کو وہ حدیث سناتے ہیں جنہیں میرے بعد کوئی نہ سنائے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ قیامت کی شرائط میں سے ہے کہ علم کم اور جہل ظاہر ہوگا اور زنا ظاہر ہوگا۔ عورتیں زیادہ اور مرد کم ہوں گے یہاں تک کہ ایک مرد پچاس عورتوں کا ذمہ دار ہوگا۔

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل، جلد 01، صفحه 43، دار ابن كثير، اليمامة، بيروت)

علمائے کرام کا کم ہوتے جانا اور جاہل و بد مذہبوں کا بڑھتے جانا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث پاک ہے" قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من أشراط الساعة أن يرفع العلم ويثبت الجهل ويشرب الخمر ويظهر الزنى" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کی شرائط میں سے ہے علم کا اٹھنا، جہالت کا ہونا، شراب کا پینا اور زنا کا عام ہونا۔

(صحيح مسلم، باب رفع العلم-- جلد4، صفحه 2050، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

علم کے اٹھ جانے سے مراد علماء کی موت ہے ۔ جب علماء کم ہوں گے لوگ جاہلوں سے مسئلہ پوچھیں گے جاہل غلط مسائل بتا کر خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک میں ہے "عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جهالا فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا و أضلوا " ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا بے شک اللہ عزوجل اللہ عزوجل علم اس طرح قبض نہ کرے گا کہ لوگوں کے سینے سے علم اُٹھا لے بلکہ علماء کے چلے جانے پر علم اُٹھائے گا۔ یہاں تک کہ عالم باقی نہ رہیں گے، لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے اور ان سے مسائل پوچھیں گے یہ جاہل بغیر علم کے فتوی دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح بخاری، کتاب العلم،باب کیف یقبض العلم ،جلد 01،صفحہ50،دار ابن کثیر ، الیمامۃ،بیروت)

عصر حاضر میں مسلمانوں کی کثیر تعداد فرائض علوم سے یکسر نہ صرف غافل ہے بلکہ مسلمانوں کی ایک تعداد ہے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھتی ہے۔ ہر کوئی آدھا مفتی اور آدھا ڈاکٹر ہے، اپنے گمان کے مطابق شرعی مسائل میں فتوے لگا رہا ہوتا ہے۔ بعض نام نہاد مذہبی لوگ غلط مسائل بتاتے ہیں، اُن کا مقصد لوگوں کا اپنا گرویدہ بنانے کے لئے غلط رعائتی فتوے دینا ہے۔ معاشرے میں ہر شعبے کے متعلقہ افراد ہوتے ہیں، بیماری کے معاملے میں ڈاکٹر سے رجوع کیا جاتا ہے، عدالتی معاملات میں وکیل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، دین کے معاملے میں شروع سے ہی علمائے کرام رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ لیکن

موجودہ دور میں لوگوں کو علمائے کرام کی طرف متوجہ کرنے کی بجائے لوگوں کو علمائے کرام سے متنفر کیا جارہا ہے، کہیں انہیں دہشت گرد کہا جارہا ہے، کہیں شدت پسند قرار دیا جاتا ہے۔ دو چار کتابیں پڑھ کر ہر کوئی دین پر اپنی سمجھ کے مطابق چل رہا ہے اور مولویوں کو جاہل سمجھ رہا ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی چنانچہ کنز العمال کی حدیث حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے"اتخوف علی أمتی اثنتین یتبعون الاریاف والشھوات ، ویترکون الصلاۃ والقرآن ، یتعلمہ المنافقون یجادلون بہ أھل العلم" ترجمہ: میں اپنی امت پر دو باتوں کا خوف کرتا ہوں وہ وسعت اور شہوت کی اتباع کریں اور نماز وقرآن کو چھوڑ دیں گے منافق قرآن کو سیکھ کر اہل علم کے ساتھ جھگڑا کریں گے۔

(کنزالعمال، کتاب الفتن والاھواء والاختلاف، الفصل الثانی،فی الفتن والھرج ، جلد11،صفحہ170،مؤسسۃ الرسالۃ ،بیروت)

آج کئی مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر عربوں کے طریقوں کو دین بنا رکھا ہے۔ داڑھی منڈوانے والا کہتا ہے کہ اہل عرب بھی داڑھی نہیں رکھتے ، بدمذہب کہتے ہیں اہل عربوں کا بھی یہی عقیدہ ہے وغیرہ،اسی کی حدیث پاک میں پیشین گوئی کی گئی چنانچہ کنز العمال کی حدیث پاک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"یاتی علی الناس زمان لا یتبع فیہ العالم، ولا یستحیی فیہ من الحلیم، ولا یوقر فیہ الکبیر، ولا یرحم فیہ الصغیر، یقتل بعضھم بعضا علی الدنیا، قلوبھم قلوب الأعاجم وألسنتھم ألسنۃ العرب، لا یعرفون معروفا ولا ینکرون منکرا، یمشی الصالح فیھم مستخفیا، أولئك شرار خلق اللہ، لا ینظر اللہ إلیھم یوم القیامۃ" ترجمہ: لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ جس میں

عالم کی اتباع نہیں کی جائے گی، بزرگوں سے حیا نہیں کی جائے گی، بڑوں کی توقیر نہیں کی جائے گی، چھوٹوں پر رحم نہیں کیا جائے گا، دنیا کے لئے ایک دوسرے کو قتل کریں گے، انکے قلوب ان پڑھوں کے قلوب کی طرح ہونگے اور **انکی سنت عرب کا طریقہ ہوگا**، اچھے برے کی پہچان نہ کریں گے، ان میں صالح آدمی ڈر کر رہے گا، ایسے لوگ اللہ عزوجل کی مخلوق میں شریر ہوں اللہ عزوجل ایسوں کی طرف قیامت والے دن نظر نہ فرمائے گا۔

(کنزالعمال، کتاب الفتن والاھواء والاختلاف،الفتن من الاکمال،جلد 11،صفحہ 286،مؤسسة الرسالة،بیروت)

فصل اول: عصر حاضر میں فقہ پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات

عصر حاضر میں بعض جدید اذہان کے لوگ اور غیر مقلدین فقہ وتقلید پر اعتراضات کرتے ہیں۔ان اعتراضات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب پیش کیا جاتا ہے:۔

اعتراض: دین میں اختلاف پیدا کر لیا گیا ہے،کوئی حنفی ہے کوئی شافعی، کوئی حنبلی،کوئی مالکی ہے۔دین میں اختلاف اللہ عزوجل کو سخت ناپسند ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ﴾

ترجمہ:ان میں سے جنہوں نے اپنے دین کوٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہو گئے گروہ گروہ۔ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے۔ (سورۃ الروم،سورت 30،آیت 32)

صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابوداؤد، مسند احمد میں ہے"لا تختلفوا فتختلف قلوبکم"ترجمہ:اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دل بدل دیئے جائیں گے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ،باب من یستحب أن یلی الإمام،جلد1،صفحہ312،دارلفکر ،بیروت)

جواب: حنفی ،شافعی ، مالکی، حنبلی ہونا تفرقہ نہیں بلکہ ائمہ اربعہ کی طرف صرف نسبت ہے۔ یہ نسبت دین میں تفرقہ پیدا نہیں کرتی بلکہ قرآن وسنت پر چلانے میں مددگار ہے۔استاد محترم مفتی محمد قاسم قادری رسائل قادریہ میں فرماتے ہیں:''چار اماموں کی طرف منسوب ہونے سے اسلام کے ٹکڑے ہرگز نہ ہوئے بلکہ یہ اسلامی مسائل کی تسہیل (آسانی) ہے۔اگر ایک شے کو چند افراد کی طرف منسوب کردیا جائے تو اس شے کے ٹکڑے نہیں ہوجاتے بلکہ اضافت کی جہتوں کو دیکھا جاتا ہے مثلا باپ کی ملکیت میں ایک گھر ہے اوراس کے پانچ بیٹے ہیں زید،عمر، بکر، خالد، ندیم۔اب اس گھر کو باپ عبداللہ کا گھر اور زید کا گھر اور عمرو کا گھر اور بکر کا گھر اور خالد کا گھر اور ندیم کا گھر کہہ سکتے ہیں۔یا یوں کہہ لیں کہ احادیث مبارکہ کے مختلف موجودہ نام مثلا حدیث بخاری ،حدیث ترمذی، حدیث نسائی وغیرہ زمانہ نبوی اورزمانہ صحابہ میں موجود نہ تھے تو کیا یہ ''تفرقہ فی الدین''(دین میں تفرقہ)اورگروہ بندی ہے؟''

(رسائل قادریہ،صفحہ362،مکتبہ اہلسنت ،فیصل آباد)

مزید فرماتے ہیں:''اسلام منزل ہے اور مسالک اربعہ اس کی طرف جانیوالے چار راستے ۔جس راستے پر بھی چلیں گے منزل مل جائے گی ۔ چاروں اماموں نے جن حدیثوں سے استناد کیا وہ زمانہ نبوی وزمانہ صحابہ علیہم الرضوان میں موجود تھیں اور بہت سے مسائل بھی موجود تھے مگران کا مخصوص نام نہ تھا۔جب یہ مسائل واحادیث آئمہ کے ذریعے ہم تک پہنچیں تو حنفی ،شافعی، حنبلی اور مالکی کا نام ان پر بولا جانے لگا جیسے قرآن مجید کی سات قراءتیں ہیں زمانہ نبوی وزمانہ صحابہ علیہم الرضوان میں موجود تھیں مگران کو قراءتِ عاصم، قراءتِ حمزہ، قراءتِ کسائی نہیں کہتے تھے بعد میں یہ نام رکھے گئے اور آجکل یہی استعمال

کئے جاتے ہیں۔ یونہی احادیث زمانہ نبوی وصحابہ میں بھی تھیں مگر حدیثِ بخاری، مسلم انہیں نہیں کہا جاتا تھا بعد میں امام بخاری ومسلم کے حوالے سے ہم تک پہنچیں تو انہیں حدیثِ بخاری وحدیثِ مسلم کہا جانے لگا۔اسی طرح مسائل سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانے میں موجود تھے۔مگر انہیں حنفی اور شافعی کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاتا تھا لیکن جب یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے ہم تک پہنچے تو انہیں مسلک حنفی اور مسلک شافعی کے نام سے تعبیر کیا جانے لگا۔''

(رسائل قادریہ،صفحہ347،مکتبہ اہلسنت ،فیصل آباد)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:''صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں قرآن کو سات قراءتوں میں نہیں پڑھا جاتا تھا۔ بعد میں ان کے نام قرأت عاصم، قرأت حمزہ، قرأت کسائی رکھ دیئے گئے۔ وہابی بھی قرأت عاصم پڑھتے ہیں لیکن جس طرح قرآن کے سات قراءتوں میں پڑھنے سے قرآن کے ٹکڑے نہ ہوئے اور زمانہ صحابہ میں یہ نام موجود نہ ہونے کے باوجود انہیں برا سمجھا جاتا۔''

(رسائل قادریہ،صفحہ365،مکتبہ اہلسنت ،فیصل آباد)

پیچھے اختلاف کے متعلق تفصیلی کلام کیا گیا کہ فقہی اختلاف وہ اختلاف نہیں جس کو بُرا کہا گیا ہے بلکہ اس اختلاف کو رحمت کہا گیا ہے۔ کشف الخفاء میں ہے"قال الخطابی والاختلاف فی الدین ثلاثة أقسام:الأول فی إثبات الصانع ووحدانیته وإنکاره کفر ،والثانی فی صفاته ومشیئته وإنکارهما بدعة ،والثالث فی أحکام الفروع المحتملة وجوها فهذا جعله الله رحمة وکرامة للعلماء وهو المراد بحدیث اختلاف أمتی رحمة " ترجمہ: امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دین میں اختلاف کی تین اقسام ہیں:۔اول صانع کے اثبات اور وحدانیت اور اسکا انکار کفر ہے۔ دوسرا اللہ عزوجل کی

صفات ومشیئت میں اختلاف اور اس کا انکار بدعت ہے۔ تیسرا فروعی معاملات میں اختلاف جومختلف توجیہات کا احتمال رکھتے ہیں، تو ایسا اختلاف اللہ عزوجل نے رحمت اور علماء کے لئے کرامت بنایا ہے اور یہی مراد حدیث سے ہے کہ اختلاف میری امت میں رحمت ہے۔ (کشف الخفاء، جلد1، صفحہ65، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

لہٰذا اپنے اپنے امام کے پیروی کرنا دین میں تفرقہ نہیں، دین میں تفرقہ تو وہ کرتے ہیں جو اپنے مخالف کو گمراہ ومشرک جانیں ان پر طعن وتشنیع کریں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن رفع یدین پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے احادیث ترک پر عمل فرمایا حنفیہ کو ان کی تقلید چاہئے، شافعیہ وغیرہم اپنے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی پیروی کریں کوئی محلِ نزاع نہیں، ہاں وہ حضرات تقلیدِ ائمہ دین کو شرک وحرام جانتے اور باآنکہ علمائے مقلدین کا کلام سمجھنے کی لیاقت نصیب اعداء اپنے لئے منصبِ اجتہاد مانتے اور خواہی نخواہی تفریق کلمہ مسلمین واثارت فتنہ بین المومنین کرنا چاہتے بلکہ اسی کو اپنا ذریعہ شہرت وناموری سمجھتے ہیں اُن کے راستے سے مسلمانوں کو بہت دور رہنا چاہئے۔ مانا کہ احادیث رفع ہی مرجع ہوں تاہم آخر رفع یدین کسی کے نزدیک واجب نہیں، غایت درجہ اگر ٹھہرے گا تو ایک امرِ مستحب ٹھہرے گا کہ کیا تو اچھا، نہ کیا تو کچھ برائی نہیں، مگر مسلمانوں میں فتنہ اُٹھانا دوگروہ کردینا، نماز کے مقدمے انگریزی گورنمنٹ تک پہنچانا شاید اہم واجبات سے ہوگا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ155، رضافائونڈیشن، لاہور)

اعتراض: قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونا چاہئے کسی کی مدد کی کوئی ضرورت

نہیں۔ ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے پھر امام وعلماء کی کیا ضرورت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قرآن اور میری سنت کو تھامے رکھو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔'' اس حدیث میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ علماء کے محتاج رہو۔

جواب: جدید ذہن کے کئی لوگ اسی پر عمل پیرا ہیں کہ خود قرآن وحدیث پر عمل کریں، مولویوں سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ نام نہاد مذہبی لوگ یہی بات کہہ کر لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ الحمدللہ! اس کا ایسا جواب دیا جاتا ہے کہ عقل وشعور رکھنے والا ان شاءاللہ عزوجل ضرور حق جان جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ لیکن غور کرنا چاہئے کہ قرآن وحدیث کو پڑھنے وسمجھنے کی ہر ایک میں لیاقت ہے یا نہیں؟ کیونکہ قرآن واحادیث تو عربی میں ہیں، اگر قرآن اور چند احادیث کی کتب کا ترجمہ مل جائے تو اس کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ ترجمہ جس نے کیا ہے وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ ہر بدمذہب گروہ قرآن وحدیث کا ترجمہ وتشریح اپنے عقیدے کے مطابق کرتا ہے یہاں تک کہ قادیانی اسی قرآن سے اپنے آپ کو حق پر ہونا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تو یہیں سے ثابت ہو گیا کہ قرآن وحدیث کو باترجمہ سمجھنے کے لئے ہم علمائے حق کے محتاج ہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر پورے قرآن کا صرف ترجمہ کیا جائے اور اس کے ساتھ صحیح تفسیر نہ کی جائے تو قرآن پر بھی عمل ہر کوئی نہ کر سکے گا جیسے قرآن میں چند آیات ایسی ہیں جو تلاوت کے لحاظ سے تو موجود ہیں عمل کے لحاظ سے وہ منسوخ ہیں مثلاً قرآن پاک میں زنا کی سزا کے متعلق دو آیات ہیں۔ پہلی آیت میں ہے ﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي

الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا ﴾ترجمہ کنزالایمان: اور تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں کے چار مردوں کی گواہی لو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھر میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے۔ (سورۃ النساء، سورت4، آیت15)

دوسری سورۃ النور کی آیت ہے ﴿اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِئَۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور پچھلے دن پر اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو۔ (سورۃ النور، سورت24، آیت2)

اب پہلی آیت میں زنا کی سزا گھر میں بند رکھنا یہاں تک کہ مر نہ جائے اور دوسری آیت میں زنا کی سزا سو کوڑے سنائی گئی۔ تو ان دونوں آیت میں سے ایک پر عمل کرنا عام آدمی کو کیسے پتہ چلے گا کہ کس پر کرنا ہے۔ علمائے کرام نے انکی تفسیر میں فرمایا کہ پہلی آیت منسوخ ہے دوسری پر عمل ہوگا۔

اسی طرح قرآنی آیات کا تعلق احادیث وفقہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے قرآن پاک میں بیوی سے صحبت کرنے کے متعلق ہے ﴿نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں، تو آؤ اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو۔ (سورۃ البقرۃ، سورت2، آیت223)

اس آیت سے بظاہر لگتا ہے کہ عورت سے جس طرح چاہیں صحبت کرنا جائز ہے اگرچہ پیچھے کے مقام سے بھی کر سکتے ہیں جبکہ حدیث پاک میں عورت کے پیچھے سے مقام سے صحبت کرنے سے منع فرمایا ہے۔اسی طرح یہ بھی لگتا ہے کہ اپنی شرمگاہ عورت کے منہ میں ڈالنا بھی جائز ہے لیکن فقہی کتب میں اسے ناجائز کہا گیا ہے۔تو وہ قرآن جو تیس پاروں پرمشتمل ہے اور ایک جلد میں ہے اس پر بغیر علماء کی رہنمائی کے عمل ممکن نہیں تو اتنی احادیث کی کتب جو ڈھیروں جلدوں پر مشتمل ہیں جن میں سے صرف چند کتبِ احادیث کے تراجم ہوئے ہیں،ان احادیث پر خود عمل کیسے کر سکتے ہیں؟

قرآن کی طرح احادیث کا منسوخ ہونا بھی ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث پاک ہے"وعن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم إن أحاديثنا ينسخ بعضها بعضا كنسخ القرآن" ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہماری احادیث بعض احادیث کو منسوخ کرتی ہیں جیسے قرآن احادیث کو منسوخ کرتا ہے۔

(مشكوة المصابيح، كتاب الايمان ،باب الاعتصام بالكتاب والسنة،جلد 1،صفحه 42،المكتب الإسلامي ،بيروت)

جس طرح علمائے کرام نے قرآنی منسوخ آیات کی نشاندہی فرمائی اسی طرح کئی منسوخ ،ضعیف اور موضوع احادیث کی رہنمائی فرمائی ہے۔قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ناسخ منسوخ احادیث کو جانتا ہو۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہے"ليس للعامی العمل بالحديث لعدم علمه بالناسخ والمنسوخ" ترجمہ:کسی عام آدمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ احادیث پر بغیر ناسخ منسوخ علم کے عمل کرے۔ (الانصاف فی بيان اسباب الاختلاف، صفحه106،دارالنفائس)

حدیث کی کئی کتب میں قربانی کے گوشت کے متعلق آیا ہے ”ادخــروا لثلاث وتـصدقوا بما بقى“ ترجمہ: تین دن تک کے لئے رکھ لو باقی صدقہ کردو۔دوسری حدیث میں یہ حکم منسوخ کردیا گیا اور تین دن سے زیادہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔اسی طرح قبروں کی زیارت سے پہلے منع فرمایا پھر اجازت دیدی۔

لہٰذا حدیث پر عمل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدیث کے درجے سے واقف ہو نہ یہ کہ جن چھ کتابوں کا ترجمہ بازاروں میں ملتا ہے ان میں سے جو بھی حدیث ملے اس پر اندھا دھند عمل کرے کیونکہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی شریف میں بھی ضعیف احادیث ہیں۔مرقاۃ میں ہے ”وبـالجملة فالسبيل واحد فمن اراد الاحتـجـاج بـحـديـث من السنن لاسيما سنن ابن ماجة ومصنف ابن ابى شيبة وعبـدالرزاق مما الامر فيه اشد او بحديث من المسانيد لان هذه كلها لم يشترط جامعوها الصحة والحسن وتلك السبيل ان المحتج ان كان اهلا للنقل والتـصـحـيـح فليس له ان يحتج بشىء من القسمين حتى يحيط به وان لم يكن اهـلا لـذلك فــان وجـد اهـلا لتـصـحـيـح اوتـحسيـن قـلده والا فلايقدم على الاحتجاج فيكون كحاطب ليل فلعه يحتج بالباطل وهو لايشعر“ ترجمہ: الغرض راستہ ایک ہی ہے اس شخص کے لئے جو احادیث سنن سے استدلال کرنا چاہتا ہے خصوصا سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق۔کیونکہ ان میں بعض کا معاملہ سخت ہے یا استدلال ان احادیث سے جو مسانید میں ہیں کیونکہ ان کے جامعین نے صحت وحسن کی کوئی شرط نہیں رکھی اور وہ راستہ یہ ہے کہ استدلال کرنے والا اگر نقل وتصحیح کا اہل ہے تو اس کے لئے ان سے استدلال کرنا اس وقت درست ہوگا جب ہر لحاظ سے دیکھ پرکھ لے۔اور

اگر وہ اس بات کا اہل نہیں تو اگر ایسا شخص پائے جو تصحیح وتحسین کا اہل ہے تو اس کی تقلید کرے۔اور اگر ایسا شخص نہ پائے تو وہ استدلال کے لئے قدم نہ اٹھائے ورنہ وہ رات کو لکڑیاں اکٹھی کرنے والے کی طرح ہوگا، ہوسکتا ہے وہ باطل کے ساتھ استدلال کرلے اور اسے اس کا شعور نہ ہو۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح،شرط البخاری ومسلم الذی التزماہ ،جلد 1،صفحہ23،مکتبہ امدادیہ، ملتان)

تدریب الراوی شرح التقریب النواوی میں ہے"اما مسند الامام احمد بن حنبل وابی داؤد الطیالسی وغیرھما من المسانید کمسند عبیداللّٰہ بن موسیٰ واسحٰق بن راھویہ والدارمی وعبدبن حمید وابویعلی الموصلی والحسن بن سفین وابی بکر ن البزار فھؤلاء عادتھم ان یخرجوا فی مسند کل صحابی ماورد من حدیثہ غیر مقیدین بان یکون محتجا بہ اولا" ترجمہ: مسند امام احمد بن حنبل، ابوداؤد طیالسی اوران کے علاوہ دیگر مسانید مثلاً مسند عبیداللہ بن موسیٰ، مسند اسحٰق بن راہویہ، مسند دارمی، مسند عبد بن حمید، مسند ابویعلی موصلی، مسند حسن بن سفیان، مسند ابوبکر بزاران تمام کا طریقہ یہی ہے کہ مسند میں ہر صحابی سے مروی حدیث بیان کردیتے ہیں اس قید سے بالاتر ہوکر کہ یہ قابلِ استدلال ہے یا نہیں۔

(تدریب الراوی شرح التقریب النواوی ،مرتبۃ المسانید من الصحۃ ،جلد 1،صفحہ 171، دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور)

ایک مسئلہ میں کثیر احادیث ہونا دلیل نہیں کثیر کم درجہ والی احادیث کے مقابل صحیح درجہ کی حدیث ہو وہ دلیل ہوتی ہے چنانچہ شرح تلویح میں ہے'لا عبرۃ بکثرۃ الأدلۃ بل بقوتھا حتی لو کانت فی جانب آیۃ وفی جانب آیتان أو فی جانب حدیث

وفی الآخر حدیثان لا یترک الآیة الواحدة أو الحدیث الواحد" ترجمہ: کثرت دلائل کا اعتبار نہیں بلکہ قوت کا اعتبار ہے۔ اگر ایک جانب ایک آیت ہو اور دوسری جانب دو آیات یا ایک جانب ایک حدیث ہو اور دوسری جانب دو احادیث تو بغیر دلیل ایک آیت و حدیث کو نہیں چھوڑا جائے گا۔

(شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح فی أصول الفقه، جلد2، صفحہ 218، دار الکتب العلمیة، بیروت)

پھر احادیث کے درجات ہیں جو اصول احادیث میں مذکور ہیں۔ اوپر کے درجے میں صحیح حدیث ہوتی ہے اور نیچے کے درجے میں ضعیف۔ صحیح کے مقابل حسن و ضعیف کم درجے میں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین صحیح حدیث پر ضعیف کے مقابل عمل کرتے ہیں اور کم علم اس ضعیف حدیث کو لے کر کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو چھوڑ دیا۔ بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہوتی ہے مگر امام مجتہد اس پر عمل نہیں کرتا اس کے کئی اسباب و وجوہ ہوتے ہیں۔ ذیل میں ان کو کچھ تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے:۔

پہلا سبب: کتاب اللہ کا نسخ۔ حدیث صحیح متواتر نہیں بلکہ یا عزیز یا غریب اور اس پر عمل کرنے سے کتاب اللہ کا نسخ لازم آتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے ﴿**وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ**﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور اُسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا۔ (سورۃ الانعام، سورت6، آیت121)

یعنی وہ جانور جس کے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا وہ حرام ہے اس کا گوشت نہ کھایا جائے۔ اگر کسی آدمی سے بھول کر تکبیر چھوٹ جائے تو وہ معاف ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو وہ جانور حرام ہے جیسا

قرآن پاک میں فرمایا گیا۔اب ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس جانور کے بارے میں پوچھا گیا جس کے ذبح کے وقت جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسے کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے دل میں موجود ہوتا ہے۔اب اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو کتاب اللہ کے حکم کا کوئی محمل نہیں رہے گا اور یہ نسخ ہوگا جبکہ خبر واحد کے ساتھ کتاب کا نسخ نہیں ہوسکتا۔

دوسرا سبب: کتاب اللہ پر اضافہ۔حدیث صحیح پر عمل نہ کرنے کا سبب بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے کتاب اللہ پر زیادتی ہوتی ہے یعنی قرآن پاک میں ایک حکم بغیر قید کے مذکور ہوتا ہے اور یہ حدیث اس کو مقید کر رہی ہوتی ہے۔ یہ مقید کرنا حدیث مشہور یا متواتر کی وجہ سے تو جائز ہے۔لیکن خبر واحد کی وجہ سے نہیں ہوسکتا ہے،اس کی مثال یہ ہے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿ فَاغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُواْ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ۔

(سورۃ المائدہ، سورت5،آیت6)

اس آیت میں چار چیزوں کو وضو قرار دیا ہے اور بسم اللہ پڑھنے یا نیت کرنے یا پے در پے دھونے یا ترتیب سے اعضاء دھونے کا حکم نہیں ہے جب کہ بعض احادیث میں ان چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے۔جیسے فرمایا جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو نہیں۔یونہی نیت کے بارے میں ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔یہاں احادیث تو صحیحہ ہیں مگر ان میں تاویل کی گئی ہے اور ان کے ظاہری مفہوم کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اس سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آتی ہے۔

تیسرا سبب: روایتوں کی غیر مناسب قلت۔ حدیث صحیح ایسی چیز کے بارے میں ہو جس کا وقوع بار بار ہوتا ہے اور کثیر لوگ اس میں مبتلا ہیں یا ایسا واقعہ ہے جس کا مشاہدہ کرنے والے کثیر ہو سکتے ہیں یا ایسا معاملہ ہے جس کی طرف بلانے والے اسباب کثیر ہیں مگر ان تمام چیزوں کے باوجود حدیث کو روایت کرنے والا اِکا دُکا راوی ہے حالانکہ جب معاملہ ایسا عام ہے تو روایت کرنے والے بھی کثیر ہونے چاہئیں۔ تو اس امر کے پیش نظر مجتہد حدیث کو ترک کر دیتا ہے۔

چوتھا سبب: نسخ کا تکرار۔ کبھی حدیث کو مجتہد اس وجہ سے ترک کر دیتا ہے کہ اس حدیث سے نسخ کا تکرار لازم آتا ہے یعنی ایک چیز مثلاً پہلے ممنوع تھی پھر اسے جائز کر دیا گیا اور اب ایسی حدیث صحیح پائی گئی جو اس جواز کو پھر ختم کر دے تو یہ نسخ کا تکرار ہے۔ اس وجہ سے بھی مجتہد حدیث صحیح کو ترک کر دیتا ہے۔

پانچواں سبب: دو صحیح احادیث کا تعارض۔ کبھی حدیث صحیح کو اس وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسری حدیث موجود ہوتی ہے اور دو متعارض حدیثوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے اصولوں میں سے کوئی اصول ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے تو راجح پر عمل کیا جاتا ہے اور مرجوح کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

چھٹا سبب: حدیث کا قابل تاویل ہونا۔ کبھی حدیث کو اس وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس کے مقابلے میں حدیث موجود ہے اور دونوں میں سے ایک میں تاویل ہو سکتی ہے اور دوسری حدیث میں تاویل نہیں ہو سکتی تو جس جس میں تاویل ہو سکتی ہے اس پر اس مسئلہ میں عمل نہیں کیا جائے گا۔

ساتواں سبب: احادیث کا لازم الترک ہونا۔ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ دو

حدیثیں برابر درجے کی ہوتی ہیں اور دونوں میں تطبیق ممکن نہیں ہوتی اور نہ ہی دونوں کی تاریخ کا علم ہے کہ اس کی بنیاد پر بعد والی کو ناسخ اور پہلے والی کو منسوخ قرار دے دیا جائے لہٰذا دونوں کو ساقط قرار دیا جاتا ہے۔اس صورت میں دونوں ہی صحیح حدیثوں پر عمل ترک دیا جاتا ہے۔

آٹھواں سبب: اکابر اسلاف کا عمل حدیث کے خلاف ہونا۔بعض اوقات حدیث صحیح پر عمل اس لئے ترک کر دیا جاتا ہے کہ زمانہ گزشتہ میں علماء کا عمل اس کے خلاف گزرا ہے تو علماء کا عمل اس بات پر دلیل ہوتا ہے کہ اس حدیث صحیح کے مقابلے میں کوئی زیادہ قوی دلیل موجود ہے تبھی اسے ترک کر کے اس کے خلاف عمل کیا گیا۔

نواں سبب: امت کا عمل حدیث کے خلاف ہونا۔بعض اوقات حدیث صحیح کو اس لئے ترک کرتے ہیں کہ امت کا عمل اس کے خلاف ہے مثلاً ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخابرۃ سے منع فرمایا یعنی زمین کو ٹھیکے پر دینے سے منع کیا کہ زمین ایک کی ہوگی اور کام دوسرا کرے گا اور نفع دونوں کے درمیان مثلاً نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔ حدیث میں تو اس سے منع کیا گیا مگر امت کا عمل اس کے خلاف ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی مخابرۃ کیا کرتے تھے۔ یہاں بھی حدیث صحیح کو امت کے عمل کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔اصطلاح میں اسے تَعَامُلِ نَاس کہا جاتا ہے۔

دسواں سبب: راوی صحابی کا عمل مروی حدیث کے خلاف ہونا۔بعض اوقات حدیث صحیح کو یوں ترک کر دیا جاتا ہے کہ ایک صحابی نے ایک حدیث روایت کی اور حدیث بھی مفسر یعنی اس میں کسی قسم کا اجمال نہیں پھر اسی روایت کرنے والے صحابی کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے تو صحابی کے عمل کو لیا جاتا ہے اور حدیث کو ترک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ

صحابی کا اس حدیث کے خلاف عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابی کے نزدیک اس حدیث کا نسخ ثابت ہے۔

گیارہواں سبب: علتِ عمل کا ختم ہو جانا۔ بعض اوقات حدیث صحیح کو اس لئے ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس حدیث کا حکم کسی خاص علت کی وجہ سے تھا اور اب وہ علت ختم ہوگئی تو حدیث کا حکم بھی ختم ہوگیا جیسے قرآن پاک میں زکوٰۃ کے مستحقین ہیں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو کافر ہوں اور انہیں زکوٰۃ اس لئے دی جاتی ہے تا کہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہوں یا وہ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں انہیں اس لئے زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ ان کے دل اسلام پر جم جائیں، پھر اس مدّ کو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ترک کر دیا کہ مسلمانوں کی جب کثرت ہوگئی تو اس امر کی ضرورت باقی نہ رہی۔ یونہی بعض اوقات حدیث میں بھی ہوتا ہے کہ علت ختم ہو جانے کی وجہ سے حدیث پر عمل نہیں کیا جاتا ہے۔

بارہواں سبب: حالات کی تبدیلی۔ بعض اوقات اس لئے حدیثِ صحیح پر عمل نہیں کیا جاتا کہ حدیث کا حکم حالات زمانہ کے اعتبار سے تھا اور اب وہ حالات باقی نہیں، بلکہ بدل گئے جیسے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں عورتیں مسجد میں نماز پڑھتی تھیں حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔'' اس کے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معاملے میں ان الفاظ سے تصدیق کی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عورتوں کی ان چیزوں کو ملاحظہ فرمالیتے جو عورتوں نے نکالی ہیں تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے منع فرما دیتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصود یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

حیات ظاہری کے زمانہ مبارکہ کے حالات کچھ اور تھے اور انہی حالات کی بنا پر عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی اجازت تھی، اب وہ حالات باقی نہیں رہے لہذا اب عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں۔

تیرہواں سبب: عرف کی تبدیلی۔حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ وہاں کے عرف واستعمال کے اعتبار سے تھا وہ عرف دوسرے علاقے میں موجود نہیں یا اب ختم ہوگیا تو ایسی حدیث صحیح پر بھی عمل نہیں کیا جاتا کہ دارومدار جب عرف پر تھا اور عرف باقی نہیں رہا تو حدیث کا حکم بھی باقی نہیں رہے گا۔

چودھواں سبب: دفع حرج۔کبھی حدیث کو اس لئے بھی ترک کردیا جاتا ہے کہ اب اس پر عمل کرنے میں بہت زیادہ تنگی اور حرج واقع ہوتا ہے(جیسے پیشاب کی باریک چھینٹوں کی معافی وغیرہ) لہذا اس کا لحاظ کرتے ہوئے حدیث کو ترک کردیا جاتا ہے کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے ﴿ **یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ** ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ (سورۃ البقرۃ، سورت2، آیت185)

اور فرمایا ﴿ **وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ** ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔ (سورۃ الحج، سورت22، آیت78)

پندرہواں سبب: کسی حدیث کا حکم وجوبا نہیں بلکہ سیاسۃ ہونا۔بعض اوقات حدیث کو اس لئے ترک کیا جاتا ہے اب اس حدیث پر عمل سے فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے جیسے حدیث مبارک میں غیر شادی شدہ زانی کے سزا سو(100) کوڑے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کردینا ہے لیکن اس پر عمل کرنے میں یوں فتنہ ہے کہ وہ آدمی دوسری جگہ جا کر زیادہ جری ہوجائے گا یا کسی اور گناہ کا ارتکاب کرے گا چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے ایک آدمی کو جلاوطن کیا تو وہ کافروں کے ملک جا کر مرتد ہو گیا۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افسوس کا اظہار فرمایا اور آئندہ کبھی یہ سزا نہ دینے کا ارادہ کرلیا۔

سولہواں سبب: حدیث میں مذکور فعل کا بسبب عادت، بیماری یا عارضے کے ہونا بعض دفعہ اس لئے حدیث کو ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو فعل مذکور ہے وہ کسی عارضے مثلاً بیماری کی وجہ سے تھا یا بطور عادت کے تھا، امت پر اسے بطور سنت مقرر کرنا مقصود نہ ہونا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی سنتوں کے بعد لیٹ جاتے پھر اُٹھ کر فرض کی نماز پڑھاتے یا بعض دفعہ چار رکعت والی نماز میں پہلی رکعت اور تیسری رکعت کے سجدوں کے بعد اُٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے، یہ بیٹھنا بیماری کی وجہ سے تھا۔ لہٰذا جو امر بطور عادت یا کسی عارضے کی وجہ سے کیا اس حدیث پر بھی عمل نہیں کیا جاتا ہے۔

سترہواں سبب: حدیث میں مذکور فعل کی کوئی خاص حاجت یا سبب ہونا۔ بعض دفعہ اس لئے حدیث کو ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس میں جس عمل کا بیان ہے وہ عمل کسی خاص حاجت وسبب کی بنا پر کیا گیا ہے۔ دائمی طور پر اسے لاگو کرنا مقصود نہیں جیسے کبھی کبھار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر میں بعض آیتیں بلند آواز سے تلاوت فرماتے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھتے۔ تو یہ لوگوں کو بتانے کے لئے تھا کہ ظہر میں بھی قراءت ہے اور دعائے قنوت اس موقع پر پڑھی جائے گی۔ بلند آواز سے پڑھنے کو بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔

اٹھارہواں سبب: حدیث کا مقصود محض اخبار ہونا۔ بعض دفعہ حدیث پر اس لئے عمل نہیں کیا جاتا کہ اس میں جو بیان ہوتا ہے وہ حکم شرعی بیان کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ

محض ایک خبر دینا مقصود ہوتا ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"علیك السلام تحیة الموتی" بوقت ملاقات ابتداءِ سلام کہنے والے کا علیک السلام کہنا مُردوں کو سلام کہنا ہے۔اس حدیث کا یہ مقصد نہیں کہ مُردوں کو یوں سلام کرو کہ وہ تو حدیث میں مذکور ہے کہ اس میں بھی "السلامُ علیکم یا اهلَ القبورِ" کہا جاتا ہے بلکہ "علیك السلام تحیة الموتی" کہنے سے مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ کفار مُردوں کو سلام کہنے کے لئے "علیك السلام" استعمال کرتے ہیں۔اس حدیث کے اور بھی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔

الغرض یہ اٹھارہ (18) وجوہات بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے مجتہد حدیث صحیح کو ترک کر دیتا ہے اس کے علاوہ بھی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں۔اس سے پتہ چلا کہ اصول حدیث کے اعتبار سے حدیث کے صحیح ہو جانے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ حدیث مجتہد کے عمل کے لئے بھی صحیح ہو جائے بلکہ اس کے لئے مزید امور کی ضرورت ہوتی ہے۔حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر پچھلے مجتہدین تک کوئی امام مجتہد ایسا نہیں گزرا جس نے کسی نہ کسی حدیث میں تاویل نہ کی ہو یا کسی حدیث کو مرجوح نہ قرار دیا ہو یا کسی نہ کسی وجہ سے حدیث پر عمل کو ترک نہ کیا ہو۔

(ماخوذاز،رسائل قادریہ،صفحہ278۔۔،مکتبہ اہلسنت،فیصل آباد)

کبھی ایک مسئلہ میں دونوں طرح کی حدیثیں ہوتی ہیں اور ان میں تطبیق کر دی جاتی ہے جیسے نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے اور سینے پر رکھنے کے متعلق دونوں احادیث ہیں ان میں تطبیق دیتے ہوئے امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"اقول (میں کہتا ہوں) اللہ کی توفیق سے کہ اس مسئلہ پر ایک حدیث جید الاسناد پیش کروں اس کی تقریر یوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہاتھ باندھنے کی دو صورتیں مروی ہیں: ایک صورت

زیرِ ناف کی ہے اوراس بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں سب سے اہم روایت وہ ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنّف میں ذکر کیا کہ ہمیں وکیع نے موسی بن عمیر سے علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے والدگرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے دورانِ نماز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھے دیکھا ہے۔ امام علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اختیار شرح مختار کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند جیّد اور تمام راوی ثقہ ہیں۔

”دوم بر سینہ نہادن و دریں باب ابن خزیمہ را حدیثے است درصحیح خودش ھم از وائل ابن حجر رضی اللّٰہ عنہ :قال صلیت مع رسول اللّٰہصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوضع یدہ الیمینی علی یدہ الیسرے علی صدرہ “

دوسری صورت سینے پر ہاتھ باندھنے کی ہے۔ اس بارے میں ابن خزیمہ اپنے صحیح میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ سے ہی روایت لائیں ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی معیت میں نماز پڑھنے کا شرف پایا تو آپ نے اپنادایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھے۔

”وازانجا کہ تاریخ مجھول است وھر دور روایت ثابت و مقبول ناچار کار بترجیح افتاد چوں نیک نگریم مبنائے ایں امر بلکہ تمام افعال صلاۃ بر تعظیم است و معھود و معلوم عندالتعظیم دست زیرِ ناف بستن است، ولھذا امام محقق علی الاطلاق در فتح فرماید :فیحال علی المعھود من وضعھا حال قصد التعظیم فی القیام والمعھود فی الشاھد منہ تحت السرہ“ چونکہ اس کی تعریف کا علم نہیں کہ کون سی روایت پہلے کی ہے اورکون سی بعد کی اور

دونوں روایات ثابت ومقبول ہیں تو لا جرم دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح ہوگی۔ جب ہم نماز کے اس فعل بلکہ نماز کے تمام افعال پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ تمام کے تمام تعظیم پر مبنی نظر آتے ہیں اور مسلم ومعروف تعظیم کا طریقہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے لہٰذا امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا ہے قیام میں بقصد تعظیم ہاتھ باندھنے کا معاملہ معروف طریقے پر چھوڑا جائے اور قیام میں تعظیما ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی معروف ہے۔

”پس دربارہ مرداں روایت ابن ابی شبیہ راحج تر آمد و درامرزنان شرع مطہر راکمال نظر برستروحجاب است و لھذا فرمودند :خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا اٰخرھا و خیرصفوف النساء اٰخرھا وشر ھا اولھا ۔ اخرجه السته الاالبخاری عن ابی هریرة والطبرٰنی فی الکبیر عن ابی امامة وعن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالی عنهم وفرمودند صلاة المرأة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها “

لہٰذا مردوں کے بارے ابن ابی شیبہ کی روایت راحج ہے اور چونکہ خواتین کے معاملہ میں شرع مطہر کا مطالبہ کمال ستر حجاب ہے،اس لئے فقہاء نے فرمایا مردوں کی پہلی صف افضل اورآخری غیرافضل اورخواتین کی آخری صف افضل اور پہلی غیر افضل یہ حدیث صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں ہے سوائے بخاری کے۔حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے اورطبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ اورحضرت عبدللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، یہ بھی فرمایا عورت کی نماز کمرے میں گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل اور خاص چھوٹے کمرے میں اس سے بھی افضل ہے۔۔۔ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

فرمایا: عورت تمام کی تمام قابلِ ستر وحجاب ہے۔اوراس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کے حق میں سینے پر ہاتھ باندھنا، زیرِ ناف باندھنے سے زیادہ حجاب اور حیا کی صورت میں ہے۔ اورخواتین کا تعظیم کرنا ستر وحجاب کی صورت میں ہے کیونکہ تعظیم ادب کے بغیراورادب حیا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا لہٰذا خواتین کے حق میں حدیث ابن خزیمہ زیادہ راجح ثابت ہوئی اورثابت ہوگیا کہ دونوں مسائل میں ایسی حدیث موجود ہے جس کی سند جیّد ہےاور ماہر علماءِ حدیث نے دونوں مقامات پر حدیث وترجیح پر ہی عمل فرمایا ہے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔''

(فتاوی رضویہ،جلد6،صفحہ144--،رضافائونڈیشن،لاہور)

اس کلام سے واضح ہوا کہ قرآن وحدیث سے استدلال کرنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں ۔امام اجل سفین بن عیینہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے استاداورامام بخاری وہ امام مسلم کے استاذ الاستاذ اوراجلہ ائمہ محدثین وفقہائے مجتہدین وتبع تابعین سے ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ارشادفرماتے ہیں''الحدیث مضلّة الاّ للفقهاء ''ترجمہ: حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے مگرمجتہدوں کو۔

(المدخل لابن الحاج ،فصل فی ذکر النعوت ،جلد1،صفحہ122،دارالکتاب العربی ،بیروت)

علامہ ابن الحاج مکّی رحمۃ اللہ علیہ مدخل میں فرماتے ہیں''یرید انّ غیر هم قدیحمل الشیء علی ظاهره ولد تاویل من حدیث غیره او دلیل یخفی علیه او متروك اوجب ترکه غیر شیء مما لایقوم به الا من ستبحر و تفقه'' ترجمہ:امام سفیان کی مراد یہ ہے کہ غیر مجتہد کبھی ظاہر حدیث سے جو معنے سمجھ میں آتے ہیں اُن پر جم جاتا ہی حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور ہے۔، یا وہاں کوئی اور دلیل ہے جس پراس شخص کواطلاع نہیں، یا متعدد اسباب ایسے ہیں۔جن کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ان باتوں پرقدرت نہیں پا تا مگروہ جوعلم کا دریا بنااور منصبِ اجتہاد تک

پہنچا۔ (المدخل لابن الحاج ،جلد1،صفحہ122، دارالکتاب العربی، بیروت)

امام ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں امام محدثین سلیمان اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی جلیل القدر سے کہ اجلہ ائمہ تابعین وشاگردانِ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ہیں کسی نے کچھ مسائل پوچھے،اس وقت ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حاضر مجلس تھے،امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ مسائل ہمارے امام سے پوچھے۔امام نے فوراً جواب دیا۔امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا اُن حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں اور وہ حدیثیں مع سندِ روایت فرمادیں۔ امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا"حسبك ماحدثتك به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ماعلمت انّك تعمل بهٰذه الاحادیث یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة وانت ایّهاالرجل اخذت بكلاالطرفین" ترجمہ:بس کیجئے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنائے دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کردیتے ہیں۔اے فقہ والو!تم طبیب ہو اور محدث لوگ عطار ہیں،یعنی دوائیں پاس ہیں مگر ان کا طریق استعمال تم مجتہدین جانتے ہو۔اور اے ابوحنیفہ!تم نے تو فقہ وحدیث دونوں کنارے لیے۔

(الخیرات الحسان ،الفصل الثلاثون ،صفحہ144،ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی)

خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"نضراللّٰہعبداً سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فربّ حامل فقه غیر فقیه وربّ حامل فقه الٰی من هوافقه منه " ترجمہ:اللہ تعالیٰ اس بندے کو سرسبز کرے جس نے میری حدیث سن کر یاد کی

اور اسے دل میں جگہ دی، اور ٹھیک ٹھیک اوروں کو پہنچادی کہ بہتریوں کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر اس کے فہم وفقہ کی لیاقت نہیں رکھتے۔ اور بہتیرے اگرچہ لیاقت رکھتے ہیں۔ دوسرے ان سے زیادہ فہیم وفقیہ ہوتے ہیں۔

(ماخوز از فتاوی رضویہ، جلد27، صفحہ72، رضافائونڈیشن، لاہور)

امام اعمش سے بھی بدرجہا اجل واعظم ان کے استاذ امام عامر بن شراحیل شعبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے پانچ سوصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا۔ حدیث میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ بیس سال گزر رہے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس سے زیادہ ہو۔ مگر اس جلالتِ شان اور عظمتِ مقام کے باوجود فرماتے ہیں "انا لسنا بالفقھاء ولکنا سمعنا الحدیث فرویناہ للفقھاء من اذا علم عمل" ترجمہ: ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں ہمیں مطالب حدیث کی کامل سمجھ نہیں۔ ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہوکر کاروائیاں کریں گے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد1، صفحہ66، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

لہٰذا ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے دامن کو چھوڑ کر ان کے شاگردوں کے شاگرد کی روایت کردہ حدیث پر بغیر سوچے سمجھے عمل کرنا درست نہیں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "ائمہ مجتہدین کا اجتہاد نہ ماننا اور بخاری ومسلم کی تصحیح یا نسائی ودارقطنی کی تعدیل وتخریج پر اعتماد کرنا ظلم شدید وجہل بعید ہے، کون سی آیت یا حدیث میں آیا ہے کہ بخاری جس حدیث کو صحیح کہہ دیں اسے مانو اور جسے ضعیف کہہ دیں اسے نہ مانو یا یحیٰی وشعبہ جسے ثقہ کہہ دیں اسے معتمد جانو اور ضعیف کہہ دیں تو ضعیف جانو۔"

(فتاوی رضویہ، جلد8، صفحہ450، رضافائونڈیشن، لاہور)

لہٰذا ہر حدیث پر بغیر علماء کی رہنمائی کے عمل درست نہیں ہوتا۔ عصر حاضر میں

بدمذہبی عام ہونے کی وجہ یہی ہے کہ بدمذہب اپنے مسلک کی تائید میں جونسی بھی جیسی بھی حدیث ملے لے لیتے ہیں اور عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے جو آیات و احادیث بتوں کے بارے میں ہوں گے ان کو اولیاء کے مزارات پر منطبق کر دیتے ہیں۔ احادیث میں قرآن آیات وغیرہ کے تعویذ کی صراحت کے ساتھ اجازت ہے ،بعض احادیث میں شرکیہ تعویذ سے منع کیا گیا ہے۔اب بدمذہب شرکیہ تعویذ والی احادیث سے تعویذات کو شرک ثابت کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ احادیث کی کتابیں پڑھیں لیکن اس کے ساتھ سنی علماء کی تشریحات بھی پڑھیں تا کہ حدیث کی صحیح سمجھ آجائے۔یہ نہ کیا جائے کہ خود قرآن وحدیث سے مسائل حل کرنا شروع کردیں کے یہ بہت مشکل کام ہے۔ایک مسئلہ میں قرآن، حدیث، اجماع، قیاس اور دیگر مآخذ واصول کو مدِنظر رکھنا پڑتا ہے اس کی ایک مثال ایلا ہے۔ایلا کے معنی یہ ہیں کہ شوہر نے یہ قسم کھائی کہ عورت سے قربت نہ کریگا۔قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے﴿لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَآؤُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ترجمہ کنزالایمان:اور وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی انہیں چار مہینے کی مہلت ہے، پس اگر اس مدت میں پھر آئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ البقرۃ ،سورت2،آیت226)

اب اگر چار مہینے کے اندر رجوع نہ کیا تو کون سی طلاق پڑے گی طلاقِ رجعی پڑے گی یا بائنہ؟ چار ماہ بعد خود بخود پڑھ جائے گی یا شوہر دے گا جیسا کہ اگلی آیت میں ہے﴿وَإِنْ عَزَمُواْ الطَّلاَقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ترجمہ کنزالایمان:اور اگر چھوڑ دینے کا ارادہ پکا کر لیا تو اللہ سنتا جانتا ہے۔ (سورۃ البقرۃ ،سورت2،آیت 227)

اس آیت سے بظاہر لگتا ہے کہ بعد میں طلاق کا اگر ارادہ کرے گا تب طلاق ہو گی۔احناف کے نزدیک چار ماہ گزرے پر طلاق خود بخود ہو جائے گی اس لئے کہ شریعت نے ایلاء کو طلاق مؤجل کیا ہے اور طلاق مؤجل وقت پورا ہونے پر خود بخود واقع ہو جاتی ہے۔اس آیت سے چار ماہ کے بعد طلاق دینے یا نہ دینے کا اختیار ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے مرادمدت کے اندر رجوع کا اختیار ہے جیسا کہ طلاق کے متعلق قرآن پاک میں ہے﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ ترجمہ کنزالایمان:اور جب تم عورتوں کوطلاق دو اوران کی میعاد آ لگے تو اس وقت تک یا بھلائی کے ساتھ روک لو یا نکوئی (اچھے سلوک) کے ساتھ چھوڑ دو۔اس آیت میں بھی عدت کے اندر رجوع کرنے کا اختیار ہے جو کہ ہر کوئی جانتا ہے۔

دوسرا ایلا سے طلاق بائنہ ہوگی چنانچہ حضرت عثمان،عبد اللہ بن مسعود،ابن عباس،زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں"اذا مضت اربعة اشهر فهى تطليقة بائنة" ترجمہ:جب چار ماہ گزر جائیں تو طلاقِ بائنہ(خود بخود)واقع ہو جائے گی۔

(البدائع الصنائع، کتاب الطلاق،فصل فی حکم الایلاء،جلد3،صفحہ279،مکتبہ رشدیہ، کوئٹہ)

یہ علماء نے امت پر احسان کیا کہ انہوں نے ہمارے لئے قرآن وحدیث پر چلنے کے لئے راہیں ہموار کردیں ورنہ لوگ قرآن وحدیث پر چلنے کی بجائے اپنے گمان میں اس کے مخالف چل رہے ہوتے ۔آیات واحادیث اور اسلاف سے یہی ثابت ہے کہ جن مسائل کا ذکر قرآن وحدیث سے نہ ملے تو علماء کی طرف رجوع کیا جائے جو قرآن وحدیث کی روشنی میں مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔عام آدمی کا خود ہی اپنی عقل سے مسائل نکالنے

کی کوشش کرنے پر احادیث میں اس پر وعید وارد ہیں۔صحابہ کرام بھی اس بات کو بُرا جانتے تھے کہ کوئی اپنی بغیر علم محض اپنی عقل سے قرآن سے مسائل استنباط کرے چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک آزاد عورت نے خود ہی قرآن سے یہ مسئلہ نکال لیا کہ جس طرح مرد کو اپنی باندی سے جماع کرنے کی اجازت ہے ایسے ہی عورت کو اپنے غلام سے جماع کروانے کی اجازت ہے۔اس نے اپنے غلام سے جماع کروایا اور حاملہ ہوگئی۔ جب یہ بات حضرت عمر فاروق کو پہنچی تو آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں سمجھی کہ جس طرح مرد کے لئے حلال ہے میرے لئے بھی حلال ہے۔اس بات پر صحابہ نے تعجب کیا کہ اس عورت نے قرآن پاک کی غلط تاویل کی ہے۔ یہ واقعہ تفسیر روح المعانی میں ہے"وعن قتادةقال : تسرت امرأة غلاما فذكرت لعمر رضی الله تعالیٰ عنه فسالها ما حملك على هذا ؟ فقالت : كنت ارى انه يحل لى ما يحل للرجال من ملك اليمين ، فاستشار عمر فيها اصحاب النبی صلى الله عليه وسلم فقالوا: تاولت كتاب الله تعالیٰ على غير تاويله" مفہوم اوپر گزر گیا۔

(روح المعانی ،جلد 18 ،صفحہ 6،دار إحياء التراث العربی ،بيروت)

حدیث پاک میں ایسے لوگوں کی پیشین گوئی کی گئی جو کم علم والے اپنے گمان میں قرآن وحدیث سے سند پکڑیں گے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "يأتی فی اٰخرالزمان قوم حدثاء الاسنان سفهاء الاحلام يقولون من خير قول البرية يمرقون من الاسلام كما يمرق السهم من الرمية لايجاوز ايمانهم حناجرهم" ترجمہ:آخر زمانہ میں کچھ لوگ حدیث السن سفیہ العقل آئیں گے کہ اپنے زعم میں قرآن یا حدیث سے

سند پکڑیں گے وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے ایمان ان کے گلوں سے نیچے نہ اُترے گا۔

(صحيح البخاری، كتاب فضائل القرآن، باب من رايا بقرأة القرآن ،جلد 4،صفحه 1927،دار ابن كثير ، اليمامة،بيروت)

تفسیر ابن کثیر میں ہے"إن أصح الطرق فى ذلك أن يفسر القرآن بالقرآن، فما أجمل فى مكان فإنه قد بسط فى موضع آخر، فإن أعياك فعليك بالسنة؛ فإنها شارحة للقرآن وموضحة له، وحينئذ إذا لم نجد التفسير فى القرآن ولا فى السنة رجعنا فى ذلك إلى أقوال الصحابة؛ فإنهم أدرى بذلك لما شاهدوا من القرائن والأحوال التى اختصوا بها، ولما لهم من الفهم التام والعلم الصحيح والعمل الصالح، لاسيما علماء هم وكبراء هم كالأئمة الأربعة الخلفاء الراشدين، والأئمة المهتدين المهديين، وعبد الله بن مسعود -رضى الله عنهم أجمعين-وإذا لم تجد التفسير فى القرآن ولا فى السنة ولا وجدته عن الصحابة فقد رجع كثير من الأئمة فى ذلك إلى أقوال التابعين" ترجمہ:سب سے بہتر قرآن کی تفسیر کرنے کا انداز وہ ہے جس میں قرآن کی تفسیر قرآن سے کی ہو جہاں کوئی اجمالی طور پر ذکر ہو وہاں وہ کلام نقل کیا جائے جو دوسری جگہ تفصیل سے ہے۔اگر قرآن کی کسی آیت کی تفسیر قرآن سے نہ ہو رہی ہو تو سنت سے کی جائے کیونکہ سنت قرآن کی شارح ہے۔اگر کوئی تفسیر قرآن وسنت سے نہ ملے تو اقوال صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ انہوں نے قرآن کے نزول کو دیکھا اور جانا اور کیونکہ انہوں نے قرآن کا کامل فہم اور صحیح علم پایا اور عمل صالح کیا خصوصا جید صحابہ کرام جیسے ائمہ اربعہ خلفاء الراشدین اور ائمہ مہتدین ومہدیین اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔اور اگر قرآن وسنت اور

صحابہ سے بھی تفسیر نہ ملے تو کثیر ائمہ تابعین کے اقول کی طرف رجوع کیا جائے۔

(تفسیر القرآن العظیم، جلد1، صفحہ 13، دار طیبة للنشر والتوزیع، ریاض)

شریعت میں علمائے کرام کا بلند درجہ صرف اسلئے نہیں کہ انہوں نے دین کا علم حاصل کرلیا اب صحیح طور پر خود عبادت کرسکیں گے بلکہ اس لئے ہے یہ دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اقرب الناس من درجة النبوة اهل العلم و الجهاد واما اهل العلم فدلّوا الناس علی ماجاء ت به الرسل واما اهل الجهاد فجاهدو ا باسیافهم علی ماجاء ت به الرسل" ترجمہ: لوگوں میں سے درجہ نبوت کے زیادہ قریب علماء اور مجاہدین۔ علماء رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں جب کہ مجاہدین رسولوں کی لائی ہوئی شریعت (کے تحفظ) کے لئے اپنی تلواروں سے جہاد کرتے ہیں۔

(کنز العمال، کتاب الجهاد، الباب الأول فی الترغیب فیه، جلد 4، صفحہ 524، مؤسسة الرسالة ، بیروت)

علم اللہ عزوجل کی طرف سے رسولوں علیہم السلام کو عطا کیا جاتا ہے، رسولوں سے علماء تک اور علماء سے لوگوں تک پہنچتا ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے" فبحور العلم عند الله تعالی ، فأعطی الرسل منها أو دیة ، ثم أعطت الرسل من أو دیتهم أنهاراً إلی العلماء ، ثم أعطت العلماء إلی العامة جداول صغاراً "ترجمہ: علم کا سمندر اللہ عزوجل کی طرف سے رسولوں کو عطا کیا جاتا ہے پھر یہ علم بذریعہ دریا علماء کو عطا کیا جاتا ہے پھر علماء سے یہ علم چھوٹی ندیوں سے ہوتا ہوا عوام تک پہنچتا ہے۔

(تفسیر کبیر، جلد1، صفحہ 250، مکتبہ علوم اسلامیہ، لاہور)

قرآن کو عالم جاہل سے زیادہ جانتا ہے اس لئے جاہل قرآن سمجھنے کے لئے عالم کا

محتاج ہے چنانچہ امام طَبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا"قال ابن عباس التفسیرُ علی أربعةِ أوجه :وجهٌ تعرفه العربُ من كلامها، وتفسير لَا يُعذر أحدٌ بجهالته، وتفسير يعلمه العلماء، وتفسير لَا يعلمه إلا الله تعالى ذكره-- عن عبد الله بن عباس أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أنزل القرآن على أربعة أحرفٍ حلالٌ وحرامٌ لَا يُعذَر أحدٌ بالجهالة به، وتفسيرٌ تفسِّره العرب، وتفسيرٌ تفسِّره العلماء، ومتشابهٌ لَا يعلمه إلا الله تعالى ذكره، ومن ادَّعى علمه سوى الله تعالى ذكره فهو كاذب" ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تفسیر کی چار اقسام ہیں: پہلی یہ ہے کہ اہل عرب اس کلام کو جانتے ہوں، دوسری یہ کہ جس میں جہالت عذر نہ ہو (یعنی ہر کوئی سمجھ سکتا ہو)، تیسری یہ کہ جسے علماء جانتے ہوں اور چوتھی وہ تفسیر جسے اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہ جانتا ہو۔۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے قرآن چار تفاسیر پر نازل ہوا: حلال وحرام، جس میں جہالت عذر نہ ہو اور تفسیر جس کی وضاحت اہل عرب کریں اور تفسیر جس کی وضاحت علماء کریں اور متشابہ جسے اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو اس کے علم کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

(جامع البیان فی تأویل القرآن،جلد1،صفحہ76، 75 ،مؤسسة الرسالة،بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس فرمان سے واضح ہوا کہ اگر کوئی جاہل قرآن پاک کو پڑھے تو اسے توحید، واقعات، حلال وحرام کا سرسری سا علم ہو جائے گا باقی مسائل میں وہ علماء کا محتاج ہوگا۔اگر کسی عام آدمی کو کوئی مسئلہ درپیش آجائے اور وہ قرآن وحدیث سے اس کا حل ڈھونڈنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے قرآنی آیات کے شانِ نزول ،احادیث، عربی لغت، ناسخ منسوخ وغیرہ سب علوم پر دسترس ہو جو کہ انتہائی

مشکل کام ہے۔اگر یہی بات وہ کسی عالم دین سے پوچھ لے تو اسکا مسئلہ حل ہو جائے گا اور عموما ایسا ہی ہوتا ہے بلکہ قرآن پاک نے بھی یہی تعلیم دی ہے ﴿ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: تو اے لوگو ! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (النخل ،سورت16،آیت 43)

مرقاۃ المفاتیح میں ہے"واجب علی کل من لم یفهم معنی آیة أو حديث أو جمع بينهما أو غير ذلك من المسائل أن يسأل واحدا من العلماء كما قال تعالى فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون" ترجمہ: ہراس پر جو آیت یا حدیث کا معنی نہ سمجھے یا آیت وحدیث کو جمع نہ کر سکے یا کسی شرعی مسئلہ کو نہ جانتا ہو تو اہل علم میں سے کسی عالم سے پوچھنا اس پر واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، جلد11، صفحہ369، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

جو حدیث اعتراض کے طور پر پیش کی گئی یہ علماء کی طرف رجوع کے منافی نہیں کیونکہ دوسری احادیث وآیات سے علماء کی طرف رجوع واطاعت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُواْ بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُوْلِي الأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلاَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لاَتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلاَّ قَلِيلاً﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور اُن سے اُس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل

اوراس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے۔

(سورۃ النساء، سورت 4،آیت 83)

اس آیت میں اولوالامر سے مراد کون ہیں دیگر مفسرین کی طرح امام المفسرین امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے اس بارے میں چند اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے دو قول قوی ہیں (1) اس سے حکام مراد ہیں (2) اس سے علماء مراد ہیں " الذين يفتون في الأحكام الشرعية ويعلمون الناس دينهم "علماء جو احکام شرعیہ میں فتوی دیتے اور لوگوں کو دین سکھاتے ہیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں"أنه لا نزاع أن جماعة من الصحابة والتابعين حملوا قوله﴿وَأُولِي الامر مِنكُمْ﴾على العلماء" ترجمہ:اس میں کوئی اختلاف نہیں صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت اولی الامر سے مراد علمائے کرام ٹھہراتی ہے۔اورفرماتے ہیں "والعلماء في الحقيقة أمراء الأمراء "علمائے کرام حقیقۃً بادشاہوں کے بھی بادشاہ ہیں۔

(تفسیر کبیر،جلد4،صفحہ113،مکتبہ علوم اسلامیہ ،لاہور)

احادیث اس بات کی دلیل ہیں کی لوگوں کی رہنمائی کا علماء کے ساتھ خاص تعلق ہے۔لوگ دین کے معاملہ میں علماء کے محتاج ہیں بلکہ حدیث پاک میں ہے کہ علماء کی طرف حاجت تو جنت میں بھی ہوگی چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"ان اهل الجنة يحتاجون الى العلماء في الجنة وذلك انهم يزورون الله تعالى في كل جمعة فيقول لهم تمنوا على ماشئتم فيلتفتون الى العلماء فيقولون ماذا نتمنى فيقولون تمنوا عليه كذا وكذا فهم يحتاجون اليهم في الجنة كمايحتاجون اليهم في الدنيا"ترجمہ: بے شک اہل جنت، جنت میں علماء کے محتاج ہوں گے یوں کہ ہر جُمُعَہ کو انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب

ہوگا،مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا جو جی میں آئے مجھ سے مانگو(اب جنت سے مکان میں جا کر کون سی حاجت باقی ہے کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا مانگیں)لوگ علما کی طرف منہ کر کے کہیں گے ہم کیا تمنا کریں، وہ فرمائیں گے اپنے رب سے یہ مانگو،تو لوگ جنت میں بھی علما کے محتاج ہوں گے جیسے دنیا میں علماء کے محتاج ہوتے ہیں۔

(الجامع الصغیر بحوالہ ابن عساکر حدیث ،جلد1،صفحہ637،مکتبۃ الإمام الشافعی،الریاض)

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کو ہر ایک کا سمجھنا اس پر صحیح چلنا اس سے مسائل استنباط کرنا ناممکن ہے ۔اس لئے راہ وہی حق ہے جس پر مفسرین، محدثین،فقہاء چلے کہ اپنے اپنے امام کی پیروی کی جائے اور درپیش مسائل میں علماء کی طرف رجوع کیا جائے۔آخر میں ساری بحث کا خلاصہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان سے ہوتا ہے ”اذا وجد احد کم کتابا فیه علم لم یسمعه عن عالم فلیدع باناء وماء فلیقعه فیه حتی یختلط سواده فی بیاضه“ یعنی جب تم میں کوئی ایک کتاب پائے جس میں علم کی بات ہے اور اسے کسی عالم سے نہ سنا تو برتن میں پانی منگا کر وہ کتاب اس میں ڈبو دے کہ سیاہی سپیدی سب ایک ہو جائے۔

(الفتاوی الحدیثیہ لابن حجر الهیتمی،جلد1،صفحہ نمبر 64،دارالفکر ،بیروت)

اب جن لوگوں تقلید کا دامن چھوڑا اور خود قرآن وحدیث سے استدلال کیا ان کا حال دیکھیں:۔

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاوٰی رضویہ میں غیر مقلد فقہ پیش کرتے ہیں:”پانی کتنا ہی کم ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے۔نواب صدیق حسن خاں بہادر شوہر ریاست بھوپال نے طریقہ محمدیہ ترجمہ درر بہیہ مصنفہ قاضی شوکانی ظاہری المذہب مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے صفحہ 6و7 پر اس کی تصریح

کی، اس کتاب پر مولوی نذیر حسین صاحب نے مہر کی اور لکھا اس پر موحدین بے دھڑک عمل کریں، اور دیباچے میں خود نواب مترجم لکھتے ہیں: متبع سنت اس پر آنکھ بند کر کے عمل کرے اور اپنی اولاد اور بیبیوں کو پڑھائے۔ اور یہی مضمون فتح المغیث مطبع صدیقی لاہور کے صفحہ 5 میں ہے۔ یہ وہی کتاب طریقہ محمدیہ ہے جس کا نام بدل کر نواب بھوپال نے دوبارہ وسہ بارہ بھوپال اور لاہور میں چھپوایا۔ اس مسئلے کا مطلب یہ ہوا کہ کنواں تو بڑی چیز ہے اگر پاؤ بھر پانی میں دو تین ماشے اپنا یا کتے کا پیشاب ڈال دیجئے پاک رہے گا مزے سے وضو کیجئے، نماز پڑھئے کچھ مضائقہ نہیں۔

اسی فتح المغیث کے صفحہ 5 اور طریقہ محمدیہ کے صفحہ 7 میں ہے: نجاست گوہ اور مُوت (پیشاب) ہے آدمی کا مطلق مگر موت لڑکے شیر خوار کا اور لعاب ہے کتے کا اور لینڈ بھی اور خون بھی حیض ونفاس کا اور گوشت ہے سؤر کا اور جو اس کے سوا ہے اس میں اختلاف ہے اور اصل اشیاء میں پاکی ہے اور نہیں جاتی پاکی مگر نقل صحیح سے کہ جس کے معارض کوئی دوسری نقل نہ ہو۔

یہاں صاف صاف نجاست کو ان سات چیزوں میں حصر کر دیا باقی تمام اشیاء کو اصل طہارت پر جاری کیا جب تک نقل صحیح غیر معارض وارد نہ ہو۔ میں کہتا ہوں اب مثلاً اگر کوئی غیر مقلد مرغی کے گوہ یا سوئر کے موت یا کتے کی منی سے اپنے چہرہ وریش بُرُوت (مونچھیں) وجامہ پر عطر وگلاب افشانی فرما کر نماز پڑھ لے یا یہ چیزیں کیسی ہی کثرت سے پانی میں مل جائیں اگرچہ رنگ ومزہ وبو کو بدل دیں اور غیر مقلد صاحب اس سے وضو کریں اصلاً حرج نہیں کہ آخر جامہ بدن پر کوئی نجاست نہیں، نہ پانی کے اوصاف کسی نجس نے بدلے پھر کیا مضائقہ ہے سب مباح وروا ہے۔۔۔

نواب صاحب اپنے صاحبزادہ کے نام سے نہج المقبول من شرائع الرسول مطبوعہ بھوپال کے صفحہ 20 پر فرماتے ہیں"شستن منی از برائے استقذار بودہ است نہ بنابرنجاست و برنجاست خمر و دیگر مسکرات دلیلے کہ صالح تمسک باشد موجود نیست و اصل درھمہ چیز ھاطھارت ست و درنجاست لحم خوك خلاف ست ودم مسفوح حرام ست نہ نجس " ترجمہ:منی کو نفرت و نظافت کی وجہ سے دھونا ضروری ہے نہ کہ ناپاک ہونے کی وجہ سے،شراب اور دیگر نشہ آور اشیا کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل صالح نہیں جس سے استدلال کیا جا سکے اور تمام اشیاء میں اصلاً طہارت ہے۔خنزیر کے گوشت کے نجس ہونے میں اختلاف ہے دم مسفوح حرام ہے مگر نجس نہیں۔

اسی فتح المغیث کے صفحہ 6 پر ہے: کافی ہے مسح کرنا پگڑی پر۔یعنی وضو میں سر کا مسح نہ کیجئے پگڑی پر ہاتھ پھیر لیجئے وضو ہو گیا اگرچہ قرآن عظیم فرمایا﴿وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ﴾(اپنے سروں کا مسح کرو)

مولوی محمد سعید شاگرد مولوی نذیر حسین ہدایت قلوب قاسیہ کے صفحہ 36 میں لکھتے ہیں جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس کی نماز بغیر غسل کے درست ہے۔

فتاوی ابراہیمیہ مصنفہ مولوی ابراہیم غیر مقلد مطبوعہ دھرم پرکاش الہ آباد کے صفحہ 2 میں ہے: وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح فرض ہے۔

(فتاوی رضویہ،جلد6،صفحہ690--،رضافائونڈیشن،لاہور)

اسی طرح اور بھی غیر مقلد فقہ میں بے شمار مسائل ایسے ہوتے ہیں جو صریح احادیث کے خلاف ہوتے ہیں۔لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کو وہ اس گروہ کی پیروی کرے جو صدیوں سے چلا آرہا ہے۔قرآن و حدیث کو پڑھیں،اس پر عمل کریں لیکن مسائل خود اخذ

نہ کریں سنی علماء سے پوچھیں، یہی قرآن وسنت اور اسلاف کی تعلیمات ہیں۔ الحمد للہ عزوجل! اس پوری بحث سے منکرین حدیث کا بھی رَد ہو گیا کہ جو کہتے ہیں احادیث صحیح نہیں کہ ان میں اختلاف ہے۔ اختلاف کی وجوہات وترجیحات بیان کردی گئیں۔ منکرین حدیث ہونے کی ایک بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ خود بغیر تقلید اپنی جہالت میں حدیث سے استنباط کرنے کی کوشش کرنا۔ حدیث کے ناسخ منسوخ ہونے، صحیح غیر صحیح ہونے کی پہچان نہ ہونا اور بظاہر احادیث کے تعارض سے احادیث کا انکار کر دینا۔ جیسے کئی بیماریوں کے علاج احادیث میں مذکور ہیں، جن میں بعض کے متعلق علماء کرام نے فرمایا کہ یہ طریقہ صرف اہل عرب کے لئے ہے جیسے جامع ترمذی کی حدیث پاک ہے "أخبرنا ثوبان عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال إذا أصاب أحدکم الحمی فإن الحمی قطعة من النار فلیطفئها عنه بالماء فلیستنقع نهرا جاریا لیستقبل جریة الماء فیقول بسم الله اللهم اشف عبدك وصدق رسولك بعد صلاة الصبح قبل طلوع الشمس فلیغتمس فیه ثلاث غمسات ثلاثة أیام فإن لم یبرأ فی ثلاث فخمس وإن لم یبرأ فی خمس فسبع فإن لم یبرأ فی سبع فتسع فإنها لا تکاد تجاوز تسعا بإذن الله" ترجمہ: روایت ہے حضرت ثوبان سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو بخار آئے تو بخار آگ کا ٹکڑا ہے، اسے پانی سے بجھائے کہ جاری نہر میں غوطہ لگائے اس کے بہاؤ کی طرف منہ کرے پھر کہے بسم اللہ الٰہی اپنے بندے کو شفا دے اور اپنے رسول کو سچا کر دے یہ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے کرے تین دن تک تین غوطے لگایا کرے اگر اس میں تندرست نہ ہو تو پانچ دن اگر اس میں بھی اچھا نہ ہو تو سات دن اگر اس میں بھی اچھا نہ ہو تو نو دن بحکم الٰہی یہ بخار نو دن سے آگے نہیں بڑھے گا۔

(جامع ترمذی، کتاب الطب، جلد4، صفحہ410، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں:''یہ خطاب اہلِ عرب کو ہے جنہیں اکثر صفراوی بخار آتے تھے جس میں غسل مفید ہوتا ہے ہم لوگ اس پر بغیر حاذق حکیم کے مشورے کے عمل نہ کریں، کیونکہ ہمیں اکثر وہ بخار ہوتے ہیں جن میں غسل نقصان دہ ہے اس سے نمونیہ کا خطرہ ہوتا ہے ہاں کبھی ہم کو بھی بخار میں غسل مفید ہوتا ہے۔حتی کہ ڈاکٹر مریض کے سر پر برف بندھواتے ہیں۔صفراوی بخاری کے لیے یہ عمل اکسیر ہے جس پر کبھی حکیم عمل کرتے ہیں مگر یہ عمل تیز گرمی میں صفراوی بخار میں طبیب کی رائے سے کیا جائے۔مرقات نے فرمایا کہ ایک شخص نے ترجمہ حدیث دیکھ کر اپنے پر اسے آزمایا نمونیہ ہوگیا بمشکل بچا تو وہ حدیث کا ہی منکر ہوگیا حالانکہ اس کی اپنی جہالت تھی۔'' (مراۃ المناجیح، جلد2، صفحہ429، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

اعتراض: فقہی کتب قرآن وحدیث ہی پر مبنی نہیں اس میں فقہاء کی اپنی اپنی آراء ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کوئی فقہی کتب نہ تھیں۔

جواب: فقہی کتب میں موجود مسائل خود ساختہ نہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ ہے وہ مسائل بھی ہیں اور جن مسائل کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں مذکور نہیں ان مسائل کو قرآن وحدیث سے استنباط کیا گیا ہے۔اسے ہی فقہ کہتے ہیں چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے ''إن الفقه الإسلامی وإن كان مجموعة آراء لبعض العلماء، إلا أن هذه الآراء لا بد أن تكون معتمدة على نص شرعی من كتاب الله أو سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إن الآراء المعتمدة على الإجماع والقياس وغيرها من الأدلة المساندة'' ترجمہ: فقہ اسلامی بے شک

فقہائے کرام کی آراء ہیں لیکن ان میں اعتماد قرآن وسنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ اجماع وقیاس اور دیگر مآخذ پر کیا گیا ہے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد1، صفحه 21، دارالسلاسل ،الكويت)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں فقہ کا مدون نہ ہونا اس کی شرعی حیثیت کو کم نہیں کرتا اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں قرآن کے علاوہ کسی کو مدون کرنا سے منع کیا گیا تھا کہ کہیں قرآن کے ساتھ اختلاط نہ ہو جائے ۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے"ولم يدون فى هذا العهد إلا القرآن الكريم وقد نهى عن تدوين غيره خشية أن يختلط على الناس كلام الله بكلام الرسول صلى الله عليه وسلم كما وقع للأمم السابقة ، حيث خلطوا بين كلام الله ورسلهم وأحبارهم ورهبانهم ، واعتبروها كلها كتبا مقدسة من عند الله ، ولكن أذن لبعض الصحابة أن يدونوا أحاديثه الشريفة ، كعبد الله بن عمرو بن العاص ، فقد كتب ما سمعه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وسمى صحيفته هذه "الصادقة "، وأذن لعلى كرم الله وجهه أن يكتب بعض المسائل التى تتصل بالدماء والديات"، ترجمہ:حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں قرآن کے علاوہ کسی کو مدون نہیں کیا گیا اور قرآن کے علاوہ کسی اور کے مدون کرنے سے منع کیا گیا تھا اس خوف سے کہ کہیں لوگوں پر کلام اللہ عزوجل اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلط نہ ہو جائے جیسا پچھلی امتوں میں ہوا کہ ان میں کلام اللہ اوران کے رسولوں کا کلام اور یہود ونصاری کے علماء کا کلام خلط ہو گیا اور اس خلط کلام کو اللہ عزوجل کا کلام سمجھا گیا۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان کو احادیث کی تدوین کی اجازت دی گئی تھی جیسے

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے اس لکھ لیتے تھے اور اس صحیفے کا نام صادقہ رکھا گیا۔اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل ودیات کے بعض مسائل لکھنے کی اجازت دی گئی۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد1،صفحه 24،دارالسلاسل ،الكويت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں فقہ نہ تھی کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جیسا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتا دیکھتا تھے ویسے وضو کرتے تھے،جیسا نماز وحج کرتے دیکھتے تھے ویسے ہی حج ونماز ادا کرتے تھے۔" ولم يبين أن فروض الوضوء ستة أو أربعة "ترجمہ:اس دور میں یہ واضح طور پر نہیں بتایا گیا کہ وضو کے چھ فرائض ہیں یا چار۔ (الانصاف،صفحہ14،15،دارالنفائس)

اعتراض: مقلد قرآن وحدیث سے استنباط نہیں کرسکتا پھر وہ قرآن وحدیث سے دلائل کیوں دیتا ہے؟

جواب: مقلد اپنے امام کی تائید میں دلیل پکڑ سکتا ہے جیسا کہ فقہ کی معتبر کتب میں اس کی تائید موجود ہے۔البتہ مقلد اپنے امام کے خلاف قرآن وحدیث سے دلیل نہیں پکڑ سکتا کیونکہ جو وسعت علمی، باریک بینی، دقیقہ سنجی اور علمی میدان میں بلند پروازی،قوت استخراج واستنباط وملکہ اجتہاد رسوخ فی العلم،مہارت تامہ کاملہ شاملہ مجتہد کو حاصل ہوتی ہے وہ مقلد کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔اسکی مثال دیکھنی ہو تو نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کا حال دیکھ لیں،دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کے جواز کے بارے میں اس نے ایک کتاب لکھی اور اپنی حدیث دانی کا شور مچایا،احادیث سے استدلال کیا مگر یہ استدلال امام اعظم

کے خلاف تھا لہٰذا اعلیٰ حضرت ، عظیم البرکت ، مجدد دین وملت ، مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "حاجز البحرین" میں نذیر حسین غیر مقلد کے دلائل کا وہ حشر کیا کہ آج تک کوئی غیر مقلد اسکا جواب نہ دے سکا اور نہ کبھی قیامت تک دے سکے گا۔ جب غیر مقلدوں کے چوٹی کے شیخ الحدیث امام کا یہ حال ہوا کہ امام کے خلاف حدیث سے استدلال کرنا نہ آیا تو اس سے کم درجہ کے غیر مقلدین کا حال کیا ہوگا؟

موجودہ دور میں بھی علماء قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جدید مسائل مثلاً انتقال خون ، پلاسٹک سرجری ، ٹیسٹ ٹیوب بے بی ، گھڑی کا چین ، نماز میں اسپیکر کا استعمال اس طرح کے بہت سے مسائل میں موجود مقلد علماء نے قرآن وحدیث سے استدلال کیا ہے۔ اسکے باوجود وہ غیر مقلد نہیں بنے کیونکہ ان میں سے کوئی بات ان کے امام کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر بے مہار کی طرح اندھا دھند جس حدیث سے جو چاہا نکال لیا اور حاکم کل اور مطلق العنان بن کر لوگوں پر ٹھونسنا شروع کر دیا یہ بات غیر مقلدیت ہے اور منکرین تقلید کے اندر یہی چیز پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے یہ قرآن وحدیث سے استدلال کریں تو غیر مقلد کہلائیں گے۔

(ملخص رسائل قادریہ، صفحہ 361، مکتبہ اہلسنت ، فیصل آباد)

اسی طرح جدید مسائل کے متعلق کوئی صریح حکم نہ ملے تو مقلد اسے قرآن وحدیث سے استدلال اور قیاس سے حل کرسکتا ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "اطلاق وعموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص "کما بینہ خاتم المحققین سیدنا الجد قدس سرہ الامجد فی کتابہ المستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" (جیسا کہ ہمارے والد گرامی خاتم المحققین قدس سرہ نے اپنی

مبارک کتاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں بیان کیا ہے۔) مثلا اس اخیر زمانہ فتن میں طرح طرح کے نشے، قسم قسم کے باجے ایسے پیدا ہوئے جن کی حرمت کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث شریف میں نہ اقوال ائمہ میں، مگر انہیں حرام ہی کہا جائے گا کہ وہ ہے ''کل مسکر حرام'' (ہر نشہ آور شے حرام ہے۔) کے عموم اور یہ حدیث ''یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف'' (وہ ریشم، شراب اور مزامیر کو حلال سمجھیں گے۔) وکریمہ ﴿مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ﴾ (اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں۔)

کے شمول واطلاق میں داخل، اب اگر کوئی جاہل کہہ اُٹھے کہ یہ تو تم قیاس کرتے ہو احادیث میں کہیں تصریح نہیں پائی جاتی نہ ہمارے امام صاحب کے تابعین سے، ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بیکار ہے تو اس سے یہی کہنا چاہئے کہ اے ذی ہوش! یہ قیاس نہیں بلکہ جب ایک مطلق یا عام احادیث وکلمات علمائے کرام میں وارد ہے تو اس کے دائرے میں جو کچھ داخل سب کو وہ حکم محیط وشامل، تو ثابت ہوا کہ زید کا ''ضروری سوال'' میں خود ہی یہ سوال قائم کرنا کہ جب قنوت عندالنازلہ ثابت اور جائز ہوتی تو ہر قسم کی بلا اور مصیبت پر جائز ہونی چاہئے اور اس کا یہ مہمل جواب دینا کہ ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بے کار ہے احادیث میں کہیں تصریح نہیں پائی جاتی نہ ہمارے امام صاحب کے توابعین کے اقوال سے، صریح نادانی ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد7، صفحہ 496، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اعتراض: تقلید شخصی شرک ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ﴾ ترجمہ: انھوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو

اللہ تعالیٰ کے سوا خدا بنالیا۔ (سورۃ التوبۃ،سورت9،آیت31)

حدیث پاک میں ہے"عن عدی بن حاتم رضی الله عنه قال أتیت النبی صلی الله علیه و سلم وفی عنقی صلیب من ذهب قال فسمعته یقول ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله﴾ قال قلت یا رسول الله إنهم لم یکونوا یعبدونهم قال أجل ولکن یحلون لهم ما حرم الله فیستحلونه ویحرمون علیهم ما أحل الله فیحرمونه فتلك عبادتهم لهم " ترجمہ:حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ،میری گردن میں چاندی کی صلیب تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انھوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا خدا بنالیا۔میں نے کہا وہ پادریوں اور جوگیوں کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیکن ان کے پادری اور جوگی اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو ان کے لئے حلال کر دیتے اور حلال کی ہوئی کو حرام کر دیتے۔ان کا ان کی اتباع کرنا ان کی عبادت ہے۔

(سنن البیهقی الکبری،کتاب آداب القاضی ،باب ما یقضی به القاضی ویفتی به المفتی، جلد10،صفحہ 116،مکتبة دار الباز،مکة المکرمة)

جواب: ائمہ کرام رحمہم اللہ نے ہرگز اللہ عزوجل کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں کیا بلکہ حلال وحرام کے متعلق احکام قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائے ہیں۔لہٰذا یہ آیت وحدیث مقلدین پر منطبق نہیں ہوتی۔کفار کے حق میں نازل ہوئیں آیات واحادیث کو مسلمانوں پر منطبق کر دینا گمراہ لوگوں کا وطیرہ ہے۔بخاری شریف کی حدیث پاک ہے"کان ابن عمر یراهم شرار خلق اللّٰہ وقال انّهم انطلقو الی اٰیاتٍ نزلت فی

الکفار فجعلوھا علی المؤمنین" ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارج کو بدترین خلق اللہ جانتے کہ انہوں نے وہ آیتیں جو کافروں کے حق میں اتریں اُٹھا کر مسلمانوں پر رکھ دیں۔

(صحیح البخاری کتاب استتابہ المعاندین باب قتال الخوارج والملحدین ۔۔جلد6،صفحہ2539،دار ابن کثیر ، الیمامۃ، بیروت)

علامہ طاہر رحمۃ اللہ علیہ مجمع بحارالانوار میں قول ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کر کے فرماتے ہیں"قال المذنب تاب اللّٰہعلیہ و اشرمنھم من یجعل اٰیات اللّٰہ فی شرار الیھود علی علماء الامۃ المعصومۃ المرحومۃ طھراللّٰہ الارض عن رجسھم " ترجمہ: مذنب کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے ،ان خارجیوں سے بدتر وُہ لوگ ہیں کہ اشرار یہود کے حق میں جو آیتیں اُتریں انھیں امّت محفوظہ مرحومہ کے علماء پر ڈھالتے ہیں اللہ تعالیٰ زمین کو اُن کی خباثت سے پاک کرے۔

(مجمع بحار الانوار ،تحت لفظِ حدیث ،جلد1،صفحہ642،مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ)

شروع سے آج تک یہی معمول کہ عامی کو جو مسئلہ پُوچھنا ہوا عالم سے پُوچھا، عالم نے حکم بتا دیا سائل نے مانا اور کاربند ہُوا۔صحابہ سے آج تک کبھی دلیل بتانے اور اُسے عامی کے اس قدر ذہن نشین کرنے کا کہ وُہ خود سمجھ لے کہ واقعی یہ حکم قرآن وحدیث سے ثابت بروجہ صحیح غیر معارض و غیر منسوخ ہے، ہرگز نہ دستور تھا نہ ہُوا نہ ہے،تو پوچھنے والے نے بے علم دلیل تفصیلی اُن کا فتوی ماننا یہی تقلید ہے،اگر تقلید شرک ہے تو عہد صحابہ سے آج تک سب عامی مشرک ہُوئے اور وُہ مفتی بے القائے دلیل اس لئے فتوے دیتے رہے کہ یہ مانیں اور عمل کریں،تو صحابہ سے آج تک سب مفتیان وعلماء مشرک ہوئے۔معاذ اللہ عزوجل۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اتباع کرنے والے اُن سے فتوی لیتے اور

اس پر چلتے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اتباع کرنے والے اُن کی طرف تھے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اتباع کرنے والے اُن کے ساتھ تھے، اور وُہ اختلاف آج تک برابر قائم رہا، سب فریق مشورہ کر کے ایک بات پر عامل نہ ہوتے تھے نہ ہوئے۔

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''بلاشبہہ گیارہ سو برس سے عامہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا وعلیہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ مقلدین ہیں مقلدوں کو مشرک کہنا عامہ امت مرحومہ کی تکفیر ہے اور بلا ریب بحکم ظواہر احادیث وفتوی ائمہ فقہ کفر ہے۔عالمگیری، جلد دوم، ص378، برجندی شرح نقایہ، جلد چہارم، ص68، حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ، جلد اول، ص140، ص156، جامع الفصولین، جلد دوم، ص311، بزازیہ، جلد سوم، ص331، ردالمحتار، جلد سوم، ص283، درمختار، ص393، جامع الرموز مطبوعہ کلکتہ، جلد چہارم، ص651، مجمع الانہر، مطبوعہ قسطنطنیہ، جلد اول، ص566، خزانۃ المفتین قلمی، کتاب السیر آخر فصل الفاظ الکفر، نیز ان کتب میں ذخیرۃ الفتاوٰی وفصول عمادی واحکام علی الدرر وقاضیخاں ونہر الفائق وشرح وہبانیہ وغیرہا سے ''المختار للفتوی فی جنس هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات ان ارادالشتم ولايعتقده كافرا لايكفر وان كان يعتقده كافرا فخاطبه بهذابناء على اعتقاده انه كافر يكفر'' ایسے مسائل میں فتویٰ کے لئے مختار یہ ہے کہ اگر ایسے کلمات سے مراد سبّ وشتم ہو اور کفر کا اعتقاد نہ ہو تو کافر نہیں ہوگا اور اگر مقلد کو کافر سمجھتا ہے اور اسے اپنے اس اعتقاد کے مطابق مخاطب کرتا ہے تو اب کافر ہو جائے گا۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد14، صفحہ291، رضافائونڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں: ''تمام منتہی فاضل جن سے امام غزالی ناقل کہ ترک تقلید شخصی کومنکر وناروا بتاتے ، اکابر ائمہ جن کے قول سے کشف کاشف کہ تقلید امام معین کوواجب ٹھہراتے مشائخ کرام جن کے صحاب کلام صاحب بحر معترف کہ ترک تقلید شخصی کوگناہ کبیرہ کہتے ،علمائے فریقین وفقہائے عظام جن سے ملل ونحل وشاہ ولی اللہ حاکی کہ تقلید معین کی مخالفت ناجائز رکھتے ، یہ سب تو معاذ اللہ تمہارے طور پر صریح کفار ومشرکین ٹھہرے، اس سے بھی درگزر کروان ائمہ دین کی خدمات عالیہ میں کیا اعتقاد ہے جنہوں نے خود اپنی تصانیف جلیلہ وکلمات جمیلہ میں وجوب تقلید معین وغیرہ ان باتوں کی صاف صریح تصریحیں فرمائیں جوتمہارے مذہب پر خالص کفروشرک ہیں ان سب کوتو نام بنام بتعیین اسم (خاک بدہان گستاخاں) معاذ اللہ کافرومشرک کہئے گا۔ یہ موجز رسالہ کواطلاع اہل حق کے لئے ایک مختصر فتوی ہے جواپنے منصب یعنی اظہار حکم فقہی کونہج احسن ادا کر چکا اور کرتا ہے اس میں ان اقوال وافرہ ونصوص متکاثرہ کی گنجائش کہاں۔مگر ان شاء اللہ العظیم توفیق ربانی مساعدت فرمائے توفقیر ایک جامع رسالہ اس باب میں ترتیب دینے والا ہے جوان اقوال کثیرہ سے جملہ صالحہ کوایک نئے طرز پر جلوہ دے گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ غیر مقلدین کے اصول مذہبی کوان کے مستندین ہی کے کلمات مستندہ سے ایک ایک کرکے مستاصل کرے گا۔ میں یہاں صرف ان ائمہ دین وعلمائے مستندین کے چند اسماء شمار کرتا ہوں جوخاص اپنے ارشادات وتصریحات کے روسے مذہب غیر مقلدین پر کافرومشرک ٹھہرے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ ان میں سے ہیں: امام ابوبکر احمد بن اسحاق جوزجانی تلمیذ التلمیذ امام محمد، امام ابن السمعانی، امام اجل امام الحرمین، امام محمد غزالی، امام برہان الدین صاحب ہدایہ، امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری صاحب خلاصہ، امام

کمال الدین محمد بن الہمام، امام علی خواص، امام عبدالوہاب شعرانی، امام شیخ الاسلام زکریا انصاری، امام ابن حجر مکی، علامہ ابن کمال باشا صاحب ایضاح واصلاح، علامہ علی بن سلطان محمد قاری مکی، علامہ شمس الدین محمد شارح نقایہ، علامہ زین الدین مصری صاحب بحر، علامہ عمر بن نجیم مصری صاحب نہر، علامہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی صاحب تنویر الابصار، علامہ خیر الدین رملی صاحب فتاوٰی خیریہ، علامہ سیدی احمد حموی صاحب غمز، علامہ محمد بن علی دمشقی صاحب درو خزائن، علامہ عبدالباقی زرقانی شارح مواہب، علامہ برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر بن محمد بن حسین حسینی صاحبِ جواہر اخلاطی، علامہ شیخ محقق مولٰینا عبدالحق محدث دہلوی، علامہ احمد شریف مصری طحطاوی، علامہ آفندی امین الدین محمد شامی، صاحب منیہ، صاحب سراجیہ، صاحب جواہر، صاحب مصفّٰی، صاحب ادب المقال، صاحب تتارخانیہ، صاحب مجمع، صاحب کشف، مؤلفان عالمگیریہ کہ باقرار مؤلف امداد المسلمین پانسو علما تھے، یہاں تک کہ جناب شیخ مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز صاحب، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حتّٰی کہ خود میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے اتباع ومقلدین مگر یوں کہ﴿ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ﴾(تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔) والحمد للہ رب العٰلمین۔

اور لطف یہ ہے کہ ان میں وہ بھی ہیں جن سے خود امام العصر و دیگر متکلمین طائفہ نے براہ جہالت وتجاہل اسناد کیا اور ان کے اقوال باہرہ وکلمات قاہرہ کو جو اصول طائفہ کے صریح بیخ کن تھے دامن عیّاری میں چھپالیا، میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس رسالہ میں یہ بھی ثابت کروں گا کہ علمائے سلف سے ان کے استناد محض مغالطہ وتلبیس عوام ہیں، ان کے مذہب کو ان سے اصلاً علاقہ نہیں بلکہ خود ہی اقوال جنہیں اپنی سند ٹھہراتے ہیں ان کے

اصول مذہب کی بنیاد گراتے ہیں مگر حضرات کو موافق ومخالف کی تمیز نہیں۔۔ بالجملہ اصلا محل شبہ نہیں ان صاحبوں نے تقلید کو شرک وکفر اور مقلدین کو کافر ومشرک کہہ کر لاکھوں کروڑوں علماء واولیاء وصلحاء واصفیا بلکہ امت مرحومہ محمدیہ علی مولیٰہا وعلیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے دس حصوں سے نو کو علی الاعلان کافر ومشرک ٹھہرایا۔ وہی علامہ شامی قدس سرہ السامی کا ان کے اکابر کی نسبت ارشاد کہ اپنے طائفہ تالفہ کے سوا تمام عالم کو مشرک کہتے اور جو شخص ایک مسلمان کو بھی کافر کہے ظواہر حدیث صحیحہ کی بناپر وہ خود کافر ہے اور طرفہ یہ کہ اس فرقہ ظاہریہ کو ظاہر احادیث ہی پر عمل کا بڑا دعوی ہے۔ امام مالک واحمد وبخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی واللفظ لمسلم (الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔) حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ایما امرء قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما ان کان کما قال والا رجعت علیہ" یعنی جو شخص کلمہ گو کو کافر کہے تو اُن دونوں میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے گی اگر جسے کہا وہ حقیقۃً کافر تھا جب تو خیر ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا۔"

(فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ672، رضا فائونڈیشن، لاہور)

جو گروہ پوری امت کو کافر ومشرک اور گمراہ قرار دے وہ خود گمراہ ہے۔ مسند احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "إذا قال الرجل هلك الناس فهو أهلكهم" ترجمہ: جب تو کوئی یوں کہے کہ لوگ ہلاک ہوگئے تو وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔

(مسلم، باب النهى من قول هلك الناس، جلد4، صفحہ2024، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

اب دیکھنا یہ ہے کہ غیر مقلدین جو تقلید کو شرک وگمراہی کہتے ہیں کیا یہ بھی تقلید سے

آزاد ہے یا نہیں؟ تو درحقیقت یہ بھی تقلید کرتے ہیں۔ابن تیمیہ جو کہ منکرین کا امام ہے اس نے بھی تقلید کو جائز کیا ہے چنانچہ ابن تیمیہ مجموعۃ الفتاوٰی میں کہتا ہے"والذی علیہ جماھیر االامۃ ان الاجتھاد جائز فی الجملۃ ،والتقلید جائز فی الجملۃ، لا یوجبون التقلید علی کل احد و یحرمون الاجتھاد وان الاجتھاد جائز للقادر علی الاجتھاد والتقلید جائز للعاجز عن الاجتھاد فاما القادر علی الاجتھاد و فھل یجوز لہ التقلید؟ ھذا فیہ خلاف والصحیح انہ یجوز حیث عجز عن الاجتھاد" ترجمہ: جمہور امت کے نزدیک اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی، وہ نہ ہر شخص پر اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام کرتے ہیں اور نہ ہی ہر شخص پر تقلید کو واجب اور اجتہاد کو حرام کرتے ہیں۔ جو اجتہاد کی قدرت واستطاعت رکھتا ہے۔اس لئے اجتہاد جائز ہے اور جو اجتہاد سے عاجز ہے۔اس لئے تقلید جائز ہے۔لیکن جو شخص اجتہاد پر قادر ہے اس کے لئے تقلید جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ جہاں وہ اجتہاد سے عاجز ہو وہاں اس کے لئے بھی تقلید جائز ہے۔

(مجموع الفتاوی،جلد20،صفحہ204،مجمع الملک فھد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ النبویۃ)

اس طرح تقلید کو شرک کہنے والے والوں کا امام بھی مشرک ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ جس تقلید کی مذمت کی گئی ہے وہ تقلید شرعی ہے نہ کہ تقلید عرفی کی کیونکہ ہر کوئی ڈائریکٹ قرآن وحدیث سے مسائل استنباط نہیں کرسکتا۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"اپنے امام کے اقوال کو تسلیم وقبول کرنا تقلید شرعی نہیں،بس تقلید عرفی ہے اس لئے کہ دلیل تفصیلی کی ہمیں معرفت نہیں اور تقلید حقیقی کی تو شریعت میں کوئی گنجائش ہی نہیں اور مذمت تقلید میں جو کچھ وارد ہے اس میں تقلید حقیقی ہی مراد ہے اہل جہالت وضلالت عوام

پر تلبیس کر کے اسے تقلید عرفی پر محمول کرتے ہیں جب کہ یہ ہراس شخص پر فرض شرعی ہے جو رتبہ اجتہاد تک نہ پہنچا ہو۔'' (فتاوی رضویہ، جلد1، صفحہ 104، رضا فائونڈیشن، لاہور)

تقلید عرفی میں بھی امام کے ہر قول پر فتوی نہیں بلکہ مشائخ نے امام سے دلیل نہ ملنے پر امام صاحب کے خلاف فتوی بھی دیا ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ لہٰذا مقلدین کو کافر کہنا سخت حرام ہے اور کئی فقہاء کرام کے نزدیک یہ کہنے والا خود کافر ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اعتراض: تقلید اور تقلید شخصی اسی طرح اور کئی افعال کو واجب کہنا کیسا ہے؟ جبکہ واجب صرف اللہ عزوجل و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کر سکتے ہیں۔

جواب: ایسا اعتراض وہی کرے گا جو اصول فقہ سے بالکل عاری ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کو صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں ناجائز و حرام، فرض و واجب نہیں کیا گیا وہ ناجائز و حرام اور فرض و واجب نہیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ قرآن و حدیث میں جس کام کے کرنے کا حکم دیا جائے وہ فرض واجب ہو۔ بلکہ قرآن وحدیث میں جو حکم ارشاد فرمایا گیا ہو وہ کبھی فرض ہوتا ہے، کبھی واجب، کبھی مستحب، کبھی مباح اور کبھی ناجائز و مکروہ ہوتا ہے۔ کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی میں ہے ''واعلم أن صيغة الأمر استعملت لوجوه والمشهور منها ثمانية عشر وجها للوجوب كقوله تعالى ﴿أقيموا الصلاة وآتوا الزكاة﴾ وللندب كقوله تعالى ﴿فكاتبوهم﴾ وللإرشاد إلى الأوثق كقوله تعالى ﴿وأشهدوا إذا تبايعتم﴾ والفرق بين الإرشاد والندب أن الندب لثواب الآخرة والإرشاد للتنبيه على مصلحة الدنيا ولا ينقص ثواب بترك الإشهاد فی المداينات ولا يزيد بفعله

وللإباحة كقوله تعالى ﴿ فكلوا مما أمسكن عليكم﴾ وللإكرام كقوله تعالى ﴿ ادخلوها بسلام آمنين﴾ وللامتنان كقوله تعالى ﴿ كلوا مما رزقكم الله﴾ وللإهانة كقوله تعالى ﴿ ذق إنک أنت العزيز الكريم ﴾ وللتسوية كقوله تعالى ﴿ اصبروا أو لا تصبروا ﴾ وللتعجب كقوله تعالى ﴿أسمع بهم وأبصر﴾ أى ما أسمعهم وما أبصرهم وللتكوين وكمال القدرة كقوله تعالى ﴿ كن فيكون﴾ وللاحتقار كقوله تعالى ﴿ ألقوا ما أنتم ملقون﴾ وللإخبار كقوله تعالى ﴿ فليضحكوا قليلا وليبكوا كثيرا﴾ وللتهديد كقوله تعالى ﴿ اعملوا ما شئتم﴾﴿ و استفزز من استطعت﴾ ويقرب منه الإنذار كقوله تعالى ﴿قل تمتعوا ﴾ وإن كان قد جعلوه قسما آخر وللتعجيز كقوله تعالى ﴿ فأتوا بسورة من مثله﴾ وللتسخير كقوله تعالى ﴿ كونوا قردة خاسئين﴾ وللتمنى كقول الشاعر"ألا أيها الليل الطويل ألا انجلى" وللتأديب كقوله عليه السلام لابن عباس رضى الله عنهما "كل مما يليك وهو قريب من الندب إذ الأدب مندوب إليه" وللدعاء كقولك" اللهم اغفر لى " ترجمہ: جان لو کہ امر کا صیغہ اٹھارہ مشہور وجوہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ وجوب کے لئے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’’نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔‘‘ مستحب کے لئے جیسے فرمایا ’’جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کمانے کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو تو لکھ دو۔‘‘ کبھی حکم ارشاد یعنی بہتری کی طرف رہنمائی کے لئے آتا ہے جیسے فرمایا ’’اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کرلو۔‘‘ مستحب اور ارشاد میں فرق یہ ہے کہ مستحب آخرت میں ثواب کے لئے آتا ہے اور ارشاد دنیاوی مصلحت میں تنبیہ کے لئے آتا ہے، دیانات میں کسی کو گواہ بنانے میں نہ ثواب میں کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی۔

مباح کے لئے جیسے فرمایا''تو کھاؤ اس میں سے جو وہ مار کر تمہارے لیے رہنے دیں ۔'' اکرام کے لئے جیسے فرمایا''ان میں داخل ہو سلامتی کے ساتھ امان میں ۔''احسان کے لئے جیسے فرمایا''کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی۔''اہانت کے لئے جیسے فرمایا''چکھ، ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔''برابری کے لئے جیسے فرمایا ''چاہے صبر کرو یا نہ کرو۔''تعجب کے لئے جیسے فرمایا''کتنا سنیں گے اور کتنا دیکھیں گے۔'' تکوین وکمال قدرت کے لئے جیسے فرمایا''ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔''حقارت کے لئے جیسے فرمایا''ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے۔''خبروں کے لئے جیسے فرمایا''تو انہیں چاہیے تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں۔''زجر و توبیخ کے لئے جیسے فرمایا''جو جی میں آئے کرو۔اور بہکا دے جس پر قدرت پائے۔ڈرانا ہے جیسے فرمایا''تم فرماؤ کچھ برت لو۔ڈرانا بھی زجر و توبیخ کے قریب ہے لیکن اسی دوسری قسم میں شامل کیا گیا ہے۔عاجز کرنے کے لئے جیسے فرمایا''تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ ۔''ذلیل کرنے کے لئے جیسے فرمایا'' ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔تمنا کے لئے جیسے شاعر کا قول ہے''اے لمبی رات تو روشن ہو جا۔''تادیب کے لئے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے ہے''ہر وہ چیز جو تجھے ملے اور وہ ادب میں سے ہو تو اسے لے لے کہ ادب اللہ عزوجل کو محبوب ہے۔دعا کے لئے جیسے آپ کا کہنا''اے ہمارے رب میری مغفرت فرما۔

(کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی،جلد1،صفحہ 163،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

لہٰذا قرآن وحدیث میں جہاں کوئی حکم ہو اس کے فرض،واجب،مستحب،مباح، حرام ومکروہ ہونے کے اصول ہیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے دور میں جب ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے بعض لوگوں نے گائے کی قربانی نہ کرنے کا فیصلہ کیا تو امام

احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''واجبات ومحرمات ہماری شریعت میں دو قسم ہیں:۔

ایک لعینہٖ یعنی جس کی نفس ذات میں مقتضی ایجاب وتحریم موجود ہے، جیسے عبادت خدا کی فرضیت اور بت پرستی کی حرمت۔

دوسرے لغیرہ یعنی وہ کہ امور خارجہ کا لحاظ ان کی ایجاب وتحریم کا اقتضا کرتا ہے اگرچہ نفس ذات میں کوئی معنی اس کو مقتضی نہیں، جیسے تعلم صرف ونحو کا وجوب کہ ہمارے رب تعالیٰ کی کتاب اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام زبان عربی میں ہے اور اس کا فہم بے اس علم کے متعذر، لہٰذا واجب کیا گیا، اور افیون اور بھنگ وغیرہما مسکرات کی حرمت کہ ان کا پینا ایک ایسی نعمت یعنی عقل کو زائل کردیتا ہے جو ہر خیر کی جالب اور ہر فتنہ وشر سے بچانے والی ہے، اسی قبیل سے ہے شعار کہ مثلاً انگرکھے کا سیدھا پردہ ہماری اصل شریعت میں واجب نہیں۔ بلکہ ہمارے شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی انگرکھا نہ پہنا، نہ حضور کے ملک میں اس کا رواج تھا، مگر اب کہ ملک ہندوستان میں شعار مسلمین قرار پایا اور الٹا پردہ کفار کا شعار ہوا، تو اب سیدھا پردہ چھوڑ کر الٹا اختیار کرنا بلاشبہ حرام، اسی طرح بوجہ عرف وقرارداد امصار وبلاد جس مباح کا فعل عزت وشوکت اسلام پر دلالت کرے اور اسے چھوڑ دینے میں اسلام کی توہین اور کفر کا غلبہ سمجھا جائے، قواعد شرعیہ بالیقین اس سے باز رہنے کی تحریم کرتے ہیں، اور مبنٰی اس کا وہی نظر مصالح واعتبار عرف ومراعات اقتضائے امور خارجہ ہے، جسے ہم دونوں مقدمہ سابقہ میں بیان کر آئے۔ جب یہ امور منقح ہولئے تو اب اصل مسئلہ کا جواب لیجئے:۔

گاؤکشی اگرچہ بالتخصیص اپنے نفس ذات کے لحاظ سے واجب نہیں نہ اس

کا تارک باوجود اعتقاد اباحت بنظر نفس ذات فعل گنہ گار نہ ہماری شریعت میں کسی خاص شیء کا کھانا بالتعیین فرض، مگر ان وجوہ سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ گاؤکشی جاری رکھنا واجب لعینہ اور اس کا ترک حرام لعینہ نہیں، یعنی ان کے نفس ذات میں کوئی امر ان کے واجب یا حرام کرنے کا مقتضی نہیں، لیکن ہمارے احکام مذہبی صرف اسی قسم کے واجبات ومحرمات میں منحصر نہیں، بلکہ جیسا ان واجبات کا کرنا اور ان محرمات سے بچنا ضروری وحتمی ہے یوہیں واجبات محرمات لغیرہا میں بھی امتثال اجتناب اشد ضروی ہے، جس سے ہم مسلمانوں کو کسی طرح مفر نہیں، اور ان سے بالجبر باز رکھنے میں بیشک ہماری مذہبی توہین ہے جسے حکام وقت بھی روا نہیں رکھ سکتے۔

ہم مذہب وملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں اگرچہ کسی شہر میں گاؤکشی بند کردی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع ہرگز اس سے باز رہنے کا ہمیں حکم نہیں دیتی، یک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس میں ذلت اسلام متصور نہ ہوگی۔ کیا اس میں خواری ومغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی، کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلی درجہ کی خوشی ظاہر کرکے ہمارے مذہب واہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا، کیا بلاوجہ وجیہ اپنے لئے ایسی دنائت وذلت اختیار کرنا اور دوسروں کو دینی مغلوبی سے اپنے اوپر ہنسوانا ہماری شرع جائز فرماتی ہے؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں، ہماری شرع ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی، نہ یہ متوقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں، اور دوسری طرف لفظ کی توہین وتذلیل روا رکھیں۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد 14، صفحہ 552، رضا فائونڈیشن، لاہور)

لٰہذا یہ ضروری نہیں کہ جس کے واجب ہونے کی صراحت قرآن وحدیث میں نہ

ہووہ فعل واجب نہیں ہوتا بلکہ وہ دلیل ظنی کے علاوہ اجماع سکوتی اور قیاس سے بھی ہوسکتا ہے چنانچہ الجامع لمسائل اصول الفقہ میں ہے" أن الفرض اسم لما ثبت حكمه عن دليل مقطوع به ، كالآية والحديث المتواتر اللذين قد قطع بدلالتهما على الحكم ، والإجماع الصريح الذى نقل إلينا نقلاً متواتراً .أما الواجب فهو اسم لما ثبت حكمه بدليل ظنى كخبر الواحد، والإجماع السكوتى، والقياس ، وجميع دلالات الألفاظ الظنية "ترجمہ: فرض ثابت ہوتا ہے دلیل قطعی جیسے قرآنی آیت، حدیث متواترہ۔ جو قطعی طور پر حکم پر دلالت کرتی ہوں۔ اجماع صریح جو ہم تک متواتر نقل ہوا اس سے بھی فرض ثابت ہو جاتا ہے۔ باقی واجب ظنی طور پر خبر واحد، اجماع سکوتی، قیاس اور تمام ظنی دلالاتی الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

(الجامع لمسائل اصول الفقہ ، صفحہ 14،مکتبة الرّشد،ریاض)

اب تقلید اس لئے واجب ہے کہ بغیر اس کے شریعت پر عمل بہت مشکل ہے۔ رسائل قادریہ میں ہے: ''تقلید واجب ہے کہ اس کے بغیر شریعت پر عمل بہت مشکل ہے اور شریعت پر عمل کرنا جس پر موقوف ہو وہ بھی ضروری ہے مثلا وضو کرنا نماز کے لئے شرط ہے اور وضو بغیر پانی کے نہیں ہوسکتا، لہٰذا پانی کا حصول بھی ضروری ہے جبکہ پانی حاصل کرنا ممکن ہو۔ یونہی نماز کے لئے ستر عورت ضروری ہے اور ستر عورت لباس سے ہوگا تو لباس کا حصول بھی ضروری ہے۔ اسی طرح شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے لیکن یہ بغیر تقلید نہیں ہوسکتا لہٰذا تقلید بھی ضروری ہے۔''

(رسائل قادریہ،صفحہ 342،مکتبہ اہلسنت ،فیصل آباد)

اعتراض: حدیث کے مقابل امام کے قول کو لیا جاتا ہے۔ حالانکہ امام نے کہا جب صحیح حدیث مل جائے وہ میرا مذہب ہے۔

جواب: غیر مقلد جو بھی حدیث دیکھتے ہیں اور امام اعظم کے قول اس کے مخالف دیکھتے ہیں تو فوراً احناف پر طعن کرتے ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ قول پیش کر دیتے ہیں۔ بے شک یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، لیکن ایسا نہیں کہ جو بھی حدیث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مخالف ملے اسے لیا جائے بلکہ اس میں یہ ضروری ہے کہ اوّلاً یقیناً ثابت ہو کہ یہ حدیث امام کو نہ پہنچی تھی۔ کیونکہ ہوسکتا ہے یہ حدیث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی ہو اور انہوں نے اس سے قوی دلیل کو اپنایا ہو۔ دوسرا یہ حکم کرنے والا احکام رجال ومتون وطرق احتجاج ووجوہ استنباط اور ان کے متعلقات اصولِ مذہب پر احاطہ تامہ رکھتا ہو، نہ یہ کہ جس حدیث کو کسی محدث یا مولوی نے صحیح کہہ دیا اسے صحیح سمجھا جسے ضعیف کہا اسے ضعیف جانا۔ درحقیقت یہ خطاب مجتہد کے لئے ہے۔

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''**اوّلاً:** یقیناً ثابت ہو کہ یہ حدیث امام کو نہ پہنچی تھی کہ بحال اطلاع مذہب اس کے خلاف ہے نہ اس کے موافق۔ لاجرم علامہ زرقانی نے شرح موطا شریف میں تصریح فرمائی ''قد علم ان کون الحدیث مذھبه محله اذا علم انه لم یطلع علیه اما اذا احتمل اطلاعه علیه وانه حمله علی محمل فلایکون مذھبه'' یعنی ثابت ہو چکا ہے کہ کسی حدیث کا مذہب مجتہد ہونا صرف اُس صورت میں ہے جب کہ یقین ہو کہ یہ حدیث مجتہد کو نہ پہنچی تھی ورنہ اگر احتمال ہو کہ اس نے اطلاع پائی اور کسی دوسرے محل پر حمل کی، تو یہ اس کا مذہب نہ ہوگی۔

ثانیا: یہ حکم کرنے والا احکام رجال ومتون وطرق احتجاج ووجوہ استنباط اور ان کے متعلقات اصولِ مذہب پر احاطہ تامہ رکھتا ہو۔ یہاں اُسے چار منزلیں سخت دشوار گزار پیش آئیں گی۔ جن میں ہر ایک دوسری سے سخت تر ہے۔

منزل اوّل: نقدر جال کہ اُن کے مراتب ثقہ وصدق و حفظ وضبط اور اُن کے بارے میں ائمہ شان کے اقوال ووجوہ طعن ومراتب توثیق ، ومواضع تقدیم جرح وتعدیل وحوامل طعن ومناشی توثیق ومواضع تحامل وتساہل وتحقیق پر مطلع ہو، استخراج مرتبہ اتقان راوی بنقد روایات وضبط مخالفات واوہام وخطیات وغیر ہا پر قادر ہو، اُن کے اسامی والقاب وکنی و انساب ووجوہِ مختلفہ تعبیر رواۃ خصوصاً اصحابہ تدلیس شیوخ وتعیین مبہمات ومتفق ومتفرق و مختلف مؤتلف سے ماہر ہو۔ ان کے موالید و وفیات و بلدان ورحلات ولقاء وسماعات و اساتذہ وتلامذہ وطرق تحمل ووجوہ ادا وتدلیس وتسویہ وتغیر واختلاط آخذین من قبل وآخذین من بعد وسامعین حالین وغیر ہما تمام امورضروریہ کا حال اس پر ظاہر ہو۔اُن سب کے بعد صرف سند حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے صحیح یا حسن یا صالح یا ساقط یا باطل یا معضل یا مقطوع یا مرسل یا متصل ہے۔

منزل دوم: صحاح وسُنن ومسانید وجوامع ومعاجیم واجزاء وغیر ہا کتب حدیث میں اس کے طرقِ مختلفہ والفاظ متنوعہ پر نظرِ تام کرے کہ حدیث کہ تواتر یا شہرت یا فردیت نسبیہ یا غرابت مطلقہ یا شذوذ یا نکارت واختلافاتِ رفع ووقف وقطع ووصل ومزید فی متصل الاسانید واضطراباتِ سند ومتن وغیر ہا پر اطلاع پائے نیز اس جمع طرق واحاطہ الفاظ سے رفع ابہام ودفعِ اوہام وایضاح خفی واظہار مشکل وابانت مجمل وتعیین محتمل ہاتھ آئے۔ ولہذا امام ابوحاتم رازی فرماتے ہم جب تک حدیث کو ساتھ وجہ سے نہ لکھتے اس کی معرفت نہ پاتے۔ اس کے بعد اتنا حکم کرسکتا ہے کہ حدیث شاذ یا منکر، معروف یا محفوظ، مرفوع یا موقوف، فرد یا مشہور کس مرتبہ کی ہے۔

منزل سوم: اب علل خفیہ وغوامض دقیقہ پر نظر کرے جس پر صدہا سال سے کوئی

قادر نہیں۔ اگر بعد احاطہ وجوہ اعلال تمام علل سے منزہ پائے تو یہ تین منزلیں طے کر کے طرف صحت حدیث بمعنی مصطلح اثر پر حکم لگا سکتا ہے۔ تمام حفاظِ حدیث واجلہ نقادنا واصلان ذروہ شامخہ اجتہاد کی رسائی صرف اس منزل تک ہے۔ اور خدا انصاف دے تو مدعی اجتہاد و ہمسری ائمہ امجاد کو اِن منازل کے طے میں اصحابِ صحاح یا مصنفانِ اسماء الرجل کی تقلید جامد سخت بے حیائی نری بے غیرتی ہے بلکہ ان کے طور پر شرکِ جلی ہے۔ کس آیت وحدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ بخاری یا ترمذی بلکہ امام احمد وابن المدینی جس حدیث کی تصحیح یا تجریح کر دیں وہ واقع میں ویسی ہی ہے۔ کون سا نص آیا کہ نقد رجال میں ذہبی وعسقلانی بلکہ نسائی وابن عدی ودارقطنی بلکہ یحییٰ قطان ویحیی بن معین وشعبہ وابن مہدی جو کچھ کہہ دیں وہی حقِ جلی ہے۔ جب خود احکام الٰہیہ کے پہچاننے میں ان اکابر کی تقلید نہ ٹھہری جو ان سے بدرجہا ارفع واعلیٰ واعلم واعظم تھے۔ جن کے یہ حضرات اور ان کے امثال مقلد ومتبع ہوتے جن کے درجاتِ رفیعہ امامت انہیں مسلم تھے تو ان سے کم درجہ امور میں اُن اکابر سے نہایت پست مرتبہ اشخاص کی ٹھیٹ تقلید یعنی چہ جرح وتعدیل وغیرہ جملہ امور مذکورہ جن جن میں گنجائش رائے زنی ہے محض اپنے اجتہاد سے پایہ ثبوت کو پہچاپئے، اور این وآن وفلان و بہمان کا نام زبان پر نہ لایئے۔ ابھی ابھی تو کھلا جاتا ہے کہ کس برتے پہ تتّا پانی۔

ماذا اخاضك يامغرور فى الخطر

حتّى هلكت فليت النمل لم تطر

(اے مغرور! تجھے کس شے نے خطرے میں ڈالا یہاں تک کہ تُو ہلاک ہوگیا، کاش! چیونٹی نہ اڑتی۔)

خیر کسی مسخرہ شیطان کے منہ کیا لگیں۔ برادران باانصاف انہیں منازل کی

دشواری دیکھیں جس میں ابوعبداللہ حاکم جیسے محدث جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مواخذے ہوئے، امام ابن حبان جیسے ناقد بصیر تساہل کی طرف نسبت کیے گئے۔ اِن دونوں سے بڑھ کر امام اجل ابوعیسیٰ ترمذی تصحیح و تحسین میں متساہل ٹھہرے، امام مسلم جیسے جبل رفیع نے بخاری وابوذرعہ کے لوہے مانے۔ "کما اوضحنافی رسالتنا مدارج طبقات الحدیث" (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ مدارج طبقات الحدیث میں اس کی وضاحت کردی ہے۔) پھر چوتھی منزل تو فلکِ چہارم کی بلندی ہے جس پر نورِاجتہاد سے آفتاب منیر ہی ہو کر رسائی ہے۔ امام ائمۃ المحد ثین محمد بن اسمٰعیل بخاری سے زیادہ ان میں کون منازل ثلثہ کے منتہیٰ کو پہنچا۔ پھر جب مقام احکام ونقص وابرام میں آتے ہیں وہاں صحیح بخاری وعمدۃ القاری وغیرہا بنظر انصاف دیکھا چاہیے۔ بکری کے دودھ کا قصہ معروف مشہور ہے۔ امام عیسیٰ بن ابان کے اشتغال الحدیث پھر ایک مسئلہ میں دوجگہ خطا کرنے اور تلامذہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ملازم خدمت بننے کی روایت معلوم وماثور ہے۔۔۔

اب باقی رہی منزل چہارم، اور تُو نے کیا جانا کیا ہے منزل چہارم سخت ترین منازل دشوارترین مراحل، جس کے سائر نہیں مگر اقل قلائل، اس کی قدر کون جانے۔

گدائے خاك نشینی تو حافظامخروش

که نظمِ مملکت خویش خسرواں دانند

(اے حافظ! تو خاک نشین گدا گر ہے شور مت مچا، کیونکہ اپنی سلطنت کے نظام کو بادشاہ ہی جانتے ہیں۔)

اس کے لیے واجب ہے کہ جمیع لغاتِ عرب وفنونِ ادب ووجوہِ تخاطب وطرق تفاہم واقسامِ نظم وصنوف معنٰے وادراک علل وتنقیح مناط واستخراجِ جامع وعرفانِ مانع وموارد

تعدیہ ومواضع قصر ودلائل حکم آیات واحادیث، واقاویل صحابہ وائمہ فقہ قدیم وحدیث و مواقع تعارض، واسبابِ ترجیح، ومناہج توفیق و مدارج دلیل و معارک تاویل مسالک تخصیص، مناسک تقیید، ومشارع قیود، وشوارع مقصود وغیرہ ذلک پراطلاع تام ووقوفِ عام ونظر غائر وذہن رفیع، وبصیرتِ ناقدہ وبصر منیع رکھتا ہو۔۔

اورشک نہیں کہ جوشخص اِن چاروں منازل کو طے کر جائے وہ مجتہد فی المذہب ہے، جیسے مذہب مہذب حنفی میں امام ابویوسف وامام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلاشبہ ایسے ائمہ کو اُس حکم ودعوے کا منصب حاصل ہےاوروہ اس کے باعث اتباع امام سے خارج نہ ہوئے کہ اگرچہ صورۃً اس جزئیہ میں خلاف کیا مگر معنی اذن کلی امام پرعمل فرمایا پھروہ بھی اگرچہ ماذون بالعمل ہوں۔ یہ جزمی دعوی کہ اس حدیث کا مفادخواہی نخواہی مذہب امام ہے،نہیں کرسکتے، نہایت کارظن ہے، ممکن کہ اِن کے مدارک مدارکِ عالیہ امام سے قاصر رہے ہوں۔اگرامام پرعرض کرتے وہ قبول فرماتے تو مذہب امام ہونے پرتیقن تام وہاں بھی نہیں۔'' (فتاوٰی رضویہ،جلد27،صفحہ70،رضافائونڈیشن،لاہور)

امام عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں الشریعہ میں امام شیخ الاسلام زکریا انصاری قدس سرہ الباری کا قول نقل کرتے ہیں''ایاکم ان تبادرواالی الانکار علی قول مجتهد او تخطئته الابعد احاطتكم بِاَدِلَّة الشريعة كلّها و معرفتكم بجميع لغات العرب التی احتوت عليها الشريعة و معرفتكم بمعانيها و طرقها'' ترجمہ:خبردار مجتہد کے کسی قول پرانکاریااُسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا، جب تک شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پراحاطہ نہ کرلو، جب تک تمام لغتِ عرب جن پرشریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو، جب تک ان کے معانی اُن کے راستے جان نہ لو۔اورساتھ ہی فرمادیا''وانّی لكم بذلك '' بھلا

کہاں تم اور کہاں یہ احاطہ۔

(میزان الشریعة الکبرٰی، فصل فان ادعی احد من العلماء ذوق ھذہ المیزان ،جلد1،صفحہ39،دارالکتب العلمیة، بیروت)

استادمحترم مفتی قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:''اگر ہر حدیث پر عمل کا دعوی ہے تو پھر غیر مقلد اس حدیث پر عمل کریں۔حدیث صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیماروں کو اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پلایا لہٰذا جب کوئی غیر مقلد مدعی عمل بالحدیث بیمار ہو تو اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب ملا کر پیئے۔ ہرگز کوئی نہ پیئے گا۔ تو اب حدیث صحیح پر عمل کا دعوی کہاں گیا؟ یہی جواب ملے گا کہ اس حدیث میں تاویل ہے اور ہم دوسری حدیث پر عمل کرتے ہیں جس میں پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا حکم ہے۔ جیسے وہابی یہاں صحیح حدیث کو تاویل کر کے چھوڑ دیتے ہیں یونہی ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب امام نے ایک موقف اختیار کیا اور اسکے مقابلے میں ہمیں کوئی حدیث صحیح ملی تو ہم یہ کہیں گے کہ امام کو بھی یہ حدیث معلوم تھی کیونکہ وہ زمانہ نبوی کے بہت قریب تھے اور ہر حدیث میں انتہائی بلند مقام رکھتے تھے۔لیکن ان کی نظر میں یقیناً اس سے زیادہ صحیح حدیث موجود تھی اور اس حدیث میں تاویل تھی۔اسی وجہ سے ہم اس حدیث پر عمل نہیں کرتے تو یہ حدیث کو چھوڑ کر امام کے قول پر عمل کرنا نہیں ہے بلکہ ایک حدیث مؤول کو چھوڑ کر اس زیادہ قوی حدیث پر عمل کرنا ہے جو مجتہد کی نظر میں تھی مگر ہماری نظروں میں نہیں ہے۔''

(رسائل قادریہ،صفحہ378،مکتبہ اہلسنت ،فیصل آباد)

لہٰذا کسی حدیث کے بظاہر خلاف امام ابوحنیفہ کا قول ہو اور ہمارے پاس اس قول کی کوئی دلیل نہ ہو تو اس میں ہمارا اپنا قصور ہے کہ ہم اس دلیل تک نہیں پہنچ پائے جس کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتوی دیا۔صاحب مشکوٰۃ المصابیح رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ

شریف کے مقدمہ میں فرماتے ہیں"ان رأیت اختلافا فی نفس الحدیث فذلك من تشعّب طرق الاحادیث ولعلی ما اطلعت علی تلك الروایة التی سلکھا الشیخ رضی الله تعالیٰ عنه وقلیلا ماتجد اقول ما وجدت ھذ ہ الروایة فی کتب الاصول او وجدت خلافھا فیھا فاذا وقفت علیه فانسب القصور الی لقلة الدرایة لا الی جناب الشیخ رفع الله قدرہ فی الدارین " مفتی احمد یارخان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کا ترجمہ وشرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''صاحب مصابیح کوکسی اسناد سے وہ الفاظ ملے جوانہوں نے مصابیح میں لکھے مجھے وہ اسناداور وہ الفاظ نہ ملے بلکہ دوسری اسناد میں دوسرے الفاظ ملے۔تو میں نے اپنی تحقیق شدہ عبارت نقل کی اس سے معلوم ہوا کہ اگرکسی محدث یافقیہ کی حدیث ہم کونہ ملےتواس میں ہمارااپنا قصور ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس بزرگ نےغلطی کی' دیکھوصاحب مشکوۃ نے مصابیح کی نقل کردہ حدیث کو غلط نہ فرمایا بلکہ اپنےقصورعلم کا اقرارکیا یہ ہی ہم حنفی کہتے ہیں کہ اگرامام ابوحنیفہ قدس سرہ کے مسلک کی کوئی حدیث ہم کو نہ ملےتو اس میں ہمارا قصور ہے نہ کہ حضرت امام کا صاحب مشکوۃ نے یہ ہی سبق دیا۔یعنی مصابیح میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جو مجھے کسی کتاب میں ملی ہی نہیں یااس کے خلاف ملیں تو میں نے وہ حدیث مشکوۃ شریف میں لکھ تو دی مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے یہ حدیث نہ ملی یا اسکے خلاف ملی تو تم اس سے حضرت شیخ سے بدگمان نہ ہونا بلکہ مجھے قصور مند سمجھنا کہ میراعلم کم ہے۔سبحان اللہ یہ ہےادب اے حنفیو!تم بھی یہ ادب سیکھواگرتمہیں کوئی ایسی حدیث نہ ملے جوحضرت امام کی سند ہےتوسمجھوکہ بےعلم یا کم علم ہم ہیں ہماری تلاش میں قصور ہےحضرت امام کی حدیث صحیح ہے۔''

(مرأة المناجیح، جلد1،صفحہ18،نعیمی کتب خانہ ،گجرات)

اعتراض: تقلید شخصی ضروری نہیں ،درپیش مسئلہ میں جس کا چاہے قول لے لیا جائے یہی صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین سے ثابت ہے اور قرآن پاک میں بھی کسی ایک کی تقلید کو واجب نہیں کیا بلکہ علماء کی اتباع کو واجب کیا ہے چنانچہ فرمایا﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

(الأنبیاء ،سورت21،آیت7)

لہٰذا عام آدمی قرآن کے حکم کے مطابق کسی بھی علم والے سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کرسکتا ہے۔

جواب: تقلید شخصی واجب ہے جس کو پیچھے دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔یہ اعتراض غیرمقلدوں کا کئی کتب میں مذکور ہے جس کا جواب یہاں الگ سے دیا جاتا ہے۔جس کا چاہے قول لے لیا جائے یہ صراط مستقیم نہیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:’’چاروں مذہب حق ہیں اور سب دین متین کی شاخیں تو ایک ہی تقلید سے گویا چہارم دین پر عمل ہوا بخلاف اس کے کہ کبھی کبھی ہر مذہب پر چلے کہ یوں سارے دین پر عمل ہوجائے گا۔اقول اوّلاً: یہ اُس مدہوش کا جنونی خیال ہے جسے دربارشاہی تک چار سیدھے راستے معلوم ہوئے رعایا کو دیکھا کہ ان کا ہر گروہ ایک راہ پر ہولیا اور اسی پر چلا جاتا ہے مگر ان حضرات نے اسے بیجا حرکت سمجھا کہ جب چاروں راستے یکساں ہیں تو وجہ کیا کہ ایک ہی کو اختیار کر لیجئے ،پکارتا رہا کہ صاحبو ہر شخص چاروں راہ پر چلے مگر کسی نے نہ سنی ،ناچار آپ ہی تانا تننا شروع کیا،کوس بھر شرقی راستہ چلا پھر اسے چھوڑا،جنوبی کو دوڑا،پھر اس سے بھی منہ موڑا،غربی کو پکڑا پھر اس سے بھاگ کر شمالی پر ہولیا اُدھر سے پلٹ کر پھر شرقی پر آرہا تیلی کے سے بیل کو گھر ہی کوس پچاس۔عقلاء سے پوچھ دیکھو ایسے کو مجنوں کہیں گے یا صحیح

الحواس؟ یہ مثال میری ایجاد نہیں بلکہ علمائے کرام واولیائے عظام کا ارشاد ہے اور ان سے امام علام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے میزان الشریعۃ الکبری میں نقل فرمائی اور اس کے مشابہ دوسری مثال انگلیوں کے پوروں کی اپنے شیخ حضرت سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی، یہ امام ہمام وہ ہیں جن کی اسی کتاب مستطاب سے اسی مسئلہ تقلید میں غیر مقلدانِ زمانہ کے معلم جدید میاں نذیر حسین دہلوی براہِ اغواء سند لائے اور اسی کتاب میں ان کی ہزار در ہزار قاہر تصریحوں سے کہ جہالاتِ طائفہ کا پورا علاج تھیں آنکھ بند کر گئے مگر کیا جائے شکایت کہ۔﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔۔۔ بھلا مسائل اختلافیہ میں سب اقوال پر ایک وقت میں عمل تو محال عقلی۔ہاں یوں ہوں کہ مثلاً آج امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی مگر یہ کل دین متین کے خلاف ہوا، کیا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مقتدی کو قراءت بعض اوقات میں ناجائز تھی حاشا بلکہ ہمیشہ، کیا امام شافعی کی رائے میں ماموم پر فاتحہ احیاناً واجب تھی حاشا بلکہ دواماً تو جو نہ دائماً تارک نہ دائماً عامل وہ دونوں قول کا مخالف ونافی پر ظاہر کہ ایجاب وسلب فعلی سلب وایجاب دوامی دونوں کا دافع و منافی، اب تو کھلا کہ تم رفض وخروج دونوں کے جامع کہ چاروں میں سے کسی کے معتقد نہ کسی کے تابع۔

رابعاً: جو امر ایک مذہب میں واجب دوسرے میں حرام، مثلاً قراءت مقتدی تو عامل بالمذہبین فی وقتین کو کیا حکم دیتے ہو، آیا اسے ہمیشہ اپنے حق میں حرام سمجھے یا ہمیشہ واجب یا وقت عمل واجب وقت ترک حرام یا بالعکس یا جس وقت جو چاہے سمجھے یا کبھی کچھ نہ سمجھے یعنی واجب غیر واجب حرام غیر حرام کچھ تصور نہ کرے یا مذہب آئمہ یعنی واجب وحرام

دونوں کے خلاف محض مباح جانے۔ شقین اوّلین پر یہ ٹھہرتا ہے کہ حرام جان کر ارتکاب کیا یا واجب مان کر اجتناب، اور شق رابع پر دونوں یہ صریح اجازت قصد فسق وتعمد معصیت ہے اورشق ثالث مثل رابع کھلم کھلا ﴿یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا﴾ (ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں۔) میں داخل ہونا کہ ایک ہی چیز کو آج واجب جان لیا کل حرام مان لیا پرسوں پھر واجب ٹھہرالیا، دین نہ ہوا کھیل ہوا، یا کفار سوفسطائیہ عندیہ کا میل کہ جس چیز کو ہم جو اعتقاد کرلیں وہ نفس الامر میں ویسی ہی ہوجائے۔

شق خامس پر یہ دونوں استحالے قائم کہ جب اجازت مطلقہ ہے تو عاماً شہراً یوماً درکنار" یحلونہ اناً و یحرّمونہ اناً" (ایک گھڑی اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسری گھڑی اسے حرام مانتے ہیں)لازم اور نیز وقت عمل اعتقاد حرمت، وقت ترک اعتقاد و جوب کی اجازت۔

رہی شق سادس وہ خود معقول نہیں بلکہ صریح قول بالمتناقضین کہ آدمی جب عمل بالمذہبین جائز جانے گا قطعاً فعل وترک رومانے گا اس کا حکم اوراس سے منع بے ہودہ ہے ،معہذا یہ شق بھی استحالہ اولیٰ کے حصہ سے سلامت نہیں اچھا حکم دیتے ہو کہ آدمی نماز میں ایک فعل کرے مگر خبردار یہ نہ سمجھے کہ خدا نے میرے لیے جائز کیا ہے۔

لاجرم شق ہفتم رہے گی اور گل وہی کھلے گا کہ کل دین متین کا خلاف یعنی محصل جواز فعل وترک نکلا اور وہ وجوب وحرمت دونوں کے منافی۔

بالجملہ حضرات براہِ فریب ناحق چاروں مذہب کو حق جاننے کا ادعا کرتے اور اس دھوکے سے عوام بے چاروں کو بے قیدی کی طرف بلاتے ہیں۔ ہاں یوں کہیں کہ آئمہ

اہلسنت کے سب مذہبوں میں کچھ کچھ باتیں خلافِ دینِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں لہٰذا ان میں تنہا ایک پر عمل ناجائز وحرام بلکہ شرک ہے لاجرم ہر ایک کے دینی مسئلے چن لیے جائیں اور بے دینی کے چھوڑ دیئے جائیں۔''

(فتاوی رضویہ، جلد27، صفحہ591--، رضافائونڈیشن، لاہور)

شاہ ولی اللہ عقدالجید میں لکھتے ہیں"المرجح عند الفقهاء ان العامی المنتسب الی مذهب له مذهب فلاتجوز له مخالفته" ترجمہ: فقہاء کے نزدیک ترجیح اسے ہے کہ عامی جو ایک مذہب کی طرف انتساب رکھتا ہے وہ مذہب اس کا ہو چکا اسے اس کا خلاف جائز نہیں۔

(عقدالجید، باب پنجم اقسام مقلد، صفحہ158، مطبوعہ قرآن محل، کراچی)

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے" قال أحمد لو أن رجلا عمل بكل رخصة بقول أهل الكوفة فی النبيذ، وأهل المدينة فی السماع، وأهل مكة فی المتعة، كان فاسقا ــ وقال الأوزاعی من أخذ بنوادر العلماء خرج من الإسلام "

ترجمہ: امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو ہر رخصت پر عمل کرے، نبیذ میں اہل کوفہ کا قول لے، سماع میں اہل مدینہ کا، متعہ میں اہل مکہ کا وہ فاسق ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو علماء کے نادر اقوال لے وہ اسلام سے نکل گیا۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد22، صفحہ164، دارالسلاسل، الکویت)

باقی یہ کہنا کہ صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم جس کا چاہتے تھے قول لیتے تھے یہ مطلقا درست نہیں صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین کا شخصی تقلید کرنا ثابت ہے۔ جو صحابہ جس شہر میں ہوتا تھا وہاں اسی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور وہاں کے تابعین نے اسی قول کو دلیل بنایا۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں"ثم انهم تفرقوا فی البلاد فصار

كل واحد مقتدى ناحية من النواحي و كثرت الوقائع و دارت المسائل فاستفتوا فيها واجاب كل واحد حسب ماحفظه او استنبط يصلح للجواب اجتهد برأيه" ترجمہ: صحابہ کرام علیہم الرضوان شہروں میں متفرق ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک اس جانب کا مقتدی و پیشوا بن گیا۔اور بہت سے معاملے اور مسائل پیش آئے لوگوں نے فتوے پوچھنا شروع کیے تو ہر ایک صحابی نے اپنی یاد یا استنباط سے جواب دیا اور استنباط سے جواب نہ ملا تو اپنی رائے سے اجتہاد کیا۔

(رسائل قادریہ،صفحہ 357،مکتبہ اہلسنت،فیصل آباد)

البتہ اس دور میں ایک مجتہد کو چھوڑ کر دوسرے مجتہد کے قول کو لینا خواہش نفس کے لئے نہیں ہوتا تھا۔مفتی محمد قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:''ائمہ اربعہ کے زمانے کے لوگ بھی تقلید کرتے تھے کیونکہ اس زمانے میں مجتہدین بکثرت تھے۔کوفہ، مکہ، مدینہ اور دیگر بلاد اسلامیہ میں مجتہدین تھے ۔ امام نخعی،امام اوزاعی، سفیان ثوری، حسن بصری، فقہاء سبعہ وغیرہ مشہور امام اور فقہیہ تھے۔البتہ اس زمانہ میں اور اُس زمانے میں فرق یہ ہے کہ اس زمانے میں لوگوں میں دیانتداری تھی لہٰذا اگر وہ ایک مجتہد کو چھوڑ کر کسی دوسری مجتہد کی اتباع کر لیتے تھے تو کوئی حرج نہ تھا۔مگر فی زمانہ دین میں دیانتداری اُٹھتی جا رہی ہے لوگ شریعت کی بجائے خواہش نفس کے پیروکار ہیں۔اگر آج ان کو یہ چھوٹ مل جائے تو ہر کوئی مختلف اماموں کے آسان آسان مسائل کو چن کر ان پر عمل کریگا یا کبھی ایک میں آسانی دیکھی تو اس مسئلہ میں عمل کر لیا اور کبھی دوسرے میں آسانی دیکھی تو اس پر عمل کر لیا اور یہ حرام ہے کہ اتباع شریعت نہیں بلک اتباع نفس ہو گی ۔لہٰذا فساد کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے اب یہی حکم ہے کہ ایک معین امام کی ہی تقلید کی جائے ۔کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْأَرْضِ﴾ ترجمہ:اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔"

(رسائل قادریہ،صفحہ350،مکتبہ اہلسنت ،فیصل آباد)

استاد صاحب نے بالکل بجا فرمایا کیونکہ عصر حاضر میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ لوگ ذاتی مفاد و اتباع نفس میں ایسا کرتے ہیں جیسے ایک وقت میں تین طلاقیں دے کر ایسے مولوی کے پاس جائیں گے جو ایک طلاق ہونے کا فتوی دیدے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"یأتی علی الناس زمان یطلق الرجل المرأة، ثم یجحد طلاقها فیقیم علی فرجها، فهما زانیان ما أقاما" ترجمہ:لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ شوہر بیوی کو طلاق دے گا پھر اس طلاق میں جھگڑا کرے گا پھر (بعد مصالحت) عورت سے ہمبستری کرے گا اور یہ دونوں زانی ہوں گے۔

(مجع الزوائد،کتاب الفتن ، باب ثان فی امارات الساعة ،جلد7،صفحہ624،دار الفکر، بیروت)

اعتراض: کئی مسائل میں امام کا فتوی چھوڑ کر صاحبین کے فتوی پر عمل کیا جاتا ہے پھر تقلید کا ہے کی رہی؟

جواب: صاحبین کے قول کو لینے دراصل امام اعظم ہی کا قول لینا ہے اوران ہی کی اتباع ہے۔**المدخل** میں ہے"قال أبو یوسف ما قلت قولاً خالفت فیه أبا حنیفة، إلا وهو قول قد قاله أبو حنیفة ثم رغب عنه" ترجمہ:امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے جو قول کہا جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت تھی وہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا تھا جو انہوں نے فرمایا پھر اس سے چھوڑ دیا۔

(المدخل المفصل لمذهب الإمام أحمد ،جلد1،صفحہ15،دار العاصمة،جدہ)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"ہمارے علماء نے نص فرمائی ہے کہ اپنے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کی تقلید بوقتِ ضرورت جائز ہے اور اللہ تعالیٰ

نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں فرمائی۔تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے دونوں شاگردوں (صاحبین) کے قول پر عمل کے بارے میں تجھے کیا تردّد ہوسکتا جبکہ وُہ قول ظاہر الروایۃ کے ضمن میں ایک طرح کی ترجیح بھی دامن میں لئے ہوئے ہے،فقہاء میں ایک طرح کی ترجیح بھی دامن میں لئے ہوئے ہے،فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مذہب میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے ماسوا کوئی قول نہیں اور جو صاحبین یا ان میں کسی ایک کی طرف منسوب ہے تو وہ بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی قول ہے جو ان سے مروی ہوتا ہے اور بعض شاگرد اس قول کو اپنا لیتے ہیں جیسا کہ اس کو آپ کے شاگردوں نے شدید قسموں کے ذریعے ذکر فرمایا ہے کہ جیسا کہ اس کو ردالمحتار وغیرہ کتب میں بیان کیا ہے،اور اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کرنے کو پسند فرماتا ہے اور ظلم اور ضرر کو اسلام میں پسند نہیں فرماتا،اور اس کے دربار میں ہی زمانہ کے احوال کی شکایت ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(فتاوی رضویہ،جلد12،صفحہ501،رضافائونڈیشن،لاہور)

دوسرا یہ کہ امام کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر عمل کرنا وہابیوں کا ہی رَد ہے کہ جو کہتے ہیں حنفی صرف اپنے امام کا قول لیتے ہیں جبکہ ہم حدیث یا قوی دلیل کی بنا پر صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"قول امام چھوڑنے کا ایک اور باعث ہے جو اصحاب نظر کے لئے خاص ہے۔وہ یہ ہے کہ اس کی دلیل کمزور ہو،اقول (میں کہتا ہوں) یعنی ان حضرات کی نظر میں کمزور،ان کے لئے یہاں قول امام چھوڑنے کا جواز اس لئے ہے کہ انہیں اسی کی اتباع کا حکم ہے جو ان پر ظاہر ہو، باری تعالی کا ارشاد ہے اے بصیرت والو!نظر و اعتبار سے کام لو۔اور تکلیف بقدر وسعت ہی ہوتی ہے،تو ان کے لئے چھوڑنے کے سوا کوئی گنجائش نہیں۔اور وہ اس کے باعث اتباع

امام سے باہر نہ ہونگے، بلکہ امام کے اس طرح کے قول عام کے متبع رہیں گے'' اذا صح الحدیث فھو مذھبی'' جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے ابن شحنہ کی شرح ہدایہ، پھر بیری کی شرح اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے جب حدیث صحیح ہو اور مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل ہوگا اور وہی امام کا بھی مذہب ہوگا اس پر عمل کی وجہ سے ان کا مقلد حنفیت سے باہر نہ ہوگا اس لئے کہ خود امام سے بروایت صحیح یہ ارشاد ثابت ہیں کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔۔۔''

(فتاوی رضویہ، جلد1، صفحہ113۔۔، رضافائونڈیشن، لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ یوسفی یا محمدی یا ابن مبارکی کہو! کیونکہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابوحنیفہ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد و ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہ میرا ہی مذہب ہے۔'' اب اگر کوئی محقق فی المذہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا بلکہ حنفی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا۔۔۔امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب بنی یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان

بین ہوتی تھی۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

(جاء الحق، حصہ1، صفحہ28، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

اعتراض: تقلید صرف ائمہ اربعہ ہی پر موقوف کیوں ہے؟

جواب: اس لئے کہ ائمہ اربعہ ہی کے اصول وقواعد اور فروع و جزئیات محفوظ ہیں۔ رسائل قادریہ میں ہے: ''ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی بہت سے مجتہد ہوئے ہیں مثلاً خلفاء اربعہ امام نخعی، امام اوزاعی وغیرہم۔ ان بقیہ مجتہدین کی تقلید اس لئے نہیں کی جاتی کہ ان کے مذاہب کے قواعد وفروع ہم تک نہیں پہنچیں اور نہ ہی فقہ کے ہر باب میں ان کی کتابیں موجود ہیں۔ جبکہ تقلید کی ضرورت ہر باب میں موجود ہے۔ لہٰذا جن اماموں کے اصول و قواعد اور فروع و جزئیات ہر باب میں ملی ان ہی کی تقلید کی جاتی ہے اور جن مجتہدین کے اصول وقواعد اور فروع و جزئیات ہر باب بلکہ کسی بھی باب میں تفصیل سے نہیں ان کی تقلید نہیں کی جاتی کہ بے فائدہ ہے۔ (رسائل قادریہ، صفحہ348، مکتبہ اہلسنت، فیصل آباد)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''زمانہ تبع تابعین ومحدثین رحمہم اللہ تک چار میں حصر مذاہب نہ تھا مجتہدین بکثرت تھے، جب اور مذہب مندرس ہوگئے مذہب اہل حق ان چار میں محصور ہوگیا، اور بھی ہے کہ وہ بھی محل سے یوں ہی بیگانہ واجنبی ہے۔'' (فتاوی رضویہ، جلد7، صفحہ705، رضافائونڈیشن، لاہور)

قاضی ثناءاللہ پانی پتی کہ معتمدین ومستندین طائفہ سے ہیں۔ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں "اھل السنة قدافترق بعد القرون الثلثة اوالاربعة علی اربعة مذاھب ولم یبق مذھب فی فروع المسائل سوی ھذہ الاربعة" ترجمہ: اہل سنت تین یا چار قرن کے بعد ان چار مذاہب پر منقسم ہوگئے اور فروع مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے سوا کوئی

مذہب باقی نہ رہا۔

(تفسیر مظہری،مسئلہ اذا صح الحدیث علی خلاف مذہبہ،جلد 2،صفحہ64،مطبوعہ ادارہ اشاعت العلوم، دہلی)

کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان مجتہد تھے لیکن دیگر مصروفیات کی بنا پر انکے اصول وقواعد وضع نہ ہوئے۔مفتی قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:''خلفاء اربعہ افضل تھے اور فہم وفراست اور استنباط و استخراج میں زیادہ ماہر تھے مگر امور سلطنت میں مشغول اور اسلام کو درپیش عظیم مسائل کے حل میں مشغول تھے،اس لئے وہ ان چیزوں کی طرف مکمل توجہ نہ دے سکے اور انہوں نے اجتہاد کے اصول نہ بنائے اور ان کے بیان کردہ مسائل ہر شعبے کے بارے میں موجود نہیں،اس لئے ان کی تقلید نہیں کی جاتی۔جبکہ ائمہ اربعہ کو دوسرے امور میں مشغولیت نہ تھی لہٰذا وہ دن رات امت کی آسانی کے لئے اصول وقواعد وضع کرتے اور مسائل کا استخراج کرنے اور انہیں ابواب میں ترتیب دینے میں مشغول رہے۔اسلئے ان کے اصول اور فروع ہر باب میں موجود ہیں تو ان کی پیروی کی جاتی ہے۔ اسکی ایک مثال پہلے گزر چکی کہ بخاری کی حدیثیں کیوں پڑھی جاتی ہیں اور خلفاء اربعہ کی حدیثیں کیوں نہیں پڑھی جاتیں حالانکہ خلفاء اربعہ افضل واعلم تھے۔''

(رسائل قادریہ،صفحہ341،مکتبہ اہلسنت،فیصل آباد)

اعتراض: کسی امام نے یہ نہیں کہا ہماری تقلید کی جائے۔

جواب: یہ کہنا کہ کیا چاروں اماموں نے اپنی تقلید کا حکم دیا یا نہیں؟اگر نہیں دیا تو کس کے حکم سے تقلید کی جاتی ہے؟ یہ سوال سراسر بیوقوفی ہے۔ائمہ اربعہ نے جو ہزاروں مسائل کا استنباط کیا ور اپنے شاگردوں کو لکھوائے،تو یہ مسائل لکھوانے کا کیا مقصد تھا؟ کیا صرف لکھوانے کا شوق تھا؟ ہرگز نہیں۔ہر عقلمند جانتا ہے کہ مسائل لکھانے اور بتانے کا مقصد

یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو یہ مسائل درپیش ہوں تو ان سے معاونت حاصل کر کے عمل کریں۔ وہابی بھی کتابیں لکھتے اور چھاپتے ہیں کیا لوگوں کے عمل کے لئے لکھتے اور چھاپتے ہیں یا صرف صفحات کا منہ کالا کرنے کے لئے؟ کیا امام بخاری ومسلم وترمذی ونسائی وابن ماجہ، ابو داؤد نے اپنی اپنی کتابوں کو پڑھنے اور اپنے استنباط کردہ مسائل پر عمل کا حکم دیا ہے؟ ہرگز نہیں لیکن اس کے باوجود وہابی اندھا دھند ان کی تقلید کرتے ہیں۔امام یحییٰ بن معین، ابن حجر عسقلانی، سعید بن قطان وغیرہ نے اسماء الرجال میں اپنی تقلید کا حکم دیا ہے صرف انہوں نے تو لوگوں کے سامنے بیان کیا اور لکھا ہے۔ ہر سمجھدار جانتا ہے کہ ان کے بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ ان کی باتوں کو مانیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔یونہی ائمہ اربعہ نے مسائل استنباط کئے، لکھے اور لکھوائے اور بیان کئے تو یقیناً یہی مقصد تھا کہ لوگ ان مسائل میں ان کی پیروی کریں۔(رسائل قادریہ، صفحہ 352، مکتبہ اہلسنت، فیصل آباد)

البتہ کسی مجتہد نے اپنی تقلید کرنے کی ترغیب نہ دی اور نہ اپنی تقلید سے کسی کو روکا۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''اس کا جواب مجھ پر یوں ظاہر ہوا کہ کسی مجتہد کو حق نہیں پہنچتا کہ کسی دوسرے مجتہد کو اپنی تقلید کی ترغیب دے اور اسے اس کے اپنے مذہب پر عمل کرنے سے روکے یہی وجہ ہے کہ مدینہ کے عالم (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) نے ہارون الرشید کی بات ماننے سے انکار کر دیا جب اس نے مؤطا کو کعبۃ اللہ کی دیوار پر لٹکانے اور لوگوں کو اس پر عمل کی ترغیب دینے کی اجازت طلب کی۔ عالم نے فرمایا ایسا نہ کرو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ نے فروع میں اختلاف کیا اور مختلف شہروں میں پھیل گئے اور ہر ایک حق پر ہے۔ یہ بات حلیہ میں ابونعیم سے مروی ہے۔ اور جب منصور نے مختلف شہروں میں انکی کتابیں بھیجنے اور مسلمانوں کو حکم دینے کا ارادہ کیا کہ

وہ ان سے تجاوز نہ کریں، تو اس کا انکار کرتے ہوئے عالمِ مدینہ نے فرمایا ایسا مت کرو لوگوں تک باتیں پہنچ چکی ہیں انہوں نے احادیث سُنی ہیں روایات نقل کی ہیں اور جس قوم تک جو پہنچا انہوں نے اسے اختیار کر کے اس پر عمل پیرا ہو گئے پس لوگوں کو اسی چیز پر چھوڑ دیجئے جو ہر شہر والوں نے اپنے لئے اختیار کر لی۔ اسے ابنِ سعد نے طبقات میں نقل کیا۔ اسی طرح کسی مجتہد اور کسی عامی کو بھی اس چیز میں جو مبتلا کی رائے پر چھوڑی گئی ہے دوسرے کے گمان کی تقلید پر مجبور نہ کیا جائے جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ اس بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول "لاتخبرنا" (ہمیں خبر نہ دینا) کو اس بات پر محمول کرنا مناسب نہیں کہ میرے نزدیک پانی زیادہ ہے اگر تمہارے نزدیک تھوڑا بھی ہو تب بھی تم میری رائے پر عمل کرو اور سوال نہ کرو، بلکہ اس بنیاد پر بھی مفہوم یہ ہوگا کہ گمان کی اتباع سے روکا گیا مطلب یہ کہ اگرچہ تم پانی کو تھوڑا سمجھتے ہو لیکن تمہیں اس کی نجاست کا یقین نہیں پس ان کے کلام کو اس کی طرف پھیرا جائے گا جو ہماری مراد ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد4، صفحہ519، رضا فائونڈیشن، لاہور)

اعتراض: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں" لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلنا " ترجمہ: کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا روا نہیں جب تک یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے کہا۔

(منحۃ الخالق علی البحرا لرائق ، کتاب القضاء ، فصل یجوز تقلید من شاء، جلد 6، صفحہ369 ، ایچ ایم سعید کمپنی ، کراچی)

جواب: اس پیش کردہ دلیل کے ساتھ یہ بھی ہے " وان لم یکن من اھل الاجتھاد لایحل لہ ان یفتی الا بطریق الحکایۃ" ترجمہ: اور اگر اہل اجتہاد نہ ہو اس کے لئے فتوی دینا جائز نہیں مگر نقل و حکایت کے طور پر فتوی دے سکتا ہے۔

(منحة الخالق علی البحرا لرائق ،کتاب القضاء ،فصل یجوز تقلید من شاء،جلد 6،صفحہ369 ، ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی)

لہٰذاامام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان مجتہدین کے لئے ہے۔اسی لئے اصحاب ترجیح امام اعظم اور صاحبین کے دلائل کو دیکھتے ہیں جو دلائل زیادہ مضبوط ہو اس پر فتوی دیتے ہیں۔علامہ شامی فرماتے ہیں"واذا افتی المشائخ بخلاف قوله لفقد الدليل فی حقهم فنحن نتبعهم اذهم اعلم" ترجمہ:جب مشائخ مذہب نے اس دلیل کے فقدان کی وجہ سے جو ان کے حق میں شرط ہے،قول امام کے خلاف فتوی دے دیا تو ہم ان ہی کا اتباع کریں گے اس لئے کہ انہیں زیادہ علم ہے۔

(منحة الخالق علی بحرالرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ،جلد2،صفحہ269، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

شرح عقود رسم المفتی میں ہے"اذالم يوجد للامام نص يقدم قول ابی يوسف ثم محمد الخ قال والظاهر ان هذا فی حق غير المجتهد اما المفتی المجتهد فيتخير بما يترجع عنده دليله" ترجمہ:جب امام کی کوئی نص نہ ملے تو امام ابو یوسف کا قول مقدم ہوگا پھر امام محمد کا،ظاہر یہ ہے کہ یہ غیر مجتہد کے حق میں ہے،رہا مفتی مجتہد تو یہ اسے اختیار کرے گا جس کی دلیل اس کے نزدیک راجح ہو۔

(شرح عقود رسم المفتی من رسائل ابن عابدین،جلد1،صفحہ27،سہیل اکیڈمی لاہور)

امام قاضی خان علیہ رحمۃ اللہ لکھتے ہیں"فان كانت المسألة مختلفا فيها بين اصحابنا فانكان مع ابی حنيفة رحمه الله تعالی احد صاحبيه يؤخذ بقولهما لوفور الشرائط واستجماع ادلة الصواب فيهما وان خالف ابا حنيفة رحمه الله تعالی صاحباه فی ذلك فانكان اختلافهم اختلاف عصروزمان كا لقضاء بظاهر العدالة يأخذ بقول صاحبيه لتغير احوال الناس وفی المزارعة والمعاملة

ونحو هما يختار قولهما لاجتماع المتاخرين على ذلك وفيما سوى ذلك قال بعضهم يتخير المجتهد ويعمل بما افضى اليه رأيه وقال عبدالله بن المبارك يأخذ بقول ابی حنيفة رحمه الله تعالى "ترجمہ: اگر مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے تو اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے ساتھ ان کے صاحبین میں سے کوئی ایک ہیں تو ان ہی دونوں حضرات (امام اور صاحبین میں سے ایک) کا قول لیا جائے گا کیوں کہ ان میں شرطیں فراہم، اور دلائل صواب مجتمع ہیں۔ اگر اس مسئلہ میں صاحبین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے برخلاف ہیں تو یہ اختلاف اگر عصر و زمان کا اختلاف ہے جیسے گواہ کی ظاہری عدالت پر فیصلہ کا حکم، تو صاحبین کا قول لیا جائے گا کیونکہ لوگوں کے حالات بدل چکے ہیں، اور مزارعت، معاملت اور ایسے ہی دیگر مسائل میں صاحبین کا قول اختیار ہوگا کیونکہ متاخرین اس پر اتفاق کر چکے ہیں، اور اس کے ماسوا میں بعض نے کہا کہ مجتہد کو اختیار ہوگا اور جس نتیجے تک اس کی رائے پہنچے وہ اس پر عمل کرے گا، اور عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی کا قول لے گا۔

(فتاوٰی قاضی خان، فصل فی رسم المفتی، جلد1، صفحہ2، نولکشور، لکھنؤ)

الموسوعۃ الفقھیہ میں ہے"والأصح عند الحنفية أن المجتهد في المذهب من المشايخ الذين هم أصحاب الترجيح لا يلزمه الأخذ بقول الإمام على الإطلاق، بل عليه النظر في الدليل وترجيح ما رجح عنده دليله، فإن لم يكن كذلك فعليه الأخذ بأقوال أئمة المذهب بترتيب التزموه، وليس له أن يختار ما شاء وكذا صرح الحنفية والشافعية والحنابلة بأنه ليس له أن يتخير في مسألة ذات قولين، بل عليه أن ينظر أيهما أقرب إلى الأدلة أو قواعد مذهبه فيعمل به،

قال ابن عابدين صرح بذلك ابن حجر المكى من الشافعية و نقل الإجماع عليه“ ترجمہ: احناف کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ مشائخ مجتہد فی المذہب جو اصحاب ترجیح ہیں ان پر لازم نہیں کہ کہ وہ مطلقا امام کا قول لیں بلکہ دلیل پر نظر کریں اور جو ان کے نزدیک راجح ہو اسے ترجیح دیں۔ اگر ان کو دلیل نہ ملے تو یہ ائمہ مذاہب میں سے بالترتیب قول کو لیں۔ ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ جس کا چاہیں قول لے لیں (یعنی امام ابوحنیفہ، صاحبین وغیرہ میں سے جس کا چاہیں قول لے لیں بلکہ پہلے امام ابوحنیفہ، پھر امام یوسف پھر صاحبین نیچے تک کا بالترتیب قول لیں)۔ اسی طرح احناف، شوافع، حنابل نے صراحت کی کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو اختیار نہیں جس کو چاہیں لے لیں بلکہ دیکھا جائے کہ کس کا قول دلائل و قواعد مذہب کے زیادہ قریب ہے، اس پر عمل کیا جائے۔ ابن عابدین علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع سے اس کی صراحت کی اور اس پر اجماع نقل کیا۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد32، صفحہ29، دار الصفوة، مصر)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”حاوی نے یہ تصحیح کی کہ اگر امام اعظم ایک جانب ہوں اور صاحبین دوسری جانب تو قوت دلیل کا اعتبار ہوگا، اس کے بعد وہ یوں رقم طراز ہیں اگر یہ سوال ہو کہ مشائخ کو یہ جواز کیسے ملا کہ وہ امام اعظم کے مقلد ہوتے ہوئے ان کا قول چھوڑ کر دوسرے کے قول پر فتویٰ دیں؟ تو میں کہوں گا کہ یہ اشکال عرصہ دراز تک مجھے درپیش رہا اور اس کا کوئی جواب نظر نہ آیا، مگر اس وقت ان حضرات کے کلام سے اس اشکال کا یہ حل سمجھ میں آیا کہ حضرات مشائخ نے ہمارے اصحاب سے یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا روا نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ ہمارا ماخذ اور ہمارے قول کی دلیل کیا ہے، یہاں تک کہ سراجیہ میں منقول ہے کہ اسی وجہ سے

شیخ عصام سے امام اعظم کی مخالفت عمل میں آئی، ایسا بہت ہوتا کہ وہ قول امام کے برخلاف فتوی دیتے کیونکہ انہیں دلیل امام معلوم نہ ہوتی اور دوسرے کی دلیل ان کے سامنے ظاہر ہوتی تو اسی پر فتوی دیتے۔'' (فتاوی رضویہ، جلد1، صفحہ97، رضافائونڈیشن، لاہور)

اور ہرگز کبھی غیر امام کے قول کی ترجیح پر ائمہ ترجیح کا اجماع نظر نہ آئے گا مگر ایسی صورت میں جہاں اختلاف زمانہ کی وجہ سے مصلحت تبدیل ہوگئی ہو۔

اعتراض: عصر حاضر کے اکثر فتاوی میں فتاوی رضویہ اور بہارشریعت کے حوالے ہوتے ہیں۔ حالانکہ فتوی میں قرآن وحدیث سے دلائل کے ساتھ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال ہونے چاہئیں جن کی تقلید کی جاتی ہے۔

جواب: مفتیان کرام قرآن وحدیث سے بھی فتوی دیتے ہیں، جس مسئلہ کی صراحت قرآن وحدیث میں نہ ہو اسے فقہ حنفی کی کتب سے حل کیا جاتا ہے۔ فقہ حنفی میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہی اقوال ہیں، اس کے ساتھ دیگر مجتہدین اور راجح مرجوح اقوال مذکور ہیں۔ فقہ حنفی میں ردالمحتار، عالمگیری، البدائع الصنائع، المبسوط، فتح القدیر، وغیرہ کتب کی طرح بہارشریعت اور فتاوی رضویہ معتبر ترین کتب ہیں۔ فتاوی عالمگیری میں کئی سال لگا کر مفتی بہ اقوال اکٹھے کئے گئے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل کی علتیں بیان کیں، راجح ومرجوح اقوال بتائے، اسی طرح بہارشریعت میں اختصار کے ساتھ مفتی بہ اقوال اکٹھے کئے گئے، فتاوی رضویہ میں مفتی بہ اقوال کے ساتھ، مسائل میں تطبیق، جدید مسائل کو اصول وضوابط کے تحت حل فرمایا گیا۔ المختصر ہر بعد میں آنے والی کتاب پہلی کتب کی تسہیل ہوتی رہی یہی سنتِ اسلاف ہے۔ امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب میزان الشریعۃ الکبری میں فرماتے ہیں ''مافصّل عالم مااجمل

فـی کلام من قبله من الادوار الاللنور المتصل من الشارع صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فالمنة فی ذٰلك حقیقة لرسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم الذی هو صاحب الشرع لانه هو الذی اعطی العلماء تلك المادة التی فصلوا بهاما اجمل فـی کـلامه کما ان المنة بعده لکل دور علیٰ من تحته فلوقدر ان اهل دور تعدوا من فوقهم الی الدور الذی قبله لانقطعت وصلتهم بالشارع ولم یهتدوا لایضاح مشـکـل ولاتـفصیل مجمل، وتامل یااخی لولاان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عـلیـه وسلم فصل بشریعته مااجمل فی القراٰن لبقی القراٰن علیٰ اجماله کما ان الائمة الـمجتهدین لولم یفصلوا ما اجمل فی السنة لبقیت السنة علیٰ اجمالها وهـکـذا الـی عـصـرنـاهـذا، فـلـولاان حـقـیـقة الاجـمـال ساریة فی العالم کلّه مـاشـرحـت الـکـتـب ولاتـرجـمـت من لسان الیٰ لسان ولاوضع العلماء علیٰ الشروح حواشی کالشروح للشروح“ترجمہ: جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانے کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ اسی نور سے ہے جو صاحب شریعت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسے ملا تو حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا تمام امت پر احسان ہے انہوں نے علماء کو یہ استعداد عطا فرمائی جس سے انہوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی۔ یونہی ہر طبقہ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے اگر فرض کیا جائے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلے پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کر جائے تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملا ہوا ہے وہ کٹ جائے گا اور یہ کسی مشکل کی توضیح مجمل کی تفسیر پر قادر نہ ہوں گے۔ برادرم! غور کر اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی شریعت سے مجملات قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے قرآن عظیم یونہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمہ

مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے حدیث یونہی مجمل رہ جاتی، اسی طرح ہمارے زمانے تک، تو اگر یہ نہیں کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کئے ہوئے ہے تو نہ متون کی شرح لکھی جاتی نہ ترجمے ہوتے نہ علماء شرحوں کی شرح (حواشی) لکھتے۔

(میزان الشریعۃ الکبرٰی،فصل وممایدلك علی صحۃ ارتباط جمیع اقوام علماء الشریعۃ ،جلد1،صفحہ37،مصطفی البابی ،مصر)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''اب یہیں دیکھئے کہ کتب ظاہر الروایۃ ونوادر ائمہ تھیں پھر کتب نوازل وواقعات تصنیف فرمائی گئیں پھر متون وشروح وحواشی وفتاوٰی وقتاً فوقتاً تصنیف ہوتے رہے اور ہر آئندہ طبقہ نے گزشتہ پر اضافہ کئے اور مقبول ہوتے رہے کہ سب اسی اجمال قرآن وسنت کی تفصیل ہے۔ نصاب الاحتساب وفتاوٰی عالمگیری زمانہ سلطان عالمگیر انار اللہ تعالیٰ برہانہ کی تصنیف ہیں ان میں بہت ان جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتب سابقہ میں نہیں کہ وہ جب تک واقع ہی نہ ہوئے تھے، اور کتب نوازل وواقعات کا تو موضوع ہی حوادث جدیدہ کے احکام بیان فرمانا ہے اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ تابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ یا خاص امام اعظم وصاحبین کی نص لاؤ تو وہ احمق مجنون یا گمراہ مفتون، پھر عالمگیری کے بھی بہت بعد اب قریب زمانہ کی کتابیں فتاوٰی اسعدیہ وفتاوٰی حامدیہ وطحطاوی علی مراقی الفلاح وعقود الدریہ وردالمحتار ورسائل شامی وغیرہا کتب معتمدہ ہیں کہ تمام حنفی دنیا میں ان پر اعتماد ہو رہا ہے دو اول کے سوا یہ سب تیرہویں صدی کی تصنیف ہیں مانعین بھی ان سے سندیں لاتے ہیں ان میں صدہا وہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے اور مانعین کے یہاں تو فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب بلکہ مائۃ مسائل واربعین تک پر اعتماد ہو رہا ہے۔ کیا مائۃ مسائل واربعین کے سب جزئیات کی تصریح صحابہ وتابعین وائمہ تو بہت بالا ہیں عالمگیری وردالمحتار تک کہیں دکھا سکتے ہیں اب

ان کے بعد بھی ریل، تار، برقی، نوٹ، منی آرڈر، فوٹوگراف وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے اگرکوئی شخص کہے کہ صحابہ تابعین یاامام ابوحنیفہ یا یہ نہ سہی ہدایہ یادرمختار یا یہ بھی نہ سہی عالمگیری وطحطاوی وردالمحتار یا یہ سب جانے دو شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کے فتاوے میں دکھاؤ، تواسے مجنون سے بہتر اور کیا لفظ کہا جاسکتا ہے؟ ہاں اس ہٹ دھرمی کی بات جدا ہے کہ اپنے آپ تو تیرہویں صدی کی اربعین تک معتبر جانیں اوردوسروں سے ہرجزئیہ پرخاص صحابہ وتابعین کی سند مانگیں۔ خطبہ میں ذکرعمین شریفین حادث ہے مگر جب سے حادث ہے علماء نے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی، درمختار میں ہے"یندب ذکر الخلفاء الراشدين و العمّين" خطبہ میں چاروں خلفاء کرام اوردونوں عم کریم سیدالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمانا مستحب ہے۔"

(فتاوی رضویہ ،جلد26،صفحہ502،رضافائونڈیشن،لاہور)

لہٰذا بہارشریعت اور فتاوٰی رضویہ میں مذکور مسائل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگراحناف مجتہدین کے ہیں۔امام احمدرضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"ایک حقیقی فتوی ہوتا ہے ، ایک عرفی فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی آشنائی کے ساتھ فتوی دیا جائے۔ ایسے ہی حضرات کواصحاب فتوی کہا جاتا ہےاوراسی معنی میں یہ بولا جاتا ہے کہ فقیہ ابوجعفر،فقیہ ابواللیث اوران جیسے حضرات رحمہم اللہ تعالی نے فتوی دیا،اورفتوائے عرفی یہ ہے کہ اقوال امام کاعلم رکھنے والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیران کی تقلید کے طور پرکسی نہ جاننے والے کو بتائے۔ جیسے کہا جاتا ہے فتاوی ابن نجیم ،فتاوی غزی،فتاوی طوری،فتاوی خیریہ،اسی طرح زمانہ ورتبہ میں ان سے فروتر فتاوٰی رضویہ تک چلے آئیے، اللہ تعالی اسے اپنی رضا کا باعث اوراپنا پسندیدہ بنائے،آمین!۔"

(فتاوٰی رضویہ، جلد1، صفحہ109، رضافائونڈیشن، لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آپ نے پہلے میرے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ امام کے برابر تین مقتدی ہو جائیں گے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ایک حافظ صاحب کہ آدمی ذی علم ہیں وہ کہتے ہیں کہ جناب مولوی صاحب نے جو حوالہ دیا ہے وہ درمختار کے متن سے نہیں بلکہ شرح سے ہے اور چاہتے ہیں کہ اصول سے جواب تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔''

الجواب:''یہ مطالبہ سخت عجیب ہے درمختار تو شرح ہی کا نام ہے، کیا شروح معتبر نہیں ہوتیں یا ان میں درمختار نامعتبر ہے یا متن میں شرح کے خلاف لکھا ہے اور جب کچھ نہیں تو ایسا مطالبہ اہل علم کی شان سے بعید۔ درمختار بحرِ علم کی وہ درِ مختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشارق ومغارب ارض میں فتوائے مذہب حنفی کا گویا مدار اس کی تحقیقات عالیہ وتدقیقات غالیہ پر ہوگیا، اللہ عزوجل رحمت فرمائے علامہ سید ابن عابدین شامی پر کہ فرماتے ہیں"ان کتاب الدرالمختار، شرح تنویر الابصار، قدطار فی الاقطار وسار فی الامصار وفاق فی الاشتھار علی الشمس فی رابعۃ النھار، حتی اکب الناس علیہ وصار مفزعھم الیہ وھوالحری بان یطلب ویکون الیہ المذھب، فانہ الطراز المذھب فی المذھب، فلقد حوی من الفروع المنقحۃ والمسائل المصححۃ، مالم یحوہ غیرمن کبارالاسفار ولم تنسج علی منوالہ یدالافکار"

خلاصہ یہ کہ درمختار نے تمام عالم میں آفتاب چاشت کی طرح شہرت پائی، مخلوق ہمہ تن اس سے گرویدہ ہوکر اپنے مہمات میں اس کی طرف التجا لائی۔ یہ کتاب اسی لائق ہے کہ اسے مطلوب بنائیں اور اس کی طرف رجوع لائیں کہ یہ دامن مذہب کی زرنگار گوٹ ہے، وہ تصحیح

وتنقیح کے مسائل جمع ہیں کہ بڑی بڑی کتابوں میں مجتمع نہیں، آج تک اس انداز کی کتاب تصنیف نہ ہوئی۔

سبحان اللہ! کیا ایسی کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ارشاد بلاوجہ محض قبول نہ کریں، خیر فتح القدیر تو معتبر ہوگی جس کے مصنف امام ہمام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ وہ امام اجل ہیں کہ ان کے معاصرین تک ان کے لئے منصب اجتہاد ثابت کرتے تھے "کماذکرہ فی ردالمحتار" (جیسا کہ ردالمحتار میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔) تبیین الحقائق تو مقبول ہوگی جس کے مصنف امام اجل فخر الدین ابومحمد عثمان بن علی زیلعی شارح کنز ہیں جن کی جلالت شان آفتاب نیمروز سے روشن تر ہے۔ یہ امام محقق علی الاطلاق سے مقدم اور ان کے مستند ہیں، کافی، امام نسفی تو معتمد ہوگی جس کے مصنف امام برکۃ الانام حافظ الملۃ والدین ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی صاحب کنز الدقائق ہیں۔ سب جانے دو ہدایہ بھی ایسی چیز ہے جس کے اعتماد واستناد میں کلام ہوسکے یہ سب اکابر آئمہ تصریح فرماتے ہیں کہ جماعت رجال میں امام کا قوم کے برابر ہونا حرام ومکروہ تحریمی ہے، ہدایہ میں ہے "محرم قیام الامام وسط الصف" امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا حرام ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد7، صفحہ210، رضافائونڈیشن، لاہور)

اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کی صراحت حنفی کتب میں مذکور نہ ہو تو اپنے سے زیادہ علم والوں کی اتباع کرنے کی اجازت ہے۔ آج کل علماء کی اکثریت مسائل میں اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ اور صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کے فتاوٰی پر عمل کرتی ہے کیونکہ یہ بزرگ علم وتقوی میں اپنے زمانے کے تمام علماء پر فائق تھے۔ احادیث واسلاف سے ثابت ہے کہ درپیش مسئلہ میں زیادہ علم والے

اور متقی عالم کی طرف رجوع کیا جائے۔نسائی شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں" فلیقض فیه بما فی کتاب الله فإن جاء أمر لیس فی کتاب الله فلیقض بما قضی به نبیه فإن جاء أمر لیس فی کتاب الله ولم یقض به نبیه صلی الله علیه و سلم فلیقض بما قضی به الصالحون "ترجمہ:اس کے مطابق فیصلہ کر جو قرآن پاک میں ہے اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جسکی صراحت قرآن پاک میں نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا اس کے مطابق فیصلہ کر،اگر کسی مسئلہ میں قرآن وسنت سے کچھ نہ ملے تو صالحین نے جو فیصلہ فرمایا اس کے مطابق فیصلہ کر۔

(سنن نسائی، کتاب القضاء،الحکم باتفاق أہل العلم،جلد 8،صفحہ 230،مکتب المطبوعات الإسلامیة،حلب)

مشکوٰۃ شریف کی حدیث پاک ہے "وعن ابن مسعود قال من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فإن الحی لا تؤمن علیه الفتنة" ترجمہ:حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں جو سیدھی راہ جانا چاہتا ہے وہ وفات یافتہ بزرگوں کی راہ چلے کہ زندہ پر فتنہ سے امن نہیں۔

(مشکوۃ المصابیح،کتاب الایمان ،باب الاعتصام بالکتاب والسنة،جلد 1،صفحہ 42،المکتب الإسلامی ،بیروت)

ابن قیم نے لکھا ہے"وقال محمد بن الحسن یجوز للعالم تقلید من هو أعلم منه "ترجمہ:محمد بن حسن نے کہا عالم کا اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید کرنا جائز ہے۔

(إعلام الموقعین عن رب العالمین،جلد2،صفحہ229،مکتبة الکلیات الأزہریة، مصر، القاہرة)

الحمد للہ عزوجل! میرے مرشد کامل مولانا الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ نے مسائل میں فتاوٰی رضویہ و بہار شریعت کی طرف رجوع کا ایسا ذہن دیا ہے کہ اس کے فوائد وثمرات بہت مرتبہ دیکھنے میں آئے ہیں۔فتوی نویسی میں جب عربی کتب کے

ساتھ فتاوٰی رضویہ و بہار شریعت کو سامنے رکھتے ہیں تو بہت رہنمائی ملتی ہے کہ ان دونوں کتب میں مفتی بہ اقوال ہیں۔

اعتراض: ایک فعل کبھی ناجائز اور کبھی جائز ہوتا ہے۔

جواب: ایک فعل کا کبھی جائز ہونا کبھی ناجائز ہونا منافی فقہ نہیں۔بعض مسائل کا حکم تغیر زمانہ کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''قول کی دوقسمیں ہیں(1) قول صوری (2) قول ضروری۔قول صوری وہ جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا،اور قول ضروری وہ ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا،کبھی حکم ضروری،حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح وحاکم ہوتا ہے۔یہاں تک کہ صوری کو لینا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے،مثلا زید نیک اور صالح تھا تو عمرو نے اپنے خادموں کو صراحۃ علانیۃ زید کی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار ان کے سامنے اس حکم کی تکرار بھی کی اور اس سے ایک زمانہ پہلے ان خدام کو ہمیشہ کیلئے کسی فاسق کی تکریم سے ممانعت بھی کر چکا تھا۔پھر کچھ دنوں بعد زید فاسق معلن ہوگیا،اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے اور اگر اس کی تعظیم ترک کردیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے۔۔۔ اسی طرح اقوال ائمہ میں بھی ہوتا ہے(کہ ان کے حکم صوری کے خلاف کوئی حکم ضروری پالیا جاتا ہے) اس کے درج ذیل اسباب پیدا ہوتے ہیں(1) ضرورت(2)حرج(3)عرف

(4) تعامل (5) کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہے (6) کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہے۔

یہ اس لئے کہ صورتوں کا استثنا، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی رعایت جو کسی ایسی خرابی سے خالی ہوں جو ان سے بڑھی ہوئی ہے، مفاسد کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا، اور تعامل پر کاربند ہونا یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ ہر امام ان کی جانب مائل ان کا قائل اور ان پر اعتماد کرنے والا ہی ہے۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم رہا ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں قطعا یہ یقین ہوگا کہ یہ امر اگر ان کے زمانے میں پیدا ہوتا تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہی ہوتا اسے رد نہ کرتا اور اس کے برخلاف نہ ہوتا ایسی صورت میں ان سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے، ان سے نقل شدہ الفاظ پر جم جانا ان کی پیروی نہیں۔'' (فتاوی رضویہ، جلد 1، صفحہ 109، رضافائونڈیشن، لاہور)

مسلم اور نسائی شریف کی حدیث پاک ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ '' ترجمہ: اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء ۔۔جلد 1، صفحہ 326، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

اس کے باوجود ائمہ کرام نے جوان عورتوں کو مطلقا اور بوڑھی عورتوں کو صرف دن میں مسجد جانے سے منع فرمایا، پھر سب کے لئے ممانعت عام کردی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اس قول ضروری پر عمل کے تحت کیا جو ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے درج ذیل بیان سے مستفاد ہے ''لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ و سلم رأی من النساء مارأینا لمنعھن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل

نسـاء ھـا" ترجمہ:اگررسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ان عورتوں کا وہ حال مشاہدہ کر تے جو ہم نے مشاہدہ کیا تو انہیں مسجد سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روک دیا۔

(صحیح مسلم ،کتاب الصلوٰۃ،باب خروج النساء --جلد 1،صفحہ329،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

بخاری شریف میں ہے"قـال عـمـر بـن عبد العزیز کانت الھدیة فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ھدیة والیوم رشوة" ترجمہ:حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہدیہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تحفہ تھا اور آج یہ رشوت ہے۔

(صحیح بـخـاری،کتاب الـھبة --،باب من لم یقبل ھدیة لعلة،جلد 2،صـفـحـہ916،دار ابن کثیر ، الیمامة،بیروت)

لہٰذا بعض مسائل کے حکم میں تبدیلی انہیں اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے۔یہاں عموم بلویٰ پر کلام تھوڑی تفصیل کے ساتھ بہت مفید ہے۔عموم بلویٰ کے سبب امام کے قول کو چھوڑ کر دوسرے قول پر عمل کرنا جائز ہو جاتا ہے جیسے سدالذرائع کے تحت الکوحل کے متعلق امام محمد کے قول پر فتوی تھا پھر عصر حاضر میں عموم بلوی کے سبب اس میں رخصت ہوئی، اسی طرح آرٹیفیشل جیولری کی اجازت عموم بلوی سے ہے۔لہٰذا عموم بلوی اسبابِ تخفیف سے ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان اسپرٹ کے متعلق فرماتے ہیں:معتمد مفتی بہ یہ ہے کہ ہر مائع مسکر کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے لہٰذا اشیائے خوردنی نیز ادویہ میں اس کا استعمال مطلقاً حرام ہے۔انگریزی ٹنچروں میں عموماً اسپرٹ ہوتو کھانے پینے کے سوار نگنے وغیرہ میں جہاں خود اس کا چھونا لگانا پڑے وہ بھی ممنوع و ناجائز ہے صرف کپڑوں میں

فقیر کے نزدیک عموم بلوی حکم طہارت ہے۔‘‘

(فتاوی رضویہ،جلد25،صفحہ211،رضافائونڈیشن،لاہور)

پڑیا کے متعلق فرماتے ہیں:’’بادامی رنگ کی پُڑیا میں تو کوئی مضائقہ نہیں اور رنگت کی پُڑیا سے ورع کے لئے بچنا اولی ہے پھر بھی اس سے نماز نہ ہونے پر فتوی دینا آج کل سخت حرج کا باعث ہے۔”والحرج مدفوع بالنص وعموم البلوی من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطھارۃ والنجاسۃ“ نص سے ثابت ہے کہ حرج دُور کیا گیا اور عموم بلوی اسبابِ تخفیف سے ہے خصوصاً مسائلِ طہارت اور نجاست میں۔

لہٰذا اس مسئلہ میں مذہب حضرت امام اعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہمارے ان اماموں کے مذہب پر پُڑیا کی رنگت سے نماز بلاشبہ جائز ہے۔فقیر اس زمانے میں اسی پر فتوی دینا پسند کرتا ہے۔

(فتاوی رضویہ،جلد4،صفحہ390،رضافائونڈیشن،لاہور)

کئی مسائل میں شروع سے ہی عموم بلوی کی وجہ سے رعایت دی گئی ہے۔کسی اختلافی مسئلہ میں عموم بلوی کی وجہ سے تخفیف وترجیح ہوجاتی ہے چنانچہ صاحب تبیین الحقائق جن پرندوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کی بیٹ نجاست خفیفہ وغلیظہ ہونے پر اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں”لما عرف من مذھبھما أن اختلاف العلماء یورث الشبھۃ وقد تحقق فیہ الاختلاف فإنہ طاھر فی روایۃ عن أبی حنیفۃ وأبی یوسف علی ما مر فکان للاجتھاد فیہ مساغ ووجہ التخفیف عموم البلوی والضرورۃ وھی توجب التخفیف فیما لا نص فیہ“ ترجمہ:جب دونوں مذاہب کو جان لیا گیا تو علماء کا اختلاف شبہ (یعنی رعایت) پیدا کر دیتا ہے۔بیٹ کے

نجاست خفیفہ وغلیظہ ہونے پر اختلاف متحقق ہوا۔امام ابو حنیفہ وامام یوسف رحمہا اللہ کے نزدیک یہ پاک ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔اس میں اجتہاد بدل جاتا ہے اور تخفیف کی وجہ عموم بلویٰ وضرورت ہے کہ یہ اس مسئلہ میں تخفیف واجب کرتی ہیں جس میں نص نہ ہو۔

(تبیین الحقائق، کتاب الطہارت، باب الانجاس، جلد 1، صفحہ 75، المطبعة الكبرى الأميرية، القاہرة)

عموم بلوی کا اعتبار نص کے مقابل نہیں ہوتا جیسے مسلمانوں کا غیبت کرنا، نمازیں چھوڑنا وغیرہ عموم بلویٰ کے تحت رعایت نہ دے گا۔غمز عیون البصائر فی شرح الأشباہ والنظائر ”ولا اعتبار عنده بالبلوى فی موضع النص ،كما فی بول الآدمی فإن البلوى فيه أعــــم“ ترجمہ:نص کے مقابل عموم بلویٰ کا اعتبار نہیں جیسے آدمی کے پیشاب میں بلویٰ عام ہے۔(لیکن یہ ناپاک ہے بوجہ نص وارد ہونے کے)

(غمز عیون البصائر فی شرح الأشباہ والنظائر، جلد 2، صفحہ 283)

فصل سوم: مستقبل کی فقہ

عصر حاضر میں لوگوں کا طرزِ عمل اور احادیث کی پیشین گوئیاں یہی فرماتی ہیں کہ آنے والا وقت اس سے بھی بدتر ہوگا اگرچہ علماء حق ونیکوکار بھی ہوں گے لیکن انتہائی قلیل۔ صحیح ابن حبان، جامع ترمذی اور صحیح بخاری کی حدیث پاک ہے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں”لا يأتی عليكم زمان إلا الذی بعده شر منه حتى تلقوا ربكم سمعته من نبيكم صلى الله عليه وسلم“ ترجمہ:نہیں آئے گا کوئی زمانہ مگر اس کے بعد والا زمانہ اس سے بدتر ہوگا حتیٰ کہ تم اپنے رب سے ملو یہ میں نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الفتن، لایاتی زمان الاالذی شر بعدمنہ، جلد 6، صفحہ 2591، دار ابن کثیر ،

الیمامۃ،بیروت)

مستقبل میں جہاں اور فتنے بڑھیں گے وہاں فقہی مسائل میں بھی جہالت بڑھے گی لوگ اپنی فہم سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایں گے چنانچہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "أعظمها فتنة علی أمتی قوم یقیسون الأمور برأیهم ، فیحلون الحرام ویحرمون الحلال" ترجمہ: میری امت میں سب سے بڑا فتنہ وہ قوم ہوگی جو معاملات میں اپنے رائے سے قیاس کرے گی اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرالے گی۔

(الفقیه و المتفقه،جلد1،صفحه450،دار ابن الجوزی،سعودیه)

صحیح ابن حبان میں ہے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحریر و الخمر و المعازف" ترجمہ: ضرور میری امت کے لوگ ریشم،شراب اور گانے باجوں کو حلال ٹھہرالیں گے۔

(صحیح ابن حبان،کتاب التاریخ،باب إخباره صلی الله علیه و سلم--،جلد15،صفحه159،مؤسسة الرسالة،بیروت)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "تکون أربع فتن:الاولی یستحل فیها الدم ، والثانیة یستحل فیها الدم والمال ، والثالثة یستحل فیها الدم والمال والفرج والرابعة الدجال" ترجمہ: چار فتنے ہوں گے ایک خون کو حلال سمجھا جائے گا، دوسرا خون و مال کو حلال سمجھا جائے گا، تیسرا خون مال اور زنا کو حلال سمجھا جائے گا اور دجال آئے گا۔

(کنزالعمال، کتاب الفتن والاهواء والاختلاف، الفصل الثالث الفتن من الاکمال ، جلد11،صفحه239، مؤسسة الرسالة،بیروت)

آج بھی جیسے گانے باجے کو حلال سمجھا جاتا ہے،شوبز والے گانا یا فلم ہٹ ہونے

پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کر رہے ہوتے ہیں۔مزارات پر جا کر میوزک کے ساتھ گانا اور چیریٹی شوز میں گانا اور ناچنا باعثِ ثواب سمجھا جاتا ہے (معاذ اللہ عزوجل)۔آئندہ گانے باجے کو پتہ نہیں کتنا نیک کام سمجھا جائے گا؟ شراب کے بارے میں یہی کہا جائیگا جب تک وہ نشہ نہ دے جائز ہے۔اسی طرح دوسرے کے خون و مال کو حلال ٹھہرا لیا جائے گا۔موجودہ دور میں بھی جو یارسول اللہ کہنے والا ہو اسے بدمذہب قتل کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ ثواب سمجھتے ہیں کہ مشرک مارا۔

کئی گناہ والے کاموں کو ثواب سمجھا جائے گا،جیسے میوزک کے ساتھ نعت خوانی کو معاذ اللہ ثواب سمجھا جاتا ہے اسی طرح قرآن کو بھی میوزک کے ساتھ سنا جائے گا۔حدیث پاک میں ہے ”یتخذون القرآن مزامیر“ترجمہ:قرآن کو مزامیر بنالیں گے۔

(کنز العمال، کتاب القیامۃ،قسم الاول، حرف قاف،اشراط الصغری ،جلد14،صفحہ655، مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

عصر حاضر میں میوزک والی نعتیں شروع ہو چکی ہیں مستقبل میں (معاذ اللہ) قرآن بھی میوزک کے ساتھ پڑھا جائے گا (جبکہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے مزامیر کے ساتھ قرآن پڑھنا کفر ہے۔)اور دلیل یہی ہوگی کہ لوگ میوزکل گانے چھوڑ کر قرآن سن لیں گے۔

ایک حدیث پاک میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ” المرأۃ نھارا جھارا تنکح وسط الطریق ، لا ینکر ذلك أحد ولا یغیرہ ، فیکون أمثلھم یومئذ الذی یقول لو نحیتھا عن الطریق قلیلا ، فذاك فیھم مثل أبی بکر وعمر فیکم“ ترجمہ:عورت دن دھاڑے سرعام سڑک کے درمیان زنا کروائے گی کوئی ایسا نہ ہوگا جو اسے

منع کرے جو صرف راستے سے تھوڑا ہٹنے کو کہے گا وہ ان میں ایسا (نیک) ہوگا جیسے (صحابہ میں) ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما ہیں۔

(کنز العمال، کتاب القیامۃ،الإکمال من أشراط الساعۃ الکبری ،جلد14،صفحہ294،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

اس پر بھی ہوسکتا ہے یہ دلیل ہو کہ جب لڑکا لڑکی راضی ہوں تو معاذ اللہ زنا میں کوئی حرج نہیں۔ایک اور فتنہ جو یقیناً اٹھے گا وہ یہ ہوگا کہ مسلمان عورت کا اہل کتاب کے ساتھ نکاح کو جائز کہا جائے گا۔جبکہ یہ بالاجماع حرام ہے۔قرآن پاک میں صراحۃً صرف مسلمان مرد کا اہل کتاب سے نکاح کا جواز ہے چنانچہ فرمایا﴿ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ أُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی۔ (سورۃ المائدہ،سورت5،آیت5)

اہل کتاب لڑکے کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔قرآن پاک میں ہے﴿وَلاَ تَنکِحُواْ الْمُشْرِکَاتِ حَتَّی یُؤْمِنَّ وَلأَمَۃٌ مُّؤْمِنَۃٌ خَیْرٌ مِّن مُّشْرِکَۃٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْکُمْ وَلاَ تُنکِحُواْ الْمُشِرِکِیْنَ حَتَّی یُؤْمِنُواْ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّن مُّشْرِکٍ وَلَوْ أَعْجَبَکُمْ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بیشک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو (مسلمان عورتیں) جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بیشک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو۔

(سورۃ البقرۃ،سورت2،آیت221)

اس آیت میں مطلقا مسلمان لڑکے اور لڑکی کا نکاح کافر و مشرک سے ناجائز کہا گیا مگر قرآن میں ہی مسلمان لڑکے کو اہل کتاب عورت سے نکاح کی اجازت دیدی گئی تو

اب صرف مسلمان لڑکے کے لئے اجازت ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''مسلمان عورت کا نکاح مطلقاً کسی کافر سے نہیں ہوسکتا۔کتابی ہو یا مشرک یا دہریہ یہاں تک کہ ان کی عورتیں جو مسلمان ہوں انھیں واپس دینا حرام ہے۔قال تعالیٰ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ اے ایمان والو!جب تمہارے پاس اسلام لانے والی عورتیں کافروں کا دیا رچھوڑکر آئیں تو ان کی آزمائش کرو،اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو،پھر اگر تمہیں آزمائش سے ان کا ایمان ثابت ہو تو انھیں کافروں کو واپس نہ دو،نہ مسلمان عورتیں کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ کافر مسلمان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔مسلمان مرد کافرہ کتابیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔۔۔'' (فتاوی رضویہ،جلد11،صفحہ512،رضافائونڈیشن،لاہور)

مسلمان مرد کا بھی اہل کتاب عورت سے مطلقا نکاح بالکل درست نہیں بلکہ جو اہل کتاب عورت دہریہ نہ ہو اس سے نکاح مطلقا مکروہ ہے،اگر وہ غیر حربی یعنی ذمیہ ہو تو مکروہ تنزیہی ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''کتابیہ سے نکاح کا جواز عدم ممانعت وعدم گناہ صرف کتابیہ ذمیہ میں ہے جو مطیع الاسلام ہوکر دارالاسلام میں مسلمانوں کے زیر حکومت رہتی ہو وہ بھی خالی از کراہت نہیں بلکہ بے ضرر مکروہ ہے،فتح القدیر وغیرہ میں فرمایا''الاولی ان لایفعل ولایأکل ذبیحتھم الاللضرورۃ ''بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت ان سے نکاح نہ کرے اور نہ ذبیحہ کھائے۔

مگر کتابیہ حربیہ سے نکاح یعنی مذکورہ جائز نہیں بلکہ عندالتحقیق ممنوع و گناہ ہے۔علمائے کرام وجہ ممانعت اندیشہ فتنہ قرار دیتے ہیں کہ ممکن کہ اس سے ایسا تعلق قلب پیدا ہو

جس کے باعث آدمی دارالحرب میں وطن کر لے نیز بچے پر اندیشہ ہے کہ کفار کی عادتیں سیکھے نیز احتمال ہے کہ عورت بحالت حمل قید کی جائے تو بچہ غلام بنے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد11، صفحہ400، رضافائونڈیشن، لاہور)

موجودہ دور میں تمام اہل کتاب حربی ہیں لہٰذا اہل کتاب عورت سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

اس طرح مستقبل میں بے شمار حرام و ناجائز چیزیں کو حلال سمجھا جائے گا اس پر خود ساختہ باطل دلیلیں ضرور ہوں گی۔ میڈیا پر ان لوگوں کو لایا جارہا ہے اور لایا جائے گا جو جاہل، آسانیوں کے متلاشی، غلط مسئلہ بتا کر اس پر الٹی سیدھی دلیلیں دینے والے ہونگے، خود بڑے مذہبی رہنما بنیں گے، جیسے ایک مشہور اسکالر ذاکر نائیک مسائل فقہ میں نرا جاہل ہے اس نے کہا کہ قرآن کو بغیر وضو چھونا جائز ہے اور اس پر دلیل دی کہ لوگ وضو کی وجہ سے قرآن نہیں پڑھتے، اور مزید کہا قرآن پاک میں جو ہے ﴿لَّا یَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلۡمُطَهَّرُونَ﴾ ترجمہ: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ (سورۃ الواقعہ، سورت56، آیت79)

اس آیت سے مراد لوح محفوظ پر لکھا قرآن مراد ہے جسے فرشتے چھوتے ہیں۔ اس اسکالر کے تمام کے تمام عقلی دلائل باطل ہیں مسلمانوں کا شروع سے معمول ہے کہ وہ قرآن کو باوضو و باادب طریقے سے پڑھتے ہیں، ہرگز وہ قرآن پڑھنے میں وضو کو دشواری محسوس نہیں کرتے، مسلمانوں کا قرآن کی تلاوت نہ کرنا وضو کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی سستی ہے۔ بالفرض اگر وضو ضروری نہ بھی ہوتا تب بھی تمام مسلمان قرآن نہ پڑھتے۔ باقی آیت سے یہ استدلال کر لینا کہ بغیر وضو قرآن چھونا جائز ہے اسی ہی تفسیر بالرائے کہتے ہیں جو کہ حرام ہے۔ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اگرچہ یہی فرمایا کہ اس سے مراد ملائکہ ہیں

جیسا کہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ابن کثیر میں فرمایا"یعنی الملائکۃ" لیکن اس سے یہ کب ثابت ہو گیا کہ ہمارا بے وضو چھونا جائز ہے؟ جب فرشتوں اس قرآن پاک کی تعظیم میں اسے بے وضو نہیں چھوتے تو جن پر قرآن نازل ہوا ہے انہیں کیسے روا ہے کہ وہ بے وضو قرآن چھوئیں جیسا کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے پھر صریح احادیث بے وضو قرآن چھونے کی ممانعت پر وارد ہیں چنانچہ یہی علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں آگے فرماتے ہیں﴿**لا یَمَسُّهُ إِلا الْمُطَهَّرُونَ**﴾أی من الجنابة و الحدث--- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ولا يمس القرآن إلا طاهر" ترجمہ:اسے نہ چھوئیں مگر باوضو یعنی جو بے وضو ہو یا جس پر غسل واجب ہو وہ قرآن نہ چھوئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن کو بغیر وضو نہ چھوا جائے۔

(تفسیر ابن کثیر،جلد8،صفحہ32،دارالکتب العلمیہ ،بیروت)

اس آیت کی تفسیر میں درمنثور میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا"أخرج ابن المنذر عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه كان لا يمس المصحف إلا متوضئاً ،وأخرج عبد الرزاق و ابن أبى داود و ابن المنذر عن عبدالله بن أبى بكر عن أبيه قال فى كتاب النبى صلى الله عليه وسلم لعمرو بن حزم لا تمس القرآن إلا على طهور" ترجمہ:ابن منذر نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں قرآن کو نہ چھوئے مگر وہ جو باوضو ہو،عبدالرزاق،ابوداؤد اور ابن منذر نے لکھا،عبداللہ بن ابوبکر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط جو عمرو بن حزم کے لئے تھا اس میں فرمایا قرآن کو بغیر طہارت نہ چھوا جائے۔

انہی غلط مسائل بتانے والوں کے متعلق حدیث پاک میں فرمایا گیا "یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یتونکم من الاحادیث بمالا تسمعوا انتم ولا اباء کم فیاکم و یاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم" ترجمہ: آخری زمانہ میں جھوٹے دجال آئیں گے تمہارے پاس وہ احادیث لائیں گے جنہیں نہ تم نے اور نہ تمہارے اباواجداد نے سنا ہوگا تو تم ایسوں سے دور رہو وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(صحیح مسلم ،مقدمہ ،النہی عن الروية عن الضعفاء) جلد 1،صفحہ12،دار إحياء التراث العربی،بیروت)

ملاءعلی قاری رحمۃ اللہ مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں" یعنی سیکون جماعة یقولون للناس نحن علماء ومشايخ ندعوكم إلى الدين وهم كذابون فی ذلك يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم أی يتحدثون بالأحاديث الكاذبة ويبتدعون أحكاما باطلة واعتقادات فاسدة " یعنی ایک گروہ آئے گا جولوگوں سے کہے گا ہم علماء ومشائخ ہیں لوگوں کو دین کی طرف بلاتے ہیں، وہ اس میں جھوٹے ہوں گے تمہارے پاس وہ احادیث لائیں گے جنہیں نہ تم نے اور نہ تمہارے اباواجداد نے سنا ہوگا یعنی جھوٹی حدیثیں بیان کریں گے اور غلط مسائل اور فاسد عقائد پھیلائیں گے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ،جلد1،صفحہ356،مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

الغرض مستقبل میں بڑے فتنے ہوں گے، یہ سب دین سے دوری اور علم نہ ہونے کی وجہ سے ہوگا۔صحیح بخاری میں ہے "عن أبی هريرة قال قال النبی صلى الله عليه وسلم لا تقوم الساعة حتى يقبض العلم وتكثر الزلازل ويتقارب الزمان وتظهر

الفتن" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک علم نہ اٹھا لیا جائے۔ زلزلے کثرت سے ہونگے، زمانے مختصر ہوجائیں گے، فتنے ظاہر ہوجائیں گے۔

(صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب ماقیل فی الزلازل و الآیات، جلد 1، صفحہ 350، دار ابن کثیر، الیمامة، بیروت)

ان فتنوں سے بچنے کی ایک راہ ہے کہ جو گمراہ شخص اپنے گمراہ نظریے پر دلیل دے فوراً اس دلیل کو نہ مانا جائے کہ اوپر ثابت کیا گیا کہ ہر فتنے باز ضرور دلیل دیتا آیا ہے، دے رہا اور دے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو وہ دلیل دے رہا ہے وہ دلیل صحیح بھی ہے یا نہیں؟ جب اس اصول کو یاد رکھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو عصر حاضر کے فتنے اور آئندہ پیش آنے والے فتنے ختم ہو جائیں گے۔ صحابی رسول حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی اصول بتایا کہ جب کوئی گمراہی پھلائے تو اس گمراہی کی پہچان یہ ہے کہ اہل علم اس پر اعتراض کریں چنانچہ ابوداؤ شریف کی حدیث پاک میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "وأحذركم زيغة الحكيم فإن الشيطان قد يقول كلمة الضلالة على لسان الحكيم وقد يقول المنافق كلمة الحق قال قلت لمعاذ ما يدريني رحمك الله أن الحكيم قد يقول كلمة الضلالة وأن المنافق قد يقول كلمة الحق ؟ قال بلى اجتنب من كلام الحكيم المشتهرات التي يقال لها ما هذه" ترجمہ: علم والے کی گمراہی سے بچو۔ بیشک شیطان علم والے کی زبان پر گمراہ بات کہہ دیتا ہے اور منافق کی زبان پر کلمہ حق کہہ دیتا ہے۔ راوی نے کہا یا معاذ! اللہ آپ پر رحم فرمائے مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ اُس نے گمراہ بات کی ہے اور منافق نے حق بات کی ہے؟ تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا گمراہ عالم کی اس مشہور بات سے بچ جس

کے متعلق کہا جائے یہ کیا ہے؟ (یعنی جس کے متعلق اہل حق کہیں کہ یہ غلط ہے۔)

(سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، جلد2، صفحہ612، دارالفکر، بیروت)

اللہ عزوجل ہمیں ان فتنوں سے محفوظ فرمائے۔آمین۔

حرفِ آخر

الحمد للہ عزوجل! اس پوری کتاب میں اس بات کو کثیر مستند دلائل سے ثابت کیا ہے کہ شریعت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں فقہ کا ایک مقام ومرتبہ ہے۔ضروری نہیں کہ مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث میں صراحۃً موجود ہو، بلکہ کئی مسائل کو مآخذ واصول، اجتہاد وقیاس سے حل کیا جاتا ہے۔لہٰذا جو ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث سے دلیل طلب کرے وہ جاہل ہے۔اس پوری کتاب کا خلاصہ شہزادہ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے اس مختصر سے کلام میں ہے۔فرماتے ہیں:''وجہ وہی ہے کہ قرآن مجمل ہے جس کی توضیح حدیث نے فرمائی اور حدیث مجمل ہے جس کی تشریح ائمہ مجتہدین نے کر دکھائی۔تو جو ائمہ کا دامن چھوڑ کر قرآن وحدیث سے اخذ کرنا چاہے بہکے گا۔اور جو حدیث چھوڑ کر قرآن مجید سے لینا چاہے وادیٔ ضلالت میں پیاسا مرے گا۔تو خوب کان کھول کر سن لو اور لوح دل پر نقش کر رکھو کہ جسے کہتا سنو ہم اماموں کا قول نہیں جانتے ہمیں تو قرآن وحدیث چاہئے جان لو یہ گمراہ ہے اور جسے کہتا سنو کہ ہم حدیث نہیں جانتے ہمیں تو قرآن درکار ہے سمجھ لو کہ یہ بددین خدا کا بدخواہ ہے۔پہلا فرقہ قرآن عظیم کی پہلی آیت ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (تو اے لوگو!علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔) کا مخالف متکبر اور دوسرا طائفہ قرآن عظیم کی دوسری آیت ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (کہ تم لوگوں سے بیان کردو جوان کی طرف اترا۔) کا منکر ہے۔

(فتاوٰی حامدیہ، صفحہ129، شبیر برادرز، لاہور)

اللہ عزوجل ! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے اس ادنی سے کوشش کو قبول فرمائے اور میری میرے ماں باپ، پیرومرشد، رشتہ دار ، ناشر ، دوست احباب اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔آمین۔

۔۔۔المصادر و المراجع ۔۔۔

الف

(1)القرآن

(2)ابراہیم بن موسی اللخمی الغرناطی المالکی،الموافقات فی اصول الفقہ ،،دارالمعرفۃ ،بیروت

(3)ابن الحاج ابی عبد اللہ محمد بن محمد العبدری ، المدخل الشرع الشریف، دارالکتاب العربی ، بیروت

(4)ابن بطال،شرح البخاری لابن بطال،دارالکتب العلمیۃ ،بیروت

(5)ابن حجرالہیتمی ،الفتاوی الحدیثیہ لابن حجرالہیتمی ،دارالفکر،بیروت

(6)ابن ماجۃ ابوعبداللہ محمد بن یزیدالقزوینی،سنن ابن ماجہ،مکتبۃ ابی المعاطی

(7)ابن یحیٰی،المدخل المفصل لمذہب الإمام احمد،دارالعاصمۃ جدہ،الطبعۃ الاولی،1417ھ

(8)ابو إسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی،اللمع فی اصول الفقہ ،دار الکتب العلمیۃ،بیروت، 1405ھ۔1985ء

(9)ابوالفداءاسماعیل بن عمربن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،دارالکتب العلمیہ ،بیروت،1419ھ

(10)ابوبکراحمد بن علی الخطیب البغدادی،الفقیہ والمتفقہ ،دارابن الجوزی،سعودیہ،1421ھ

(11)ابوبکرعبد الرزاق بن ہمام الصنعانی،مصنف عبد الرزاق،المکتب الإسلامی، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ،1403ھ

(12)ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبۃ العبسی الکوفی، مصنف ابن ابی شیبۃ ،مکتبہ الدار السلفیۃ،الہندیۃ

(13)ابوجعفرالطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت،1420ھ

(14)ابوشکورمحمد بن عبد السعید سالمی کشی،تمہید ابوشکور سالمی، فرید بک سٹال،لاہور،الطبعۃ

الثانیۃ،1430ھ۔2009ء

(15)ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی،مسند الإمام احمد بن حنبل،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،الطبعۃ الاولی1421ھ۔2001ء

(16)اجمل(ناشر)اجتہاد وتقلید،مکتبہ اعلیٰ حضرت،لاہور،2007ء

(17)احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابو بکر البیہقی،سنن البیہقی الکبری،مکتبۃ دار الباز،مکۃ المکرّمۃ،1414ھ۔1994ء

(18)احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، ابو بکر،شعب الإیمان، مکتبۃ الرشد،ریاض،الطبعۃ الاولی،1423ھ۔2003ء

(19)احمد بن تیمیۃ،مجموع فتاوی ابن تیمیۃ،مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ النبویۃ

(20)احمد بن شعیب ابوعبد الرحمٰن النسائی،سنن النسائی،مکتب المطبوعات الإسلامیۃ،حلب، الطبعۃ الثانیۃ،1406ھ۔1986ء

(21)احمد بن محمد بن إسحاق الشاشی ابوعلی،اصول الشاشی ،دارالکتاب العربی، بیروت، 1402ھ

(22)احمد رضا خان،فتاوٰی رضویہ،رضا فاؤنڈیشن،لاہور

(23)احمد مصری طحاوی،حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار،دار المعرفۃ،بیروت

(24)احمد یار خان نعیمی،جاء الحق،نعیمی کتب خانہ،گجرات

(25)مرأۃ المناجیح،نعیمی کتب خانہ،گجرات

(26)اسماعیل بن محمد الجراحی،کشف الخفاء،دار احیاء التراث العربی،بیروت

(27)اسماعیل حقی،تفسیر روح البیان،المکتبۃ القدس،کوئٹہ

(28)الحسن عمر مساعد، النکت الظریفۃ فی ترجیح مذھب ابی حنیفۃ ،مرکز البحوث التربویۃ ،لریاض، الطبعۃ الاولی1418ھ-1997ء

ب

(29)بدرالدین العینی الحنفی ،عمدۃ القاری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(30)بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی، جامع الفصولین، اسلامی کتب خانہ، کراچی

ث

(31)ثناءاللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ادارہ اشاعت العلوم، دہلی

ج

(32)جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر، فتاوی ہندیہ، رشیدیہ کوئٹہ، 1403

ح

(33)حامد رضا خان، فتاوٰی حامدیہ، شبیر برادرز، لاہور، 2004ء

(34)حسن بن منصور قاضی خان، فتاوٰی قاضی خان، مکتبہ نولکشور، لکھنؤ

خ

(35)خیرالدین بن احمد بن علی الرملی، فتاوٰی خیریہ، دارالمعرفۃ، بیروت

ز

(36)زین الدین عبد الرؤوف المناوی، التیسیر بشرح الجامع الصغیر، مکتبۃ الإمام الشافعی ، الریاض، 1408ھ-1988ء

(37)فیض القدیر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

(38)زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم ،البحرالرائق، رشیدیہ، کوئٹہ، 1420ھ

(39) الرسائل الفقہیہ ،ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی

س

(40) سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی الشفعی ،شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح فی اصول الفقہ ،دار الکتب العلمیۃ ، بیروت، 1416ھ۔1996ء

(41) سلیمان بن احمد بن ایوب ابو القاسم الطبرانی، المعجم الکبیر، مکتبۃ العلوم والحکم ، الموصل، الطبعۃ الثانیۃ، 1404ھ۔1983ء

(42) المعجم الاوسط، دار الحرمین، القاہرۃ، 1415ھ

(43) سلیمان بن الاشعث ابوداود السجستانی، سنن ابوداؤد، دار الفکر، بیروت

ش

(44) شاہ ولی اللہ الدہلوی، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ،طبعۃ دار النفائس ، الطبعۃ الثانیۃ، 1404ھ

(45) شاہ ولی اللہ، عقد الجید ،قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی

(46) شمس الدین محمد الخراسانی، جامع الرموز (شرح نقایہ)، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس، ایران

(47) شوکانی، روضہ ندیہ شرح درر بہیہ عربی، فاروقی کتب خانہ، لاہور

(48) شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، دار الفکر، بیروت

(49) شہاب الدین احمد بن حجر المکی، الخیرات الحسان، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

(50) کف الرعاع، دار الکتب العلمیہ ، بیروت

(51) شہاب الدین السید محمود آلوسی، روح المعانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت

ص

(52) صلاح الدین یوسف، ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل، دار السلام، لاہور

ط

(52)طاہر،مجمع بحارالانوار،مکتبہ نولکشور،لکھنؤ

ع

(53)عبدالحفیظ بلیاوی،المنجد،خزینہ علم وادب،لاہور

(54)عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی،الاشباہ والنظائر،دارالکتب العلمیہ، بیروت،1403ھ

(55)تدریب الراوی شرح التقریب النواوی،دارنشرالکتب الاسلامیہ،لاہور

(56)عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی،فتواتح الرحموت بذیل المستصفیٰ،منشورات الشریف الرضی قم،ایران

(57)عبد الکریم بن علی،الجامع لمسائل اصول الفقہ، مکتبۃ الرّشد،ریاض، 1424ھ۔ 2003ء

(58)عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابومحمد الدارمی،سنن الدارمی،دار الکتاب العربی،بیروت،الطبعۃ الاولی،1407ھ

(59)عبدالوہاب خلاف،علم اصول الفقہ،مکتبۃ الدعوۃ،شباب الازہر

(60)عبدالوہاب شعرانی،المیزان الکبرٰی،مصطفیٰ البابی،مصر

(61) الیواقیت والجواہر دارالاحیاء التراث العربی،بیروت

(62)عثمان بن علی بن مجحن البارعی فخرالدین الزیلعی تبیین الحقائق،المطبعۃ الکبری الامیریۃ، بولاق،القاہرۃ،الطبعۃ الاولی،1313ھ

(63)علاءالدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی،البدائع الصنائع،مکتبہ رشدیہ،کوئٹہ

(64)علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری،کشف الاسرار عن اصول فخر الاِسلام البزدوی، دارالکتب العلمیۃ،بیروت،1418ھ۔1997ء

(65)علی بن حسام الدین المتقی الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال،مؤسسۃ الرسالۃ ،بیروت،1989ء

(66)علی بن سلطان محمد القاری،مرقاۃ المفاتیح،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ

(67)علی بن عمر ابوالحسن الدارقطنی البغدادی،سنن الدارقطنی ،دارالمعرفۃ،بیروت،1386ھ۔1966ء

(68)علی بن محمد البزدوی،اصول البزدوی،قدیمی کتب خانہ،کراچی

(69)علی بن محمد سید الزین ابوالحسن الحسینی الجرجانی الحنفی ،کتاب التعریفات،مکتبہ رحمانیہ،لاہور

(70)علی بن نایف الشحود ،الخلاصۃ فی احکام الفتوی ، دار المعمور،مالیزیا،الطبعۃ الثانیۃ، 1430ھ۔2009ء

(71)علی ہجویری،کشف المحجوب،شبیر برادرز،لاہور

(72)عمر بن نجیم المصری،النہر الفائق شرح کنز الدقائق،قدیمی کتب خانہ،کراچی

ق

(73)قاسم قادری،آدابِ فتوی،مکتبہ اہل سنت،فیصل آباد

(74)رسائل قادریہ،مکتبہ اہل سنت،فیصل آباد،مئی 2008ء

م

(75)محب اللہ البہاری،مسلم الثبوت،،مطبع انصاری،دہلی

(76)محمد امین ابن عابدین الشامی، العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ، حاجی عبدالغفار پسران،قندھار افغانستان

(77) ردالمحتار،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ

(78) شرح عقود رسم المفتی،سہیل اکیڈمی،لاہور

(79) منحۃ الخالق علی البحر الرائق، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
(80) محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیۃ، إعلام الموقعین عن رب العالمین، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، مصر، القاہرۃ، 1388ھ۔1968ء
(81) محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی ابوبکر، اصول السرخسی، الناشر دار المعرفۃ، بیروت
(82) محمد بن إسماعیل بن إبراہیم بن المغیرۃ البخاری، ابوعبد اللہ، صحیح بخاری، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، 1407ھ۔1987ء
(83) محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی البستی، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، 1414ھ۔1993ء
(84) محمد بن حسین بن حسن الجیزانی، معالم اصول الفقہ عند اہل السنۃ والجماعۃ، دار ابن الجوزی، سعودیہ، الطبعۃ الخامسۃ، 1427ھ
(85) محمد بن سلامۃ بن جعفر ابوعبد اللہ القضاعی، مسند الشہاب، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، 1407ھ۔1986ء
(86) محمد بن صالح بن محمد العثیمین، الاصول من علم الاصول، دار ابن الجوزی، 1426ھ
(87) الخلاف بین العلماء، دار الوطن، 1423ھ
(88) محمد بن عبد اللہ ابوعبد اللہ الحاکم النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی، 1411ھ۔1990ء
(89) محمد بن عمر بن الحسین الرازی، المحصول فی علم الاصول، جامعۃ الإمام محمد بن سعود الإسلامیۃ، ریاض، 1400ھ
(90) محمد بن عیسی ابوعیسی الترمذی السلمی، الجامع الصحیح سنن الترمذی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت

(91) محمد بن محمد الغزالی ابوحامد، احیاء العلوم، مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ، مصر

(92) المستصفی فی علم الاصول، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1413ھ

(93) کیمیائے سعادت، مطبوعہ انتشارات گنجینہ تہران، ایران

(93) مسلم بن الحجاج ابو الحسین القشیری النیسابوری، صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربی، بیروت

(94) محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی، 1419ھ۔1998ء

(95) محمد بن عبد العظیم المکی الرومی الموری الحنفی، القول السدید فی بعض مسائل الاجتہاد والتقلید، دار الدعوۃ، الکویت، 1988ھ

(96) محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر احمد الشہرستانی، الملل والنحل، مصطفیٰ البابی، مصر

(97) محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، المکتب الإسلامی، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، 1405ھ۔1985ء

(98) منصور بن محمد بن عبد الجبار السمعانی، قواطع الادلۃ فی الاصول، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی، 1418ھ۔1999ء

(99) محمد بن عمر بن الحسین الرازی، المحصول فی علم الاصول، جامعۃ الإمام محمد بن سعود الإسلامیۃ، ریاض، 1400ھ

ن

(100) نظام الدین رضوی (ترتیب کردہ)، صحیفہ مجلس شرعی (جلد دوم)، دار النعمان، کراچی، طبع ثانی، 1430ھ۔2009ء

(101) نواب صدیق حسن، تفسیر فتح البیان، طبع مصر

(102)نورالدین علی بن ابی بکرالہیثمی ،مجمع الزوائدومنبع الفوائد،دارالفکر، بیروت،1412ھ
و
(103)وحیدالزماں،شرح سنن ابن ماجہ،اسلامی اکادمی،لاہور،جنوری1990ء
(104)وزارۃ الاوقاف والشئون الاِسلامیۃ الکویت،الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، دارالسلاسل ، الکویت،دارالصفوۃ،مصر،1427ھ
(105)وھبۃ الزحیلی،الفقہ الاسلامی وادلتہ ،دارالفکر،سوریہ،دمشق

اعتذار

حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ پروف ریڈنگ کی کوئی غلطی نہ ہولیکن بتقاضائے بشریت اگرکوئی غلطی رہ گئی ہوتو قاری سے التماس ہے کہ ناشر سے رجوع فرمائے انشاءاللہ آئندہ اس کودرست کردیا جائے گا۔

عنقریب منظر عام پر آنے والی ادارے کی دیگر معرکۃ الآراء کتب

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف
1	دفاع سنیت و حنفیت	مولانا محمد انس رضا قادری
2	حسام الحرمین اور مخالفین	مولانا محمد انس رضا قادری
3	قرض کے احکام	مولانا محمد اظہر عطاری
4	مسجد انتظامیہ کیسی ہونی چاہیے؟	مولانا محمد اظہر عطاری
5	امام مسجد کیسا ہونا چاہیے؟	مولانا محمد اظہر عطاری
6	علم نافع (ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ)	مترجم مولانا محمد اظہر عطاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفاع سُنّیت و حنفیت

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

عقائد اہل سنت اور حنفی مذہب کا احادیث و آثار کی روشنی میں ثبوت

عقائد اہل سنت اور حنفی مذہب کی تائید میں موجود احادیث کی فنی حیثیت

غیر مقلدوں کے دلائل و اعتراضات کے جوابات

ابو احمد محمد انس رضا قادری
تخصُص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃُ العالمیۃ
ایم۔اے اسلامیات، ایم۔اے پنجابی، ایم۔ اے اردو

ناشر

مکتبہ فیضانِ شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قطع تعلقی

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

صلہ رحمی کے فضائل، قطع تعلقی کے عذابات

قطع تعلقی کی جائز و ناجائز صورتیں

بدمذہبوں، فاسق و فاجر سے قطع تعلقی کا حکم

مصنف

ابو احمد محمد انس رضا قادری

تخصُص فی الفقه الاسلامی، الشهادةُ العالمیة

ایم ۔اے اسلامیات، ایم ۔اے پنجابی، ایم۔اے اردو

ناشر

مکتبہ فیضانِ شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہارِ طریقت

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

تصوف کی تعریف ومفہوم،تصوف پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات
اسلامی اور غیر اسلامی تصوف کا تقابلی جائزہ،طریقت کی تعریف واحکام، بیعت کا ثبوت
شانِ اولیاء اللہ، پیری مریدی کے احکام،جعلی پیروں کی پہچان

مصنف

ابو احمد محمد انس رضا قادری
تخصُص فی الفقہ الاسلامی،الشھادۃُ العالمیۃ
ایم ۔اے اسلامیات،ایم ۔اے پنجابی، ایم۔اے اردو

ناشر

مکتبہ فیضانِ شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرض کے احکام

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

فقہ کے تمام ابواب میں موجود قرض کی صورتیں، قرض کے جدید مسائل

لیزنگ، بنک اور قرض، c,c (کیش کریڈٹ) حج وعمرہ بذریعہ بنک، چیک، انشورنس

سکیورٹی وایڈوانس، ملکی معاملات اور قرض، انعامی بانڈز، اسکیمیں، ٹیکس، گروی، لکی، بولی والی

کمیٹی، U,Fone Lone، Mony Exchangers (ہنڈی) ادائیگی قرض کے وظائف،

اس کے علاوہ اور بہت کچھ

مصنف

ابو اطہر محمد اظہر عطاری المدنی
تخصُص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃُ العالمیہ

ناشر

مکتبہ فیضانِ شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حُسَامُ الحرمین

اور

مخالفین

دیوبندی مولوی الیاس گھمن کی کتاب ''حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ'' کا جواب

مصنف

ابو احمد محمد انس رضا قادری

تخصُص فی الفقہ الاسلامی،شہادۃُ العالمیہ،

ایم ۔اے اسلامیات،ایم ۔اے پنجابی، ایم۔ اے اردو

مکتبہ فیضانِ شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاہور